تاریخ کے گم شدہ اوراق

علّامہ نیاز فتح پوری

Marfat.com

تاریخ کے گُم شدہ اوراق

Marfat.com

تاریخ کے گُم شدہ اوراق

○

علّامہ نیاز فتح پوری

مکتبۂ اُردو ادب
۲۷۔ایف۔ گلشن راوی ○ لاہور فون: ۷۴۶۰۲۶۰
E-MAIL:urdu adab @ hotmail.com

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر: سرفراز احمد

مطبع: پریس لاہور

قیمت: ۱۴۰ روپے

Marfat.com

ترتیب

مولانا نیاز فتحپوری، ۔۔۔۔۔۔شاہد احمد دہلوی	۷
نیاز صاحب، ۔۔۔۔۔۔محمد طفیل (نقوش)	۱۳
عورت اہل فارس کی نظر میں	۳۵
آسکر وائلڈ کے خطوط (سارہ کے نام)	۳۹
حسن کی عیاریاں	۶۹
یوروپ کی ایک حسین راہبہ	۷۵
ایک خائن ملکہ	۸۵
زبیدہ و عبدالرحمٰن فاتح اندلس	۹۱
تاتاری جذبۂ انتقام	۹۵
صلاح الدین ایوبی کے دو آنسو	۹۹
کالیگولا کی خوں آشامیاں	۱۰۴
ایک شاعر کی الہامی پیشن گوئی	۱۱۱
حسن تائب	۱۱۵
دنیا کا ایک انتہائی بدنصیب شہر	۱۲۰
وصل بعد وصال	۱۲۵

Marfat.com

تاجدارِ رقاصہ	۱۳۰
ہندوستان کا ایک کاہن نجومی	۱۳۵
حسن کی شہر آشوبیاں	۱۴۰
ہیکل عشروت پر ذبح حسن و جمال	۱۵۰
تشنۂ کوثر	۱۵۶
انطانی اور کاہنۂ مصر	۱۶۲
ایک سپاہی کا عہد	۱۶۸
تاریخ مذہب کا ایک خونیں ورق	۱۷۵
آگ اور خون سے کھیلنے والا فرمانروا	۱۸۰
تاریخ مذہب کا وہ تاریک دن جس کی نظیر چنگیز و ہلاکو بھی پیش نہ کر سکے	۱۸۶
رومہ کا دورِ ابتبداد	۱۹۱
مسلمانوں کا عسکری اخلاق	۱۹۷
اندلس کے آثار علمیہ	۲۰۲
میرا وطن کہاں ہے	۲۱۱
باب و بہا	۲۱۶
زنگاری یا جپسی جماعت کے دلچسپ حالات	۲۲۴
جب اُندلس میں مسلمان زندہ جلائے جاتے تھے	۲۳۲

Marfat.com

مولانا نیاز فتح پوری

(شاہد احمد دہلوی)

۲۴ مئی (۱۹۶۶ء) کو صبح کی خبروں میں ریڈیو پاکستان نے یہ غم ناک خبر سنائی کہ اردو کے مشہور نقاد اور ادیب نیاز فتح پوری کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نیاز صاحب کی سناؤنی سن کر مجھے تعجب نہیں ہوا مگر ہاں دل پر غم واندوہ کا ہجوم ہو گیا۔ تعجب یوں نہیں ہوا کہ نیاز صاحب کئی مہینے سے علیل تھے۔ معلوم ہوا تھا کہ ان کے منہ میں کچھ تکلیف ہو گئی ہے۔ اس وقت خیال ہوا تھا کہ شاید نقلی بتیسی کی کسی خرابی کی وجہ سے یہ تکلیف ہو گئی ہو گی۔ مگر پھر یاد آیا کہ نیاز صاحب نے کبھی نقلی بتیسی لگائی ہی نہیں۔ میں نے ان کے پوپلے منہ کو دیکھ کر خود ان سے ایک دعوت میں پوچھا تھا ''کہ آپ اپنا چوکا کیوں نہیں بنوا لیتے؟'' میرے اس بدتمیزی کے سوال پر انھوں نے متبسم ہو کر فرمایا تھا ''کہ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میرے منہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اس میں بتیسی لگائی جائے۔'' میں نے سوچا کہ جیسے نیاز صاحب کی ہر بات میں ایک انوکھا پن ہوتا ہے، یہ بھی ایک انوکھی بات ہے کہ نقلی دانت ان کے منہ میں نہیں سما سکتے۔ پھر میں نے کھانے کے دوران میں مولانا کی طرف دیکھا تو وہ بغیر کسی زحمت کے کھانا کھا رہے تھے۔

ہاں تو نیاز صاحب کے انتقال کی خبر سن کر مجھے تعجب نہیں ہوا۔ کیوں کہ بعد میں ان کی تکلیف کے بارے میں ڈاکٹروں کی متفقہ رائے یہ ہو گئی تھی کہ یہ کینسر ہے۔ میں تو اسی دن مایوس ہو گیا تھا کہ اب مولانا کی زندگی کے دن شمار ہو چکے ہیں۔ بہت جئیں گے تو سال چھ مہینے

Marfat.com

اور ہوا بھی یہی، مثل مشہور ہے کہ جب تک سانس تب تک آس۔ مولانا کے کینسر کو ریڈیم سے جلانے کا علاج کیا گیا، کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کوبالٹ سے علاج ہوا، افاقہ نہیں ہوا

مرض بڑھتا ہی گیا، جوں جوں دوا کی

پھر معالجوں نے آپریشن تجویز کیا اور مولانا اس تکلیف کو بھی گوارا کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آپریشن ہو گیا اور نیاز صاحب اچھے ہونے شروع ہو گئے۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ میرا اندیشہ غلط نکلا۔ مولانا پھر لکھنے پڑھنے بھی لگے اور ان کی افسردگی بھی دور ہو چلی تھی، کہ مرض پھر عود کر آیا۔ بیچ میں صحت کا جو تھوڑا سا وقفہ آیا تھا۔ وہ گویا مولانا نے سنبھالا لیا تھا۔ اب کے جو مرض بڑھنا شروع ہوا تو جان لے کر ہی ٹلا۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس اس کا ہے کہ مولانا کا آخری دیدار نہیں کر سکا۔ میں خود تین مہینہ سے قید بستر میں تھا۔ اور چلنے پھرنے سے معذور (''میری دائیں ٹانگ کا دوران خون بند ہوتا جا رہا تھا۔ جب دواؤں اور انجکشنوں سے فائدہ نہیں ہوا تھا تو فوراً خون کی رگ کا بڑا خطرناک اپریشن سرجن دلاور عباس سے کرانا پڑا اور نہ ٹانگ ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ آپریشن کے بعد پچیس دن تک بستر سے پاؤں نیچے نہیں اتار سکتا تھا۔ ڈھائی مہینے بعد چھڑی کے سہارے چند قدم چلنے کے قابل ہوا۔ اب تین مہینے بعد بھی زیادہ نہیں چل سکتا بس کوئی دو سو قدم'')

مولانا نیاز فتح پوری کی ادبی زندگی کا آغاز اس صدی کے آغاز کے ساتھ ہوا۔ وہ سر عبدالقادر کے ''مخزن'' کے لیے مضامین لکھتے تھے اور چونکہ ایک طرز خاص کے لکھنے والے تھے۔ اس لیے عبدالقادر صاحب ان کے مضامین کو ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ اس وقت یعنی اب سے کوئی ساٹھ سال پہلے نیاز صاحب شعر بھی کہتے تھے اور ان کی اکثر نظمیں بھی ''مخزن'' میں شائع ہوتی تھیں۔ ان کی طبعیت روایتی غزل گوئی سے نفور تھی۔ خوب سے خوب تر کی جستجو میں ایک سے ایک اچھی نظم کہتے تھے۔ ان کی نثر میں بھی شاعرانہ عنصر بہت نمایاں تھا۔ اور ان کے فقروں میں وہی لطف آتا تھا جو ایک اچھا شعر سن کر حاصل ہوتا ہے۔ نیاز صاحب کی ابتدائی تعلیم اسی انداز پر ہوئی تھی جو قدیم مسلمان شرفاء کا دستور تھا۔ یعنی عربی، فارسی کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم بھی انھیں ملی۔ گھر کا ماحول بھی مذہبی تھا۔ اور غالباً اسی کا اثر تھا کہ جوان ہونے پر نیاز صاحب کے چہرے پر ایڈورڈ فیشن کی داڑھی تھی۔

Marfat.com

اسی داڑھی کی وجہ سے وہ ''مولانا'' کہلائے۔آگے چل کر جب ڈاڑھی غائب ہو گئی تو ''علامہ'' کہلانے لگے۔

نیاز صاحب نے اسکول میں انگریزی بھی پڑھی تھی مگر حالات کچھ ایسے تھے کہ کالج کی تعلیم حاصل نہ کر سکے اور سب انسپکٹر پولیس ہو گئے۔مگر ملازمت کی قید و بند انھیں گوارا نہ ہوئی اور نوکری چھوڑ چھاڑ ہمیشہ کے لیے ادب کے ہو رہے۔

۱۹۱۳ء میں آگرہ سے شاہ دلگیر نے ماہنامہ ''نقاد'' جاری کیا۔اس کے مخصوص لکھنے والوں میں مہدی افادی اور نیاز فتح پوری تھے۔خود شاہ دلگیر اچھے شاعر اور بہت اچھے نثر نگار تھے۔یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک اچھا فقرہ لکھنے کے لیے ہمارے بعض اہل قلم کئی کئی دن الفاظ کی تلاش میں گذار دیتے تھے۔یہی وہ زمانہ تھا کہ نیاز صاحب ٹیگور سے متاثر ہونے شروع ہوئے اور ''گیتا نجلی'' کا ترجمہ انھوں نے ''عرض نغمہ'' کے نام سے کیا۔یہی ترجمہ ہمارے ان شاعرانہ ادب پاروں کی بنیاد ہے جنھیں ''ادب لطیف'' کا نام دیا گیا۔نیاز صاحب آسکر وائلڈ سے بہت متاثر ہوئے تھے۔بالخصوص اس کی نثری نظموں سے۔نیاز صاحب کی البیلی نثر کا تتبع تو بھلا کون کر سکتا تھا۔ہاں نقالی میں ایک جم غفیر نے لکھنا شروع کر دیا۔

ہر بو الہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

وہ مٹی پلید کی ان نقالوں نے ''ادب لطیف'' کی کہ لوگ اس کے نام سے گھن کھانے لگے۔نقاد چند سال چل کر بند ہو گیا اور اپنی ایک روایت چھوڑ گیا۔

خوش درخشید و لے شعلۂ مستعجل بود

نقاد کے کچھ عرصہ بعد لکھنے والوں کا ایک حلقہ ''یاران نجد'' کے نام سے قائم ہوا۔اس میں من جملہ دیگر اہل قلم حضرات کے نیاز فتح پوری، دلگیر اکبر آبادی، خلیقی دہلوی، محمود اکبر آبادی، اورل۔احمد (یعنی لطیف الدین احمد) جیسے جلیل القدر ادیب شامل تھے۔

''یاران نجد'' ہی کی تحریک پر آگرے سے ماہنامہ نگار جاری ہوا۔جس کے رئیس التحریر نیاز فتح پوری مقرر ہوئے۔اس بات کو اب ۴۴۔۴۵ سال ہو گئے۔نیاز صاحب کے قلم کا شباب

Marfat.com

اورل۔ احمد کی نگارش لطیف کے جوہر بھی نگار میں کھلنے لگے۔ نگار کے علمی اور ادبی مضامین نے سارے ملک میں دھوم مچادی۔

نیاز صاحب مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ بھی کام کر چکے تھے اور مولانا کے طرز تحریر سے بھی متاثر ہوئے تھے۔ مگر مولانا کی ادق بلاغت کو سہل الفہم بنا کر نیاز صاحب نے اپنے اسلوب میں ڈھال لیا تھا۔ بات کہنے کا انداز نیاز صاحب کا سب سے جداگانہ تھا۔ پڑھنے والے ان کی نگارشات پڑھنے کے لیے بے قرار رہتے تھے۔ ان کے انداز بیان پر بڑے بڑوں نے ہاتھ ڈالا مگر اس کی سادہ پرکاری کسی کے ہاتھ نہ آئی۔ نیاز صاحب جب اپنے اسلوب تحریر کے خود ہی مخترع بھی تھے اور خود ہی خاتم بھی۔

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

نیاز صاحب نے زمانہ شباب ہی میں اپنا ناول ''شہاب کی سرگزشت'' لکھا تھا۔ جوانوں کے لیے یہ ناول حرز جاں بن گیا تھا۔ دراصل یہ ناول اتنا زیادہ ناول نہیں ہے جتنا کہ ایک ادبی شہہ پارہ۔ اس کے فقرے لوگوں کو ازبر تھے۔ نیاز صاحب کے ایک غائبانہ عاشق شہاب کی سرگزشت سنانے بیٹھے تو پوری رات سنا کر ہی اٹھے۔

نگار اور نیاز کا یہی زمانہ عروج تھا کہ نیاز صاحب نے ادبیات سے توجہ کم کر کے مذہبیات سے التفات بڑھانا شروع کر دیا۔ ڈاڑھی ان کے چہرے سے معدوم ہوگئی۔ غالباً یہ ان کا تشکیک کا دور تھا۔ معقولات کی حد سے گذر کر نیاز صاحب نے مضحکہ خیزی کو اپنا شعار بنا لیا۔ اس کے خطرناک نتائج نکلنے ہی تھے۔ ان پر مولویوں کی یلغار ہوئی۔ کفر کے فتوے لگائے گئے اور ان کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ ان سے معافی نامہ شائع کرایا گیا۔ ایک دور وہ تھا اور ایک دور لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ نیاز صاحب نہایت پابندئی اوقات سے نماز پڑھ رہے ہیں۔

نیاز صاحب کی وفات کی خبر سن کر اتنے بے شمار واقعات یاد آرہے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کس کو بیان کروں۔ نیاز صاحب ایک جوہر قابل تھے۔ انھوں نے بڑی محنت سے اپنی زندگی بنائی تھی اور اپنا وقار قائم کیا تھا۔ وہ شاعر تھے۔ انشاء پرداز تھے۔ صاحب طرز ادیب

Marfat.com

تھے۔ نقاد تھے۔ صحافی تھے۔ عالم تھے۔ فاضل تھے۔ اور سب سے بڑھ کر ایک عظیم انسان تھے۔

نیاز صاحب بہت خاموش طبعیت کے آدمی تھے کسی قدر لیے دیئے بھی رہتے تھے۔ پہلی ملاقات میں لوگوں کو ان کا بہت غلط اندازہ ہوتا تھا۔ عام طور سے لوگ انھیں مغرور اور بد دماغ سمجھتے تھے۔ بعض نوجوان ان کی کتابیں پڑھ کر بڑی عقیدت سے ان سے ملنے جاتے تھے۔ نیاز صاحب ایک مصروف آدمی تھے۔ انھیں ہر وقت پڑھنے لکھنے سے کام رہتا تھا۔ پھر اپنی تعریف سن کر انھیں وحشت ہوتی تھی۔ ملاقاتی صاحب اسلام علیکم رسید کر کے مصافحہ کے لیے دونوں ہاتھ بڑھا دیتے۔ نیاز صاحب ہاتھ سے قلم رکھتے نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھتے اور سخت اکراہ کے ساتھ ہاتھ بڑھاتے وہ صاحب اپنے دونوں ہاتھوں سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ان کے نرم و نازک ہاتھ کو ملتے دلتے اور اس عمل سے فراغت پا کر اپنے دونوں ہاتھ سینے پر مل کر سامنے کرسی پر ڈٹ جاتے۔

''بڑا اشتیاق تھا آپ سے ملنے کا۔''

نیاز صاحب کہتے۔ ''جی''۔۔ اور اپنے کاغذات سنبھالنے لگتے۔ وہ فرماتے۔

''آج یہ حسرت پوری ہوگئی۔''

نیاز صاحب کہتے۔ ''جی''۔۔ اور ادھر ادھر کچھ تلاش کرنے لگتے۔ وہ فرماتے۔

''لکھنو ایک کام سے آیا تھا میں نے کہا آپ سے بھی نیاز حاصل کرتا چلوں''

نیاز صاحب کہتے۔ ''جی''۔۔ اور اٹھ کر الماری کی طرف جاتے۔

وہ فرماتے۔ ''آپ بہت مصروف آدمی ہیں۔ مجھے اجازت ہے۔''

نیاز صاحب کہتے۔ ''جی''۔

وہ صاحب سلام داغ کر رخصت ہو جاتے اور دل میں کہتے کہ ''بڑا مغرور آدمی ہے، لاحول ولاقوۃ!''

مگر جن سے نیاز صاحب کی دل کی جواری کھل جاتی، وہ جانتے ہیں کہ کس قدر خوش اخلاق اور خوش گفتار تھے۔ جب ان کی جان پر بنی ہوتی تھی اس وقت بھی وہ بعض

Marfat.com

پرانے ملنے والوں کی خاطر پلنگ پر سے اٹھ کر باہر آجاتے تھے۔ بیمار پرسی کرنے والا خود شرمندہ ہوتا کہ اس حالت میں انھیں کیوں تکلیف دی۔ خود ہی کہہ دیتا کہ آپ آرام کیجیے۔

نیاز صاحب پرانے عالموں کا آخری نمونہ تھے۔ وہ ہر علم میں تیز نے ہوئے تھے۔ معلومات کی انسائیکلو پیڈیا۔ ساری عمر علم وادب کی خدمت کی اور فارغ البالی کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ سنا ہے کہ علم و دولت کبھی یک جا نہیں ہوتے۔ نیاز صاحب دولت دنیا سے محروم مگر دولت علم سے مالا مال تھے۔ دولت کا کیا ہے؟ آج ہے کل نہیں۔ عشق کی طرح علم کی دولت بھی لازوال ہوتی ہے۔ نیاز صاحب کے علمی کارنامے رہتی دنیا تک زندہ وتابندہ رہیں گے۔

ہرگز نہ میرد آں دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

Marfat.com

نیاز صاحب

(محمد طفیل نقوش)

فرمان صاحب! آپ بھی فتح پور کے رہنے والے ہیں۔ وہی بات ہوگئی نا کہ یک
۔ شد دو شد!

جب آپ کا پہلا خط آیا تھا۔ اگر میں کچھ بھی نیاز صاحب پر لکھ سکتا تو اسی وقت لکھ
بھیجتا۔ یاد دہانیوں کی نوبت نہ آتی۔ مگر میں کیا کروں۔ نیاز صاحب کے بارے میں میری
علومات ناقص نہ سہی، محدود ضرور ہیں۔ اتنی مختصر یادوں کے سہارے مجھ سے اتنی بڑی
خصیت کا ''جھٹکا'' نہ کرائیں۔

میرا کوئی عذر بھی تو کسی کام نہ آیا۔ آپ نے مطلوبہ کتابیں تک بھجوا دیں۔ اب
سوائے اس کے کہ کچھ زیادتی میں بھی نیاز صاحب کے ساتھ کروں اور کیا چارہ کار باقی رہا۔
سارا گناہ ثواب آپ کی گردن پر۔

میں نقاد نہیں ہوں کہ جہاں چاہوں ڈنڈی ماردوں۔ میرا موضوع شخصیتوں کا
مطالعہ ہے۔ جس میں جھوٹ نہیں چلتا بلکہ کنواری لڑکیوں کی طرح اپنی لاجوں آپ مرنا پڑتا
ہے۔

بھائی! میں نیاز صاحب کی تحریر کا تو عاشق ہوں مگر شخصیت کا نہیں۔ بالکل نہیں۔
س لیے اب بھی سوچ لیجئے کہ مجھ سے کچھ لکھوانا مناسب بھی ہوگا یا نہیں؟ پھر میرا عجز یہ بھی ہے
کہ مجھے لفظی پینترے بازی آتی نہیں۔ بھاتی بھی نہیں۔ اس لیے دوٹوک انداز میں یہی کہنا
ے گا کہ شخصی اعتبار سے نیاز صاحب ایسے اور بھی بہت سے لوگ مل جائیں گے مگر نیاز بہ

Marfat.com

حیثیت ادیب نیاز ہی ہیں ۔ حریف کوئی نہیں ۔

ہاں صاحب یاد آیا۔ ان کی شخصیت کے اس پہلو پر ایمان رکھتا ہوں کہ یہ تھوڑی بہت انفرادیت کے ساتھ اپنی جگہ بڑی دلچسپ اور ہنگامہ آفرین شخصیت کے مالک ہیں ۔

(۲)

میں نے نیاز صاحب کا نام اس وقت سنا تھا۔ جب خود بچہ تھا مگر آج مجھے باتیں کرنی پڑیں گی ۔ ایک بوڑھے بچے کے بارے میں، لوگ بوڑھے اور بچے کو ایک برابر سمجھتے ہیں ۔ مگر نیاز ایسے بوڑھوں میں نہیں ۔ جنہیں بچہ کہا جا سکے ۔ کلیہ غلط ہو گیا۔

بچپن ہی میں یہ سنا تھا کہ لکھنوء میں ایک کافر نیاز نامی ہے ۔ جو ایسی باتیں لکھتا ہے جو اسلام کا بدترین دشمن بھی نہیں لکھ سکتا ۔ اس وقت ان کے خلاف جلسے ہوتے تھے ۔ تقریریں ہوتی تھیں ۔ ایک ہنگامہ بپا تھا۔ مولانا سلیمان ندوی اور مولانا عبدالماجد دریا بادی نیاز صاحب کو کافر اور ملحد قرار دے رہے تھے ۔ کیا خبر تھی کہ جب اسی کافر اور ملحد سے ملاقات ہو گی تو وہ کئی عابدوں سے بہتر انسان ثابت ہو گا۔

میری کوئی شامت تھوڑی آئی ہے جو میں یہ کہوں کہ علماء بلاوجہ ہی برہم تھے ۔ بات یہ ہے کہ نیاز صاحب کی شرارت آمیز باتوں نے جو انھیں گرمایا تو وہ آپے میں نہ رہے ۔ دوسرے ہمارے علماء مذہب کے معاملے میں عقل کو دخل دینے بھی تو نہیں دیتے ۔ بس اتنی سی غلطی تھی جو نیاز صاحب سے ہوئی ۔ چونکہ شرارت اور اپج سے نیاز صاحب کا خمیر اٹھا ہے ۔ اس لیے بے مہار بھی چلے:

> ایک طرف یہ کہتے ہو کہ اسلام نے بت پرستی کو مٹایا اور دوسری طرف اس میں مبتلا ہو ۔ بت خواہ وہ خدا ہی کا کیوں نہ ہو بت ہے اور توڑے جانے کے قابل ۔ اور خدا خواہ وہ کوئی بت ہی کیوں نہ ہو قابل پرستش ہے ۔ اگر تم اس نازک فرق کو نہیں سمجھ سکتے تو جاؤ اٹھو وضو کر کے نماز پڑھو ۔ تمہارا بت تم سے خفا نہ ہو جائے ۔۔ میں بھی جاتا ہوں ۔ آئینہ سامنے رکھ کر اپنے خدا کو پوجوں گا۔

Marfat.com

مذہب نام ہے صرف کورانہ اور جاہلانہ اعتقاد و اطاعت کا اعتقاد اس لیے اس کا وجود، خواہ وہ ضروری ہو یا غیر ضروری، مفید ہو یا غیر مفید، صرف اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ وہ اسی طرح جہل و لاعلمی کی دنیا میں رہے۔ علم کے میدان میں اس کی تگ و دو حد درجہ نامعقول جسارت ہے۔ کیونکہ یہیں آکر سب سے پہلے اس کُے پائے لنگ کا حال لوگوں پہ کھلتا ہے اور وہ مضحکہ خیز چیز بن جاتا ہے۔

مثالیں اور بھی بہت سی دی جاسکتی ہیں مگر چھوڑیئے۔۔ میں خود اپنے آپ کو کچھ معتبر قسم کا مسلمان نہیں سمجھتا۔ اس کے باوجود، مجھے بھی تو نیاز صاحب کافر ہی سے نظر آتے ہیں۔ واضح رہے کہ کافر ہونا اور کافر نظر آنا، دونوں مختلف صورتیں ہین۔

کفر و اسلام کی اس جنگ کے بعد، جس میں سرد فریق نیاز صاحب اور گرم فریق علماء تھے۔ انھوں نے ایک اور محاذ کھول دیا۔ شیعہ اور سنیوں کے درمیان مسئلہ خلافت کا، نچلا بیٹھنا ان کے بس کی بات ہی نہیں۔ اس بحث کا آغاز ''ہر نام'' سے ہوتا ہے۔ جو قرآن اور حدیث کے حوالوں سے باتیں کرتے ہوئے نہیں تھکتے اور حوالے دیتے ہیں ان کتابوں کے، جن میں تقریب التہذیب، استیعاب، اسد الغابہ، تاریخ کبیر، تاریخ کامل، تاریخ ابوالفدا، لباب التاویل، معالم التنزیل، مواہب لدنیہ، تاریخ خمیس، صواعق محرقہ، خصائص، ریاض النضرہ، طبقات کبریٰ، تاریخ الخلفاء، مدارج النبوۃ، جامع البیان، تفسیر کبیر، موطا، سیرۃ ابن ہشام، روض الانف وغیرہ ہیں۔ یہ ساری کتابیں رجال، سیر، تاریخ اور تفسیر کی مشہور کتابیں ہیں۔ اس سے پہلے میں نے ان میں سے چند ہی کے نام سنے تھے۔ چہ جائیکہ پڑھا ہو۔ جانچا ہو۔ مگر حیرت ہے ایک غیر مسلم پر، جو نہ صرف ان کتابوں کو پڑھتا ہے بلکہ ان میں ڈوب کر اپنے مطلب کے حوالے بھی نکال لاتا ہے۔ جہاں تک میرا ذہن کام کرتا ہے وہ تو یہ ہے کہ ہر نام کے پردے میں خود نیاز صاحب ہی نہوں گے۔ اس لیے کہ بی جمالو والا کام یہ خوب جانتے ہیں۔

ربع صدی سے پہلے ہی کا یہ بھی ذکر ہے کہ انھوں نے ایک شوشہ خط کی صورت میں

Marfat.com

چھوڑا۔ جس میں تمام علماء سے یہ پوچھا کہ ایک مسلمان جو فاسق و فاجر ہے اور ہر لحاظ سے برا انسان ہے اور اس کے برعکس ایک غیر مسلم جو ہر طرح سے بہتر انسان ہے اور دنیا کی کوئی برائی اس میں نہیں۔ ان دونوں میں سے جنت کا حق دار کون ہوگا؟

بہت سے علماء نے اپنی رائے گول مول سی دی۔ کچھ نے کنی کترائی۔ بہتوں نے یہ لکھا کہ مسلمان ہی جنت کا حق دار ہوگا۔ خواہ وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو۔ جواب میں انھوں نے بڑے تند و تیز مضامین لکھے۔ خوب ''بلا گلا'' ہوا۔ ان کے کہنے کا جو کچھ بھی لب لباب تھا۔ وہ یہ کچھ تھا:

''آپ لاکھ سمجھائیں یہ بات میری سمجھ میں کبھی نہ آئے گی کہ خدا صرف مسلمانوں کا ہے اور سوا ان کے سب کو جہنم میں پھینک دے گا۔ ظہور اسلام سے لے کر اس وقت تک زیادہ سے زیادہ دو چار سو مسلمان پیدا ہوئے ہوں گے اور ان کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ اور مذاہب کے لوگ، پھر کیا کوئی ذی عقل باور کر سکتا ہے کہ خدا ایک کو جنت دے اور ہزار کو دوزخ میں جلائے اس کو اتنے جہنمی پیدا کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی اور اتنی مخلوق کو جن میں نہ جانے کتنی حسین عورتیں ہوں گی آگ میں ڈال کر تڑپانے سے خدا کی کونسی مسرت وابستہ ہے!

آپ کے پاس اس کا ایک ہی جواب ہے کہ اس کی مرضی، اور میرے پاس بھی اس کے خلاف ایک ہی احتجاج ہے۔

یارب زسیل حادثہ طوفاں رسیدہ باد
بت خانے کہ خانقہش نام کردہ اند

ابھی کوئی سال سوا سال ہوا ہوگا۔ انھوں نے ایک اشغلہ اور چھوڑا کہ احمدی ہی اصل میں مسلمان ہیں۔ باقی سب نام کے مسلمان ہیں۔ نیاز صاحب خود نیاز محمد خان تو ہیں مگر مسلمان کچھ ایسے ویسے ہی نظر آتے ہیں۔ جب معاملہ یوں ہو تو پھر انھیں کیوں رہ رہ کر اسلام اور مذہب کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ بات یوں ذہن میں آوے ہے کہ نہ تو انھیں روایتی قسم کے اسلام سے کوئی دلچسپی ہے۔ نہ شیعوں سے، نہ سنیوں سے اور نہ غریب احمدیوں سے، یہ

Marfat.com

کوئی نہ کوئی اچنبھے کی ایسی بات کرنی چاہتے ہیں جس سے لوگوں کے کان کھڑے ہوں۔ اور انھیں اپنی علمیت کے جوہر دکھانے کا موقع ملے۔ یہ تو صرف اپنی قابلیت اور علمیت کی وجہ سے سب کو نااہل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ انا بھی کیا بری بلا ہے۔

جہاں تک میرا خیال ہے نیاز صاحب اندر سے بڑے مذہبی آدمی ہیں۔ انھوں نے اب تک مذہب کے بارے میں جو کچھ اور جتنا کچھ لکھا۔ اس میں صرف جھوٹی سنت کو جھنجھوڑا۔ بنے ہوئے خدائی فوجداروں کے مذہبی پندار کو آئینہ دکھایا۔ نیاز صاحب کوئی کافر وافر نہیں ہیں بلکہ معاملہ صرف اتنا نظر آتا ہے۔

کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

بہر حال یہ چھیڑ چھاڑ، انھیں بڑی مہنگی پڑی۔ ساری خدائی ایک طرف تھی اور یہ اکیلے ایک طرف، اپنی عقل اور علم کا علم لیے۔ مولویوں سے بغاوت، رسول کریم ﷺ سے بغاوت کے نام سے تعبیر ہوئی اور پھر بات خدا سے بغاوت تک پہنچا دی گئی۔

یہ جو مذہب دشمن بنے۔ وہ صرف خدا کے نمائندوں سے بدظن ہو کر۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مولویوں کے خلاف ''نقاب اٹھ جانے کے بعد'' قسم کے تقدس توڑ افسانے لکھے۔ ضد میں آکر اعتدال کی حدود یہ بھی پھاند گئے اور ہمارے علماء بھی، حالانکہ ضرورت تھی کہ ذرا پچکار کے اس ''مسلمان کو کافر بنا لیا جاتا''۔۔ اس ذہنی ورزش کا اور کوئی فائدہ ہوا کہ نہیں مگر حقیقی نیاز ضرور سامنے آگیا اور اس کے ساتھ عقل کو بھی مذہب کے معاملات میں ساتھ رکھ لینے کی بنیاد پڑی۔

میں نے جو کہا ہے کہ نیاز صاحب اندر سے مذہبی آدمی ہیں تو اس کی کچھ وجوہ بھی ہیں۔ ابھی ایک کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' نکلی۔ بہت سے نامور علماء نے اس کی بڑی تعریف کی۔ حالانکہ اس میں بڑی اوٹ پٹانگ باتیں درج ہیں۔ اس میں یزید کو خلیفہ برحق کہا گیا ہے۔ ایسے کہ جیسے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ تھے۔ پھر یزید کو امیر المومنین علیہ السلام اور رضی اللہ تعالیٰ عنہ، لکھ کر مسلمانوں کے جذبات سے کھیلا گیا۔ مطلب یہ کہ سخت دل آزار قسم کی کتاب ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق ایسے ادیب اور مولانا عبدالماجد ایسے عالم نے بھی اس کتاب کی

Marfat.com

تعریف کی مگر نیاز نے جو کافر ہیں۔ بڑا، سخت ریویو لکھا اور اس کے مندرجات کو ملعون گردانا۔

مجھے یا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان کہیں۔ جب کہ آج تک یہی پتہ نہیں چلا کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے۔ ۱۹۵۳ء میں احمدی ایجی ٹیشن کے خلاف جو انکوائری کمیٹی بیٹھی تھی۔ اس نے تمام علماء سے سوال کیا تھا کہ پہلے یہ بتایئے کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے۔ وہاں مختلف عقائد کے علماء جمع تھے۔ سب ایک دوسرے کا منہ یکھ کر رہ گئے۔ اس لیے کہ مسلمانوں میں بھی تو کئی عقیدوں کے لوگ ہیں۔ جیسے شیعی، خارجی، معتزلی، وہابی، احمدی، بہائی، نیچری وغیرہ۔ ہمارا مولوی تو دوسرے عقیدے والے کو پھٹ سے کافر کہہ دیتا ہے۔ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہم، مولویوں کی نظر میں مسلمان نہیں ہیں۔ دیکھا جائے تو مختلف عقیدے رکھنے والے بھی سارے کے سارے مسلمان ہیں۔ اس لیے کہ جو خدا کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے وہ کافر کیسے ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی رسول ﷺ کی عظمت کے بارے میں اور اسلام کی برتری کے بارے میں نیاز صاحب کی تحریروں میں ڈھونڈھنا چاہے تو وہ قطعاً مایوس نہ ہوگا۔ مگر کتنے ہیں جنھوں نے نیاز صاحب کے اس پہلو پر غور کیا ہوگا۔ ایک آدھ شہادت کے بعد، میں اس باب کو نہ چھیڑوں گا۔ اس لیے کہ میں کوئی ''مفتی'' نہیں ہوں کہ کسی کو مسلمان ہونے کے اور کسی کو مسلمان نہ ہونے کے پرمٹ بانٹتا پھروں۔۔ نیاز صاحب اپنے عقائد کے بارے میں خود کہتے ہیں:

''غضب خدا کا۔ میں سو بار کہہ چکا ہوں کہ خدا کی عظمت و جبروت اور اس کی قوت و قدرت کا اس طرح قائل ہوں کہ شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔ ہزار بار لکھ چکا ہوں کہ رسول ﷺ کی صداقت و بلندی فطرت پر جس طرح ایمان میں لایا ہوں۔ شاید ہی کوئی ایمان لایا ہو۔ لیکن باوجود اس اقرار کے بھی میں کافر ہوں۔ ملحد ہوں۔ مرتد ہوں۔ پھر اگر اس اقرار و عقیدہ کا نام کفر و الحاد ہے تو ۔۔

نام بہ کفر خویش کہ بہ ایمان برابر ست

نیاز صاحب کے عقائد کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ مذہب کے معاملے میں سرسید کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ سرسید بھی اپنے وقت میں کافر اور ملحد

Marfat.com

تھے۔ یہ بھی ہیں۔ اس لیے کہ دونوں کا جرم یہ ہے کہ انھوں نے مذہب کو عقلی انداز میں سمجھنے کی کوشش کی۔ آج لاکھوں کروڑوں مسلمان ہیں مگر ان میں کوئی سرسید نظر نہیں آتا۔ اسی طرح کل بھی لاکھوں کروڑوں مسلمان ہوں گے مگر ان میں کوئی نیاز نہ ہوگا۔

(۳)

نیاز صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۴۴ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت کی کوئی بات میرے ذہن میں نہیں۔ سوائے اس کے کہ میں انھیں ایک بڑا ادیب سمجھ کر ان سے ملنے چلا گیا۔ دوبارہ ۱۹۴۶ء میں ملا تھا۔ دوران گفتگو کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ بھی چلا۔ نیاز صاحب نے اس وقت تک زیادہ تر اپنی کتابیں خود ہی چھاپی تھیں۔ میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اپنی کتاب، کسی دوسرے ادارے کو نہ دیں گے۔ پوچھ لیا۔ ''اگر آپ اپنی دو چار کتابیں ادارۂ فروغ اردو کو بھی چھاپنے کے لیے دیں تو کرم ہوگا۔'' خلاف توقع انھوں نے بہت اچھا کہہ دیا۔ میں نے بھی موقع کی نزاکت اور ان کی وقتی شرافت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دریافت کیا۔ ''آپ کے پاس کیا کچھ اشاعت کے لیے موجود ہے؟''

اس کے جواب میں انھوں نے میرے سامنے ایک رجسٹر رکھ دیا۔ جس میں ان کے ان تمام مضامین کی فہرست تھی جو نگار میں تو چھپ چکے تھے مگر کتابی صورت میں نہیں آئے تھے۔ وہ کوئی دو سو کے قریب مضامین تھے۔ ان میں سے کچھ میرے پڑھے ہوئے تھے کچھ کے معیار اور ان کی اہمیت کا اندازہ ان کے موضوعات سے لگایا۔ پچیس تیس مضامین پر نشان لگا دیئے کہ یہ مضامین دے دیئے جائیں۔ انھوں نے نشان زدہ مضامین دیکھ کر ہامی بھر لی۔ ڈیڑھ ہزار روپیہ معاوضہ طے ہوا۔

نقول کے بعد جب وہ مضامین میرے پاس پہنچے تو ان میں ایک مضمون بھی وہ نہ تھا جن پر میں نے نشان لگائے تھے یا جو ہمیں مطلوب تھے۔ مجھے بڑا غصہ آیا شکایت کا خط لکھا۔ انھوں نے خوش کرنے کے لیے مجھے چند مضامین اور بہ طور رشوت بھیجے۔۔ بہر حال میں اپنے ادارہ کی طرف سے اصلی نیاز کو پیش نہ کر سکا بعد میں وہ مضامین من و یزداں (حصہ اول) کے نام سے خود نیاز صاحب نے چھاپے۔

Marfat.com

یہ وہی مضامین تھے۔ جن پر ایک زمانے میں ہنگامہ بپا تھا اور ''دین کا سچا درد رکھنے والے'' نیاز صاحب کو قتل کر دینے کی فکر میں تھے۔ میں نے ایسے مضامین کی اشاعت کے بارے میں کیوں سوچا تھا۔ یہ مسئلہ آج بھی میرے لیے غور طلب ہے۔ مگر یہ مسئلہ غور طلب نہیں کہ میں اگر نیاز صاحب کی ذہانت اور ان کی تحریر کا قائل ہوا تھا تو انہی مضامین سے، عقل اور تحریر کا اتنا بانکپن، یکجا کم ہی کبھی ہوا ہوگا۔

نیاز صاحب کی تحریر کی بات آنکلی ہے تو میری دو چار باتیں اور بھی سن لیں۔ یہ مضمون لکھنے کے لیے میں نے نیاز صاحب کی کتابوں کو پھر سے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس لیے کہ میرا خیال ہے نیاز صاحب اپنی تحریروں میں بالکل ننگے ہیں۔ دل و دماغ سے؟ ہاں دونوں اعتبار سے:

شروع شروع میں بعض خوب صورت فقروں اور جملوں پہ نشان بھی لگائے مگر میں یہ کام کہاں تک کرتا۔ ہر سطر ہر فقرہ اپنی طرف متوجہ کر لیتا۔ بعد میں تو ان کی تحریروں کے بہاؤ میں ایسا بہا کہ کچھ ہوش نہ رہا۔ پھر نہ تو کوئی نشان ہی لگا سکا اور نہ کہیں اٹک سکا۔ بہتا ہی چلا گیا۔ یہ بھی پتہ نہ چلا کہ صبح کے تین بج گئے۔۔ تین بجے ہوں اور سماں یہ ہو۔۔۔ ٹھنڈی یخ رات، اٹوٹ سناٹا، دور کتے کے بھونکنے کی آواز، کسی کسی گھر میں سرسراہٹ، کہیں اکا دکا دھند میں لپٹی ہوئی آواز۔۔ کبھی آپ نے نیاز صاحب کی تحریریں ایسے ماحول میں پڑھی ہیں؟ اگر پڑھی ہوں گی تو ان پر الہام کا گمان بھی ہوا ہوگا۔۔ میں ایسے سمے ''ایک شاعر کا انجام'' پڑھ رہا تھا۔ کیا بتاؤں میں نے کیا کچھ نہ پایا۔

نیاز صاحب نے جو کچھ بھی امتیاز حاصل کیا۔ وہ اپنے قلم کے سحر سے حاصل کیا۔ لکھنے کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ باتیں بھی کرتے جاتے ہیں۔ لکھتے بھی جاتے ہیں۔ گلوری منہ میں ہوگی۔ خوں خوں کر کے باتوں میں ساتھ دیں گے۔ ضرورت پڑی تو پیک نگل کر بولیں گے۔ ''یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ میں کام میں مشغول ہوں۔'' حافظہ بلا کا پایا ہے۔ ہر چیز، ہر کتاب ان کے ذہن میں منتقل ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بڑے بڑے کام صرف چند دنوں میں کر ڈالے۔ ''گہوارۂ تمدن'' ایسی کتاب صرف پندرہ

Marfat.com

دنوں میں ذہن سے کاغذ پر منتقل ہوگئی تھی۔

ان کے ہاں آمد ہی آمد ہے۔ آورد نام کو نہیں۔ الفاظ واقعی ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ یہ کمال میں نے صرف انیس، جوش اور نیاز میں دیکھا۔ باقی سب کے ہاں کاریگری ہے۔ وہ چاہے محمد حسین آزاد ہوں چاہے کوئی اور ہاں ابوالکلام کا نام بھی لیا جا سکتا ہے مگر انھوں نے تو آورد کو آمد بنایا۔ اس لیے میں نے دانستہ انھیں اس گروہ میں شامل نہیں کیا۔ یوں تو نیاز ابوالکلام سے متاثر ہیں۔ نیاز ہی کیا۔ پورا دور متاثر ہے۔ ابوالکلام نے تحریر کی باگیں خطابت کے ہاتھ میں دے دیں مگر نیاز نے ایسا نہیں کیا۔ انھوں نے اپنا رنگ جمانے کے لیے، تحریر کی آبرو کی قیمت اپنی ریاضت سے ادا کی۔

میرے ایک دوست ہیں۔ انھوں نے نیاز صاحب کے بارے میں کہا تھا کہ بڑے خودغرض ہیں۔ میں اس وقت اپنے اس دوست کو جھٹلا کر خود شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔ نہ مجھے نیاز صاحب نے اس پر مامور کیا ہے کہ میں ان کی طرف سے صفائی پیش کرتا پھروں۔ میں تو اس باب میں خاموش رہنا چاہتا ہوں۔ اس لیے کہ یہ بات سخن گسترانہ سہی مگر یکسر غلط بھی نہیں۔ ویسے خودغرض تو ہر آدمی ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنی ہی بھلائی چاہتا ہے۔ یہ شاید اتنے خودغرض نہیں کہ دوسروں کو نقصان پہنچا کر اپنی بھلائی چاہتے ہوں۔ مگر ایک کلیہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کا نقصان ہوئے بغیر اپنا فائدہ ہوتا ہی نہیں۔ اگر معاملہ یوں بھی ہو اور دوں بھی تو خاکسار حد ادب والی بات کو بھولنا نہیں چاہتا۔

نیاز صاحب کے منہ سے شکریے کا لفظ ذرا کم ہی نکلتا ہے۔ یہ ہر معاملے میں دوسرے کی مہربانی کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ ایک صاحب نے نگار کے بڑے خریدار بنائے۔ حیدر آباد دکن سے بڑے بڑے عطیے دلوائے۔ ہزاروں روپے، مگر نیاز صاحب نے ان میں سے کسی ایک کا بھی شکریہ ادا نہ کیا۔ حالانکہ بھاگ دوڑ کرنے والے صاحب کہتے ہی رہے کہ بھئی جن لوگوں نے اتنی اتنی بڑی رقمیں دی ہیں۔ ان کا لفظی شکریہ تو ادا کر دو مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ ''یہ مجھ سے نہ ہوگا''۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے کہ نظام کے ہاں تمھاری کمان چڑھی ہوئی ہے۔ یہ جو کچھ ہوا نظام کی

Marfat.com

وجہ سے ہوا اس لیے نہ میں شکریہ ادا کروں نہ تم کرو۔

اسی طرح ان کی انا کا ایک واقعہ وہ عرضداشت بھی ہے جو انھوں نے بیگم صاحبہ بھوپال کے نام لکھی تھی۔ سن پندرہ سولہ کا واقعہ ہوگا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ان کی ''گیتا نجلی'' کا ترجمہ شائع ہو چکا تھا۔ ''شاعر کا انجام'' اور ''جذبات بھاشا'' چھپ چکی تھیں۔ بھوپال میں ان کے کچھ ایسے قدر دان پیدا ہوئے جنھوں نے انھیں بھوپال آنے کی دعوت دی۔ اور بات بھی بیگم صاحبہ تک پہنچائی۔ بیگم صاحبہ نے وعدہ کر لیا کہ نیاز صاحب کا ہر طرح سے خیال رکھا جائے گا۔ نیاز صاحب بھوپال پہنچے تو فوری طور پر کچھ نہ ہوا۔ مجبوراً انھیں محکمہ اوقاف میں کام کرنا پڑا۔ جب دو برس یونہی گزر گئے تو دوستوں کے تقاضے سے انھوں نے ایک عرضداشت بیگم صاحبہ کو بھیجی۔ وہ عرضداشت یہ ہے:

عرض داشت نیاز

ذہن سپاس تو آید ہمیں کہ نالانم — زخندہ ات چہ نوا بردہ ام کہ گریانم
نگاہ مہر کہ برمن فگندۂ بینم — سحاب لطف کہ برمن فشردۂ دانم
ولے ز آرزوخود ہنوز منفعم — ز اقتضائے کمال خوش پشیمانم
بدست من سر دامان خود رسیدن دہ — وگرنہ چاک شدن خواہدش گریبانم
عجب نباشد اگر می زنی بدستارت — بجائے طرۂ کہ من گوہرے زعمانم
ببر مرا بہ مشامت کہ مشکم از تاتار — بکش مرا ببرت تیغے از صفاہانم
مرا بہ افسر و دیہیم خود بدہ جائے — کہ من بہ تاب و صفا لعلے از بدخشانم
لمرا پرس نہ حسان و شیخ شیرازی — کہ نغمہ عرب وطوطیے ز ابرانم
مرا بہ وعدہ لطفے چو شاہ فرمودی — نہ زیبدت کہ تماشہ کنی پریشانم
چہا کنی کہ تو امروز نیشتر سازی — ہماں امید کہ دی ساختی رگ جانم
تا ملے کن و قدرم شناس و کارم دہ — کہ باشد از نظر عدل و نظم شایانم

Marfat.com

وگرنہ وہ خبر از تامرا دیم کہ ز نم
بہ سنگ سخت فنا قلب نا لہ سامانم

ملاحظہ فرمائی آپ نے عرض داشت، دیکھ لیجئے درخواست میں بھی ان کی انا کس مقام پر ہے۔ بیگم پر طنز اور اپنی حد درجہ بڑائی کا احساس، یہ طنطنہ آپ کو اس قلندر کے علاوہ اور کس کے ہاں ملے گا؟ بیگم صاحبہ کا بھی ظرف دیکھئے کہ انھوں نے ایسی عرضداشت پر بھی ان کا (۱۹۱۸ء میں) کوئی ڈیڑھ سو، دوسو روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ تا کہ ''بزرگوار'' آزادانہ تصنیف و تالیف کا کام کر سکیں۔

علمی زندگی میں یہ ریاضی یا اقلیدس ہیں۔ جس طرح ایک عدد دوسرے عدد کو جمع تفریق ہوئے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ اسی طرح یہ بھی اپنے ملنے والوں کو ''جمع تفریق'' ہوئے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔

اور گوتم بدھ کی طرح، ان کے ہاں ایک خاص قسم کا ذہنی سکون بھی ملتا ہے۔ زبودگی اور بھاری بھرکم پن کے ساتھ، ایک خاص قسم کا استغنا۔

تکلف نام کو نہیں، جھوٹے پندار سے یارانہ نہیں۔ سوچنے کا انداز نرالا، کم علموں کو پڑھا لکھا اور پڑھے لکھوں کو بے علم اور جاہل سمجھ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات اپنی تحریروں میں سب کو حیرانی کی سرحد پر لا کھڑا کر دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے جو جی میں آئے لکھ ڈالیے۔ کون پوچھتا ہے۔ پھر ہر وقت ان کے ذہن میں ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' بھی گونجتا رہتا ہے۔ لکھنے لکھانے کی حد تک ان کا کلیہ یہ ہے کہ جو صاحب علم ہوگا۔ وہ تو ہر چیز پڑھے گا نہیں۔ جو بے علم ہوگا۔ اس کے لیے ہر تحریر میں سب کچھ ہوتا ہے۔

مذہبی معاملہ ہو یا علمی و ادبی، انھیں اپنے جوہر دکھائے بغیر چین نہیں پڑتا۔ چاہے کسی بھی معاملے میں سو سو کیڑے ڈلوا لیجئے۔ ہماشما کا تو ذکر ہی کیا۔ انھوں نے خدا کی کتاب (قرآن) تک کو کہہ دیا کہ یہ خدا کا کلام نہیں۔ بلکہ اس کتاب کو اگر رسول ﷺ کی کتاب مانیں تو اس سے رسول ﷺ کی عظمت اور بڑھے گی۔ مطلب یہ کہ بات دنیا سے الگ جو کرنی ہوئی۔

Marfat.com

انھوں نے اگر کسی کے خلاف لکھا ہے تو وہ سب ایسے ہیں جن کا ادب میں اونچا مقام ہے چھوٹے موٹے ادیبوں کو تو منہ ہی نہیں لگاتے۔ پہلے بھی میں نے عرض کیا ہے کہ مبتدیوں کی بے جا حد تک حوصلہ افزائی کر جائیں گے۔ اس خیال سے نہیں کہ وہ ایسے توصیفی کلمات کے مستحق ہوتے ہیں بلکہ اس خیال سے کہ ان کی ننھی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع تو ملے اور۔۔۔ اور۔۔۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔

انھوں نے بڑے بڑے اساتذہ کو وہ وہ اصلاحیں دی ہیں کہ بے چارے نکو بن کر رہ گئے۔ کوئی خوش قسمت ہی ہوگا جو ان کے قلم کی زد سے بچا ہو۔ جہاں تک شعر کے سمجھنے کا تعلق ہے۔ خوب سمجھتے ہیں۔ شعروں کا آپریشن بھی خوب کرتے ہیں مگر اس آپریشن میں بعض اوقات شعر کو ذبح بھی کر ڈالتے ہیں۔ ساری دنیا ان کی اصلاحوں کو جو چاہے درجہ دے مگر میری ناچیز رائے میں اصلاحیں بڑی بھونڈی دیتے ہیں۔ ابتدائی دور میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ چونکہ عمر کے ساتھ ساتھ استادی شان بھی بڑھتی ہے۔ اس لیے ذرا سوچنے کا مقام ہے کہ یہ قصور ان کا ہو یا یہ بھی ان کی عمر کے پلے باندھنا پڑے گا؟

ان کا شعروں پر عمل جراحی، کچھ مکتبی تعلیم ہی کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ استادوں کے سوالات شاید اب تک ان کے ذہن سے نہیں نکلے۔ جیسے شعر کی نثر کرو، ترکیب نحوی کرو، تقطیع کرو، دعوے کے ساتھ ثبوت پیش کرو۔ وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔

انہی مکتبی باتوں نے ان کا پیچھا اب تک نہیں چھوڑا۔ لہذا یہ ادیبوں اور شاعروں کا پیچھا کیوں چھوڑیں۔۔۔ یہ بھی شعر کی نثر کرائیں گے۔ دعوے کے ساتھ ثبوت مانگیں گے۔۔۔ قصہ مختصر نیاز صاحب کی اصلاحیں کچھ ایسی ہوتی ہیں۔۔۔ خشکہ باگندہ بروزہ، اگر چہ گندہ مگر ایجاد بندہ۔۔۔ ایسی زیادتیوں اور ایسی خوش فعلیوں کے باوجود، دشمن کا بھی دل چاہتا ہوگا اور ان کا قلم چوم لے۔

ایک بات اور بھی سوچنے والی ہے کہ اتنی شعری سوجھ بوجھ کے بعد، یہ خود جو شعر کہتے ہیں۔ وہ بڑے پھس پھسے ہوتے ہیں۔ علم اور قابلیت نے بھی اچھے شعر کم ہی لوگوں سے کہلوائے ہیں۔ دیکھ لیجئے ابوالکلام بھی اس وادی میں صفا مارے گئے۔

Marfat.com

نیاز صاحب نے فارسی تو اپنے والد ماجد سے پڑھی اور عربی عرب محمد طیب اور مولوی صدیق حسن غازی پوری سے، انہی بزرگوں کا یہ سب کیا دھرا ہے جو نیاز کی شکل میں ہمارے سامنے آیا۔ اب تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ فارسی اپنے والد سے بھی زیادہ جانتے ہوں اور عربی اپنے استادوں سے بھی زیادہ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ان کے فقرے سمجھ میں نہیں آتے۔ بہ ظاہر اردو کے ہوتے ہیں مگر ٹوہ لگائی جائے تو ان میں سے کچھ فارسی کے نکلتے ہیں اور کچھ عربی کے اور پڑا ان غریبوں کا ہو جاتا ہے جو اپنی طرف سے اردو پڑھنا چاہتے ہیں۔ مثلاً میرے کوائف سے استحباد حقیقی ہے۔ آج کم وبیش ۳۰ دن ہوئے جب مجھ سے اس نا ماعد مناکحت کی تقریب میں قبول کیا۔ اس کی آنکھیں یوں تو اور بھی مسترحم اور عاشقانہ کیف کا محل نظر آئیں۔ میرے لئے وجہ نکوہش ہے۔ اس کی نگاہوں کی عادت مستمرہ ہوگی۔ (شاعر کا انجام)

نیاز صاحب غالباً پہلے شخص ہیں جنھوں نے قلم کو آمدنی کا ذریعہ بنایا۔ جب تک یہ بھوپال میں تھے اس وقت تک ان کا اپنا کوئی اشاعتی ادارہ نہ تھا مگر یہ مضامین اس وقت بھی معاوضہ دیتے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں یہ باقاعدہ قسم کے مضمون نگار تھے۔ تمدن، اسوۂ حسنہ، صوفی اور خطیب وغیرہ رسائل میں ان کے مضامین نکلتے بھی تھے اور چلتے بھی تھے۔

اگر یہ ملازم ساٹھ روپوں کے تھے تو ان کا خرچ کوئی پونے دو سو کا تھا۔ مکان کا کرایہ، نوکر کی تنخواہ، ساٹھ روپوں میں دیتے تھے۔ باقی عیش قلم کی آمدنی سے کرتے تھے۔ اس کے بعد جب انھوں نے باقاعدہ کتابوں کی نشر واشاعت کا سلسلہ چلایا اور نگار کو آسمان صحافت تک پہنچایا تو لاکھوں کمائے۔ خوب خوب کتابیں لکھیں جو بکیں بھی خوب خوب، نگار کے بھی وہ وہ نمبر نکلے کہ ان پر اضافہ تقریباً ناممکن ہے۔

یوں تو نگار کے قلمی معاونین میں، ہمیشہ بڑے لکھنے والے ہی رہے مگر ان سب کی موجودگی میں بھی، نیاز صاحب کی تحریر کی بات ہی اور ہوتی تھی اور جی چاہتا تھا کہ کاش سارا رسالہ خود نیاز صاحب کی تحریروں ہی سے مزین ہوتا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا بھی کر دکھایا۔ سارے کا سارا نمبر خود ''کہہ کر'' پیش کر دیا۔ پڑھنے والے نہال ہو گئے۔ یہ مرتبہ بھی نیاز

Marfat.com

صاحب کے سوا، کسی اور کو نصیب نہ ہوا۔

نیاز صاحب، مومن کے بڑے مداح ہیں۔ جو کوئی بھی مومن کا زیادہ مداح ہوگا۔ وہ لازمی طور پر، اس کے ہم عصر غالب کا زیادہ طرف دار نہ ہوگا۔ یہی حال کچھ نیاز صاحب کا بھی ہے۔ مگر یہ اپنے مضامین میں جتنے شعر، غالب کے کوٹ کرتے ہیں۔ اتنے مومن کے نہیں کرتے۔ احتیاط صرف اتنی کرتے ہیں کہ غالب کے اردو شعروں کی بجائے، فارسی کے شعر، اپنی نثر میں سجاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ غالب کو فارسی کا شاعر اور مومن کو اردو کا شاعر مانتے ہیں۔ یہ فلسفے ہی فلسفے کو یا صرف تصوف ہی تصوف کو غزل نہیں سمجھتے۔ یہی وجہ ہے کہ غزل کا جو تصور ان کے ہاں ہے وہ انھیں مومن ہی میں ملتا ہے۔ غالب میں نسبتاً کم ملتا ہے۔ بہ ظاہر یہ بات چا قو چل جانے والی ہے۔ مگر یہ کچھ زیادہ غلط نہیں۔

اس لحاظ سے بھی نیاز صاحب کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ عملی زندگی میں بھی مومن ہی نظر آتے ہیں۔ مومن ہی کی طرح عورت سے لطف اندوز ہوتے ہیں، مومن ہی کی طرح عورت کی پرستش کرتے ہیں اور مومن ہی کی طرح کا، ان کے ہاں بھی تصور عفت ملتا ہے۔ کچھ عجیب سی رندی میں عفت اور عفت میں رندی کا سا انداز ہے۔

مومن اپنی مثنویات میں جس طرح نظر آتے ہیں۔ نیاز ویسے ہی اپنے خطوط میں نظر آتے ہیں۔ آخر کوئی چیز تو مشترک تھی جس نے نیاز کی کمزوری، مومن کو بنایا۔۔ ان ''اخلاق باختہ'' باتوں کے باوجود، مومن کے معاصرین نے مومن کا ذکر ہمیشہ ہی عزت کے ساتھ کیا۔ سرسید نے بھی آثار الصنادید میں مومن کی بڑی تعریف کی ہے۔۔ آج نیاز نمبر سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ نیاز کے معاصرین نیاز کے بارے میں کیسی رائے رکھتے ہیں۔

میں نے ان کی تحریروں میں شراب کی باتیں پڑھی ہیں مگر انھیں کبھی پیتے ہوئے نہ پایا۔ ادھر ادھر پوچھا بھی، مگر ان کی بادہ خواری کا حال نہ کھلا۔ پیتے ضرور ہوں گے۔ اس لیے کہ دوستوں کو بھی کہتے ہیں کہ ''چار انگل شراب پیو اور خدا کو یاد کرو'' اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان کا قلم اتنا سچا اور بے ریا نہ ہوتا۔ شراب میں ہزار عیب ہوں گے۔ مگر بادہ خوار کا باطن میلا نہیں ہونے دیتی۔ اس باب میں ان کا مسلک کچھ اس قسم کا نظر آتا ہے۔ تنہا می خورد، گہہ گہہ خورد و کم

Marfat.com

کم خوردو۔

نیاز صاحب کی یوں تو کئی تصانیف ہیں جو سب کے سامنے ہیں مگر میں ایک ''غیر مطبوعہ تصنیف'' کا بھی ذکر کروں گا۔ شاہ دلگیر، جو نقاد کے ایڈیٹر تھے۔ ان کے لیے انھوں نے ایک قمر زمانی تراشی، صرف ان کے عاشقانہ ہمک سے لطف اندوز ہونے کے لیے، قمر زمانی کون تھیں کیا تھیں۔ اسے جانے دیجئے۔

یہ وہی قمر زمانی ہیں جن کے وجہ سے دوبارہ نقاد جاری ہوا تھا اور اس میں قمر زمانی کے اپنے خط میں، ان کے مضامین چھپا کرتے تھے۔ شاہ دلگیر کی پہلے تو قمر زمانی سے ملاقات، صرف خط و کتابت کی حد تک تھی۔ مگر یہ کب تک دور دور رہتے۔ انھوں نے دیدار کے لیے التجاؤں پہ التجائیں کیں۔ بالآخر ملاقات کے لیے دہلی کا کوئی ہوٹل مقرر ہوا۔۔ قمر زمانی آئیں۔ بہ صد طمطراق آئیں۔ برقع میں تھیں مگر ان کے چلنے کا انداز بڑا ہی کافرانہ تھا۔ آواز میں بھی لوچ تھا۔ پان بنانے میں بھی ایک شان دلربائی تھی۔ سنا ہے کہ جب انہوں نے دو انگلیوں میں چمچی کو پکڑا تو دیکھنے والے دل پکڑ کر رہ گئے۔ کتھا لگانے کے لیے جب ہاتھ پان پر تیرتا تو چھنگلیا تھرتھراتی اور ایک پر کیف ارتعاش پیدا ہوتا۔

اس افسانے کی ہر ہر چول نیاز صاحب نے بٹھائی تھی اور سارے ہی سبق انھوں نے ہی اپنی غیر مطبوعہ تصنیف کو پڑھائے تھے کہ چلنا یوں ہوگا۔ بیٹھنا یوں ہوگا۔ باتیں یوں کرنا ہوں گی۔ پان یوں لگانا ہوگا۔۔ دیکھ لیجئے کتنے مکمل انسان ہیں نیاز صاحب، کوئی کام بھی ایسا ہے جس میں انھیں ید طولیٰ حاصل نہ ہو۔ مطلب یہ کہ نیاز صاحب نرے احمق کو برداشت نہیں کرتے ذرا لوچ ہو تو خوب کھیلتے ہیں۔

میرا بڑا جی چاہتا ہے کہ میں بھی معقول آدمی بن جاؤں مگر نہیں بن سکا۔ اچھے برے مشاغل کا اتنا ہجوم ہے کہ پناہ بخدا۔ میرے پاس جتنے خط آتے ہیں۔ ان سب کا جواب دینا میرے بس کی بات نہیں رہی۔ پھر یہ بھی نہیں کہ مجھے اپنی اس زیادتی کا احساس نہ ہو۔ مگر میں کیا کروں۔ ہجوم کار کی زیادتیوں نے مجھے عاجز سا بنا دیا ہے اس کے برعکس نیاز صاحب خطوط کے جواب میں اتنے باقاعدہ ہیں جیسے سورج کا ہر روز نکلنا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ اٹھارہ

Marfat.com

برس کے عرصہ میں انھوں نے میرے کسی خط کا جواب نہ دیا ہو۔۔ میں کتنا نالائق یہ کتنے باضابطہ، رشک چھوڑ، حسد والی بات ہے یہ!

یہ صرف خطوں کے جواب ہی میں باقاعدہ نہیں بلکہ ان کی پوری زندگی ہی ایک ضابطے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ انھیں جو کام اس وقت کرنا ہے۔ وہی کام دوسرے دن اور اسی وقت کرنا ہے۔ نیاز صاحب خط کا جواب ضرور دیں گے۔ خواہ صرف اتنا ہی لکھا ہو۔۔ ''تم لکھنؤ آ رہی ہو۔ بالکل جھوٹ!۔۔ نیاز''۔۔ میرا خیال ہے کہ نیاز صاحب بھی میری طرح دن رات کے اتنا چھوٹے ہونے پر خوش نہ ہوں گے۔ ضرور چوبیس گھنٹوں کی بجائے ایک سو چوبیس گھنٹے چاہتے ہوں گے۔ ۶۴ گھنٹے دن کے ۶۴ گھنٹے رات کے، مگر انھیں بھی سب کی طرح ۱۲ گھنٹے دن کے میسر ہیں اور ۱۲ گھنٹے رات کے، مگر ان بارہ گھنٹوں میں یہ کیا کچھ کرتے ہیں۔ آیئے ذرا اس کا تو سراغ لگائیں۔

صبح اٹھتے ہیں۔ سیر کرتے ہیں۔ خطوں کے جواب دیتے ہیں (اس میں سبھی قسم کے خط ہوتے ہیں۔ عام کاروباری بھی، احباب کے نام بھی، ادبی نوعیت کے بھی اور عاشقانہ بھی) آئے ہوئے اچھے برے مضامین پڑھتے ہیں (یہ کام بہ ظاہر تو بڑا شاندار معلوم ہوتا ہے مگر جو کرتا ہے اسے ہی معلوم ہے کہ ایڈیٹری کس عذاب کا نام ہے)۔ مضامین کی تصحیح کرتے ہیں۔ ناقابل اشاعت مضامین واپس کرتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں۔ قیلولہ کرتے ہیں۔ تصنیف و تالیف کا کام کرتے ہیں۔ دوست احباب سے گپ لڑاتے ہیں۔ چائے نہیں پیتے۔ پان کھاتے ہیں۔ سگریٹ نہیں پیتے۔ شام کو کوئی نہ کوئی دلچسپ کام کرتے ہیں۔ سینما دیکھتے ہیں۔ دعوت اڑاتے ہیں۔ ''کسی نہ کسی'' سے ملنے چلے جاتے ہیں۔ مطالعہ کرتے ہیں اور پھر سونے سے پہلے بیوی کو یقین دلاتے ہیں کہ میں صرف تیرا ہوں۔

(۴)

مجھے نیاز صاحب کے خط بڑے پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ ''مکتوبات نیاز'' میں جتنے خط ہیں ان میں کچھ تو فرضی ہیں جو انھوں نے کسی نہ کسی مسئلے کو خط ہی کے پیرایہ میں لکھنے کو جان کر لکھ ڈالے مگر بیشتر خط ایسے ہیں جن کا واقعی کوئی مخاطب تھا بھی اور تھی بھی۔

Marfat.com

مکاتیب نمبر کی ترتیب کے وقت، مجھے ان کے کچھ ایسے خط ملے تھے جن میں نیاز صاحب نے اپنے جوان قلم سے خون کی سیاہی چھڑکی تھی مگر میں نے ان کی اشاعت مناسب نہ سمجھی۔ اس لیے کہ مجھے نیاز صاحب کی شخصیت سے ایک نیازمندانہ ربط ہے مگر نیاز صاحب خود اس کی کچھ پروا نہیں کرتے۔ وہ علی الاعلان راجہ اندر بننے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ اس لیے میں بھی انھیں مسیح کیوں سمجھوں۔

یہاں نیاز صاحب کا ایک خطہ ملا خطہ فرمالیں۔ دنیا خوب صورت معلوم ہونے لگے گی:

اتنا قاتل خط اور اس قدر طویل!۔۔۔ تم تو صرف یہی کہنا چاہتی تھیں نا کہ آئندہ میں تمھیں خط نہ لکھوں۔ پھر یہ پورے چھ صفحے کیوں؟۔۔۔ شاید اس لیے کہ صاف صاف ایسے کہتے ہوئے تمھیں حجاب آتا تھا۔

نہیں یہ بات نہیں!۔۔۔ میں سمجھتا ہوں تم نے مجھے آہستہ آہستہ ذبح کرنا چاہا اس طرح کہ حلق پر چھری بھی چل رہی ہے، تم مسکرا کر مجھ کو تسلیاں بھی دیتی جاتی ہو اور میں بے خبر ہوں۔ یہاں تک کہ دفعتاً تمھارا ہاتھ شہ رگ تک پہنچ جاتا ہے یعنی تمھارا خط ختم ہو جاتا ہے۔ اس حکم کے ساتھ کہ آئندہ تمھیں کوئی خط نہ بھیجوں۔۔۔ اور۔۔۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی نہایت بیش قیمت چینی کی قاب دفعتاً ہاتھ سے چھوٹ جائے اور فرش پر گر کر چور چور ہو جائے لیکن خیر اس سے ایک فائدہ ضرور ہوا۔ اور وہ یہ کہ تم نے خط لکھنے سے باز رکھ کر مجھے اس کا موقع تو دے دیا کہ جو کچھ کہنا ہے آزادی سے کہہ دوں اور دل کی وہ بات جو تم پر ظاہر نہ کر سکتا تھا کہہ ڈالوں۔ کیونکہ اب مجھے کیا ڈر ہے۔ تم سن نہ سکو گی اور دنیا سنتی ہے تو سنے۔ اچھا تو شروع کرتا ہوں۔

ایک تھا بادشاہ۔ ہمارا تمھارا خدا بادشاہ۔

تمھاری سب سے پہلی تحریر مجھ تک پہنچی تو میں دیر تک سوچتا رہا کہ اگر یہی باتیں میں تمھاری زبان سے سنتا تو کیا ہوتا۔۔۔ تمھیں خبر نہیں۔ لیکن ہوا یہی!

میں تمھاری تحریر کے ایک ایک لفظ کو دیکھ کر، حرفوں کی ہر ہر کشش کو سمجھ کر، کاغذ کے

Marfat.com

رنگ اور اس کی عطریت سے مدد لے کر، میں نے تمھاری ایک تصویر کھینچی، کاغذ پر نہیں۔ قلب پر، دماغ کے اس پردہ پر جو صرف نغمہ و نکہت کے نقش کے لیے مخصوص ہے اور میں اس میں محو ہو گیا۔ تو کیا میں بتا ہی دوں کہ میں نے تمھاری تحریر کے اندر چھپا ہوا تم کو کیسا پایا؟ معاف کرنا۔ ممکن ہے کوئی بات خلاف حقیقت ہو یا تمھارے ذوق کے خلاف، لیکن جب میرا یہ خط تم تک پہنچ ہی نہیں سکتا تو پھر یہ اندیشہ کیوں؟

اچھا تو سنو اب تم اپنا سراپا۔۔۔ کوئی پسند کرے یا نہ کرے لیکن مجھے تو وہ اس قدر عزیز ہے کہ اگر تم واقعی ویسی نہ نکلتیں تو مجھے افسوس ہوتا۔

کھلتا ہوا سانولا رنگ، یعنی وہ رنگ جو کیفیات سے شروع ہوتا ہے اور کیفیات ہی پر ختم، وہ جسے چھونے کو جی چاہے اور ہونٹوں میں بے اختیار کپکپی سی محسوس ہونے لگے۔ معاف کرنا میرے ہاتھوں نے بھی تمھیں چھوا اور میرے ہونٹوں نے بھی تمھارے لبوں کو مس کیا جو ریشم کی طرح نرم اور پنکھڑی کی طرح نازک تھے۔ میں نے تم کو نحیف و ناتواں پایا لیکن اپنی رعنائی و کشیدہ قامتی کے لحاظ سے تمھیں ایسا ہونا ہی چاہیے تمھارے بال بہت سیاہ تو نہیں۔ لیکن ان میں ایک خاص قسم کی چمک ضرور ہے اور تھوڑا سا گھونگھر بھی کنپٹی کے بالوں میں مجھے نظر آتا ہے۔۔ پیشانی بہت فراخ ہے اور اس میں ایک میگوں رگ ابھری ہوئی مانگ تک چلی گئی ہے۔۔۔ بھویں کافی چوڑی ہیں اور ایک نہایت ہلکی عنبری لکیر ان دونوں تلواروں کو ایک دوسرے سے ملا رہی ہے۔ رنگ کے بعد سب سے زیادہ قاتل چیز آنکھیں ہیں۔ ہر وقت کسی خیال میں مستغرق رہنے والی آنکھیں، جن کو ایک بار دیکھ لینا گویا کسی سمندر میں ڈوبتے چلے جانا ہے۔۔ چہرہ کتابی۔۔ گردن کھنچی ہوئی، تناسب اعضاء کانٹے پر تلا ہوا۔۔ اور۔۔ چال ایسی جیسے کوئی ناگن راستہ کاٹتی ہوئی سامنے سے گزر جائے۔ عمر تم خود ہی بتا چکی ہو کہ ۲۰ سے کم اور ۱۵ سے زیادہ ہے۔ غالباً ۱۸ سال!۔۔ یہ تھی تمھاری وہ تصویر جو میں نے تمھارے سب سے پہلے خط کو دیکھ کر اپنے دل پر نقش کی تھی اور اگر میں یہ سب کچھ پہلے ہی لکھ دیتا تو شاید تم اسی وقت مجھے لکھ بھیجتیں کہ آئندہ میرے نام کوئی خط نہ بھیجا جائے۔ میں چاہتا تھا کہ تم مجھ سے زیادہ بے تکلف ہو جاؤ اور میں تم کو ایسے لفظ سے خطاب کر سکوں جو تمھاری خوبصورت پیشانی پر ہلکا

Marfat.com

سانم پیدا کر سکے۔لیکن اچھا ہوا کہ اس منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی یہ بساط الٹ دی گئی اور تم نے زندگی کی اس تلخ حقیقت کو جان لیا کہ اگر عورت اس کے سمجھنے پر مجبور نہ ہوتو خدائی کا دعویٰ بھی اس کے لیے کوئی بڑی چیز نہیں۔

ہر چند میں تم کو دنیا میں آزاد، انسانی دسترس سے دور، کسی آسمانی دیوی کی طرح بلند دیکھنا چاہتا تھا۔لیکن میری یہ تمنا پوری نہ ہوئی اور تمھاری زندگی کا وہ دور جب تمھارا جسم تمھاری روح کے اندر محوِ خواب تھا۔جلد ختم ہو گیا۔

پھر بتاؤ کہ اب تم کیا کرو گی۔مگر میں یہ کیوں پوچھ رہا ہوں۔ مجھے کیا حق حاصل ہے اور اگر تم کچھ کہنا بھی چاہو گی تو کیسے کہو گی اور اگر کہو گی بھی تو کلیجہ پر کون ہاتھ رکھے گا۔

تمھارے اس چھ صفحہ کی داستان میں سب سے زیادہ تڑپا دینے والی بات یہ تھی کہ تمھارے جسم کے ساتھ تمھاری روح کا سودا نہیں ہو سکا۔باور کرو یہ سن کر مجھے بہت قلق ہوا اور دیر تک سوچتا رہا کہ تم کس قدر گھبرا رہی ہو گی لیکن میں تو اب تسکین کی چیزیں اپنے سے جدا کئے دیتا ہوں اور تمھاری تمام تحریریں جن کو میں نے اس وقت تک حرزِ جاں بنا کر رکھا تھا۔نذر آتش کئے دیتا ہوں۔

اے عزت و شرافت کی دیوی۔۔میری یہ قربانی قبول کر لے۔

صنف لطیف کی نفسیات کا جتنا گہرا مطالعہ ان کے ہاں ملتا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ ''جذبات بھاشا'' ہمیں ان کے ادبی رجحانات کا رخ سمجھاتی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ کس طرح عورت کی نفسیات کی عکاسی اور نقاشی کرتے ہیں۔

قاضی عبد الغفار نے بھی '' لیلےٰ کے خطوط'' میں عورت کی نفسیات کی بڑی عمدہ عکاسی کی ہے مگر ان دونوں میں ایک بنیادی فرق ہے۔قاضی صاحب کے ہاں عورت کی جو نفسیات ملتی ہے۔وہ کوٹھے والیوں کی ہے۔ نیاز صاحب کے ہاں شوقین عورتوں کی نفسیات ہے۔

اسی نوع کا، ان کا ایک مضمون '' کیوپڈ اور سائیکی'' ہے۔پڑھتے جایئے اور مرحبا کہتے جایئے۔مگر میں یہاں ان کے مضمون رقاصہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

Marfat.com

اس مضمون میں بڑی بڑی گہری باتیں ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے نیاز صاحب اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ رقاصہ کی تعریفیں کرتے ہیں مگر یہ بھی کہتے ہیں۔ کاش تو صرف میری ہوتی اور اس پر افسوس بھی کرتے ہیں کہ تو سب کی ہے۔ شاید یہی وہ انداز فکر تھا جس کی وجہ سے انھوں نے کوٹھوں پر چڑھنے کی بجائے شائستہ عورتوں ہی سے ایک قسم کی ذہنی وابستگی رکھی۔ ''یہ وصل کے بعد تنہائی بھی اک دنیا ہے۔'' پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو قطعی طور پر ذہنی آوارگی کی ضد ہے۔ یہ اگر اپنی زندگی کو کچھ محرومیوں سے بھی آشنا نہ رکھتے تو اس رنگ میں اتر ہی نہیں سکتے تھے۔ اتنا گہرا مشاہدہ کہ تصور کی آنکھیں ہار مان لیں، شاید ہی اردو میں کہیں ملے۔ اگر یہ اس نوع کے بھی عملی انسان ہوتے اور اپنی جوانی کو نگار کے صفحات سے اٹھا کر ہاتھ پہ لیے پھرتے تو ایسا مضمون قیامت تک نہ لکھ سکتے۔ انھوں نے ہمیشہ بازار کی روٹی اور بازار کی چیز سے پرہیز کیا۔ عجیب سے رند پاک باطن ہیں یہ!

آنسہ عائشہ خاں، جنھوں نے نگار کا انشائے لطیف نمبر مرتب کیا تھا انھوں نے اپنے مضمون میں بڑی مردانہ جراتوں کے ساتھ، کئی باتیں کھلے انداز میں لکھ ڈالیں۔ نیاز اور عائشہ کے مکالمے سنئے:

نیاز صاحب زیادہ سائنٹیفک فلمیں پسند کرتے ہیں۔ میں نے ایک بار پوچھا۔ ''رومانی فلمیں آپ کیوں نہیں دیکھتے تو بولے۔۔ رومان کیا جاتا ہے دیکھا نہیں جاتا۔''

ان کو سیر و تفریح سے خاص دلچسپی ہے اور بارہا BIG GAMES میں حصہ لیا ہے۔ میں نے ایک دن پوچھا کہ آپ کا نشانہ کبھی خطا بھی جاتا ہے بولے۔ ''اکثر۔ مگر ہرنیوں کی حد تک کبھی نہیں۔''

ان کا یہ فقرہ جو بے ساختہ ان کی زبان سے نکل گیا تھا۔ میں کبھی نہ بھولوں گا۔۔۔'' ہر حسین عورت میری معشوقہ ہے خواہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں ہو''۔ میں نے پوچھا۔ اگر حسین نہ ہو۔ بولے۔ کوئی عورت غیر حسین نہیں ہوتی۔ عورت ہونا بجائے خود اک حسن ہے۔ میں نے کہا۔ کم از کم اخلاقی حیثیت سے ضرور اس کی اچھائی، برائی کا فیصلہ کرنا پڑے گا۔ فرمایا کہ''

Marfat.com

عورت جتنی غیر محتاط ہوگی۔ اتنی ہی زیادہ چاہے جانے کے لائق ہے۔''

یہی عائشہ خاں اپنے مضمون میں کہتی ہیں۔۔۔''نیاز صاحب عورت کو چھوڑ کر ہر معاملہ میں اعتدال پسند ہیں۔''

یہاں میں ایک بات خود نیاز صاحب سے پوچھ کر آگے چلوں گا۔''یہ آنسہ عائشہ خاں کون ہیں؟''۔۔۔آپ کے دوست کی بیٹی ہیں۔ بجا ارشاد۔ مگر یہ تو بتایئے یہ خاتون تو کچھ آپ ہی کے انداز میں سوچتی اور آپ ہی کے انداز میں لکھتی ہیں۔ ٹھیک! آپ کی شاگرد جو ہوئیں۔۔ مگر ایسے شاگرد کتنے خوش قسمت ہیں اور کتنے ہیں جو شاگرد ہو کر بالکل استاد نظر آتے ہوں۔

اچھا اچھا قبلہ نیاز صاحب آپ اتنے غصے سے میری طرف نہ دیکھیں۔ میں آگے چلتا ہوں، ایک ذرا سی بات کی وضاحت میں مجھے آپ کی ناراضی منظور نہیں۔

جہاں تک میں نیاز صاحب کی تحریروں سے اندازہ کر سکا۔ وہ تو یہی کچھ ہے کہ ابتدائی زندگی انھیں بڑی پابندیوں اور بڑی گھریوں کے سے ماحول میں بسر کرنی پڑی مگر جب عمر ایسی لگی جس میں ذہنی نشاط کی قیمت معلوم ہوتی ہے۔ تو پھر انھوں نے غسل کی حاجت کو عیب کا درجہ دینا پسند نہ کیا۔

میٹھا برس لگنے کے بعد انھوں نے کیا کچھ کیا ہوگا۔ اس کا کچھ زیادہ پتہ نہیں چلتا یہ ہزار ننگے سہی، مگر پھر بھی جوش اور فراق کی طرح نہیں ہیں جو بہ آواز بلند کہتے ہوں کہ میں نے دو درجن عشق کیے اور میں نے تین درجن عشق کئے۔۔ یہ درجنوں عشق والی بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔

ویسے نیاز صاحب نے بھی اپنی رومانی زندگی کا تعلق لکھنو، رامپور، بھوپال، دہلی ہانسی اور مسوری سے جوڑ رکھا ہے مگر ہمیں کیا، بے شک امریکہ تک مار کریں۔

جمالیاتی ذوق کے اعتبار سے یا انجائیمنٹ کی حد تک کرشن کنہیا میں یہ، گوپیاں بہت سی نظر آتی ہیں مگر رادھا کون ہے۔ اس کا حال نہیں کھلتا۔ دوسرے نیاز صاحب ہر عورت کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس کے ساتھ دلچسپی لی جائے وہ ''مٹی کی بھی ملے تو روا ہے شباب

Marfat.com

میں'' کے قائل نہیں بلکہ اس شعر کی تفسیر ہیں۔

ہر غنچہ لب سے عشق کا اظہار ہے غلط
اس مبحث صحیح کی تکرار ہے غلط

یہ جتنے شاہد باز ہیں۔ اتنے شاہد کار نہیں۔ یہ خوب جانتے ہیں کہ کہاں تیرنا چاہیے اور کہاں نہیں تیرنا چاہیے۔ جہاں جہاں بھی انھوں نے ذہنی رفاقت محسوس کی ہوگی۔ وہاں یہ تیرے بھی ہوں گے۔ ڈوبے بھی ہوں گے مگر ہمیں انسانی لطف گیری کا مارجن تو دینا ہی ہوگا۔ سنا تو آپ نے بھی ہوگا۔۔۔ ''پہلا پتھر وہ مارے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔''

نیاز صاحب کی عمر اس وقت اسی برس کے لگ بھگ ہے۔ اگر میری عمر بھی اتنی ہوتی تو مجھے یہ سب کچھ لکھنا چاہیے تھا۔ اب تو میں نے ان کی بزرگی کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا۔ مگر میں لحاظ کرتا بھی کیوں؟ ان کی بارگاہ میں، میں نے تو ہمیشہ برابری میں بزرگی گھلی ملی اور بزرگی میں برابری گھلی ملی کا سا انداز پایا۔

اقرار کرتا ہوں۔ اگر میں نیاز صاحب کی خدمت میں اتنا گستاخ نہ بنتا تو اچھا ہی تھا۔ مگر میں نے یہ سب کچھ دانستہ کیا ہے۔ اس لیے کہ میرا خیال ہے اور لوگ ضرور نیاز صاحب کو فرشتہ بنا کے چھوڑیں گے۔ مگر میں اتنے بڑے آدمی کو اتنا ذلیل ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

Marfat.com

عورت اہل فارس کے نزدیک

قدیم ایرانیوں میں عورت کی تہذیب کا بڑا خیال رکھا جاتا تھا اور اسی لئے وہ اپنی عفت و پاکیزگی اور بلندئ اخلاق کے لحاظ سے بڑے مرتبہ کی چیز سمجھی جاتی تھی۔۔ صحیفۂ اوستا اور شریعت زردشت میں عورت کے حفظ ناموس کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ اسی تعلیم و ہدایت کا نتیجہ تھا کہ ایران کی بعض عورتوں نے سیاست وحکومت کی خدمات کو حد درجہ خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ ہمامی بنت بہمن کے تیس سالہ دور حکومت اور خسرو پرویز کی لڑکیوں پوراندخت اور آذرمیدخت کی کامیاب حکمرانی سے کون واقف نہیں ہے۔

قدیم ایرانیوں میں عورت کے حسن ظاہری اور حسن باطن دونوں کے لئے کچھ اصول علم فراست و قیافہ کے لحاظ سے مقرر تھے اور وہ نہایت احتیاط سے ان اصول پر ایک عورت کے حسن واخلاق کو جانچتے تھے۔ چنانچہ شیریں فرہاد کی محبوبہ کے متعلق مشہور ہے کہ ۴۰ صفات جمال میں سے ۳۹ صفات اس میں پائی جاتی تھیں۔ اور حسن واخلاق و وفاشعاری کے لحاظ سے بھی وہ اس قدر بلند مرتبت تھی کہ جب اس کا شوہر خسرو پرویز قتل کیا گیا اور شیرویہ فرمانروا ہوا تو اس نے خودکشی کرلی اور شیرویہ کے ساتھ رشتہ ازدواج کو منظور نہ کیا۔

ایرانی عورتیں اپنی عفت وعصمت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتی تھیں چنانچہ عہد عباسیہ میں جب بغداد کے بازار میں مختلف ملکوں کی کنیزیں لائی جاتی تھیں تو ایران کی کنیزوں کی تعریف میں جو بات کہی جاتی تھی وہ ان کی عفت وعصمت اور حفظ شرف و ناموس سے

Marfat.com

متعلق ہوتی تھی۔

جب ملوک فارس کسی بیوی کا انتخاب کرتے تھے تو خواجہ سرا بھیجے جاتے تھے کہ وہ خود دیکھ کر معلوم کریں کہ اس میں تمام شرائط پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ جب کوئی لڑکی پسند کر لی جاتی تھی تو اسے قصر شاہی میں لے آتے تھے اور وہاں اس کی تعلیم و تربیت ہوتی تھی۔ تا آنکہ وہ بادشاہ کی بیوی بننے کی اہل ہو جائے۔ یہ طریق کار کسریٰ نوشیرواں کے عہد تک جاری رہا۔

ایرانیوں نے ۱۶ سال کی عمر سے لیکر ۴۰ سال تک عورت پر تنقید کی ہے وہ خالی از لطف نہیں۔ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ۔

چودہ سال کی عمر میں ایک عورت اس برگ پوش گلاب کی طرح ہے نہ جس کا رنگ ابھی ظاہر ہوا نہ خوشبو۔

پندرہ سال کی عورت ان کے نزدیک ''سرو کا درخت ہے جسے نسیم کا ہلکا جھونکا بھی جھکا دیتا ہے۔''

سولہ سال کی عورت ''ایک چشمہ ہے جو تنکوں اور پتیوں سے ڈھکا ہوا ہے
لیکن اس کے نیچے شفاف پانی لہریں لے رہا ہے۔''

سترہ سال۔۔۔۔۔''ماہ کامل ہے عشوہ و ناز سے آراستہ''

اٹھارہ سال۔۔۔۔۔''دوپہر کا چڑھتا ہوا آفتاب ہے جو آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔''

انیس سال۔۔۔۔۔''پختہ رنگین سیب ہے کہ اگر کوئی اس کا توڑنے والا نہیں ہے تو زمین پر گر کر تباہ ہو جائے گا۔''

بیس سال۔۔۔۔۔''آفتاب ہے مائل بہ انحطاط''

اکیس سال۔۔۔۔۔لوگ راحت پاتے ہیں''سایہ دار صنوبر کا درخت ہے جس کے سایہ میں۔

بائیس سال۔۔۔۔۔''ایک رباب ہے جس کے تاروں سے نغمے نکل کر لوگوں کو مست کر دیتے ہیں۔''

Marfat.com

تئیس سال۔۔۔۔۔''ہرنی ہے جسے چیتاؤں نے گھیر رکھا ہے۔''

چوئیس سال۔۔۔۔۔''ایک قصیدہ ہے کہ کسی شاعر نے ایسا قصیدہ نہ کہا۔ اور جو مطع سے مقطع تک بالکل زریں گلوبند معلوم ہوتا ہے۔''

پچیس سال۔۔۔۔۔''نسیم سحر ہے جو بدمستوں کو جگا دیتی ہے۔''

چھبیس سال۔۔۔۔۔''گلاب کا پھول ہے جو پوری طرح کھل چکا ہے اور دیکھنے والا چاہتا ہے کہ اس کو توڑ کر اپنے سر و سینہ سے لگا لے۔''

ستائیس سال۔۔۔۔۔''بدر کامل ہے جو گھٹنے والا ہے۔''

اٹھائیس سال۔۔۔۔۔''ایک باغ ہے جس میں خزاں کے آثار شروع ہو گئے ہیں۔''

انتیس سال۔۔۔۔۔''ایک اچھی آواز ہے جو تاریک رات میں دور سے سنائی دے اور کانوں کو بھلی معلوم ہو۔''

تیس سال۔۔۔۔۔''قدیم روایت ہے جس کا کسی وقت بڑا شہرہ ہو چکا ہے۔''

اکتیس سال۔۔۔۔۔''معطر پھولوں اور پختہ پھلوں سے لدا ہوا درخت ہے لیکن اخیر موسم کا۔''

بتیس سال۔۔۔۔۔''شمع ہے جو اپنی عمر ختم کر چکی ہے اور جس کی روشنی بھی مضمحل ہو چلی ہے۔''

تینیس سال۔۔۔۔۔''ایک کتاب ہے جس کا شیرازہ بکھر گیا ہے اور اوراق منتشر ہیں۔''

چونتیس سال۔۔۔۔۔''ایک مینا ہے جو کسی وقت عطر سے لبریز تھا لیکن اب اس میں صرف آثار خوشبو کے باقی رہ گئے ہیں۔''

Marfat.com

پینتیس سال۔۔۔۔۔''ایک ضعیف سی روشنی ہے جو غروب شمس کے بعد
ہی نظر آ سکتی ہے۔''

چھتیس سال۔۔۔۔۔''ستارۂ صباحی ہے جو جلد غروب ہونے والا ہے۔''

سینتیس سال۔۔۔۔۔''کسی مقفل مکان یا حمام کے اندر کی آواز ہے۔''

اڑتیس سال۔۔۔۔۔''گرم پانی کا پیالہ ہے جو گرمی میں کسی پیاسے کو دیا
جائے۔''

انتالیس سال۔۔۔۔۔''پرانا قصر ہے جس میں سوائے مٹے ہوئے نقوش
کے اور کچھ باقی نہیں۔''

چالیس سال۔۔۔۔۔''ایک ایسا حمام ہے جس میں ہوا کیلئے منفذ نہیں اور
اگر انسان اس کے اندر آ جائے تو دم گھٹ کر مر
جائے۔''

Marfat.com

آسکر وائلڈ کے خطوط

(سارہ کے نام)

یورپ کے مشہور ادیب ''آسکر وائلڈ'' نے جس کی زندگی کا انجام بہت المناک ہوا ہے۔ ''سارہ برنہارٹ'' (مشہور ایکٹرس) کو جو خطوط لکھے تھے وہ اپنی انشاء و ادبیت کے لحاظ سے خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ اکٹو یومر بو نے اس برطانوی شاعر اور دنیا کی اس مشہور ترین عورت کی ملاقات کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ تھیٹر میں پہلے ایکٹ کے اختتام کے بعد وہ ایک (قہوہ خانہ) میں آئی اس وقت وہ اپنے تھیٹر کے لباس پر ایک لانبا لبادہ پہنے ہوئے تھی۔ جس قہوہ خانہ میں وہ داخل ہوئی وہاں اتفاق سے میں اور آسکر وائلڈ پہلے ہی سے موجود تھے ایک کرسی پر بیٹھ کر سارہ نے خادم سے کچھ طلب کیا اس کی آواز اتنی شیریں تھی کہ ہم دونوں بے اختیار اسی طرف متوجہ ہو گئے۔ ''جب میں نے یہ دیکھا کہ بولنے والی سارہ ہے تو میں نے اس کا آسکر وائلڈ سے اس طرح تعارف کرایا۔''

''سارہ! میں تم سے مشہور برطانوی شاعر آسکر وائلڈ کا تعارف کرانا چاہتا ہوں'' مجھے یاد ہے کہ اس موقعہ پر وائلڈ نے اس سے یہ کہا تھا۔ ''اے خاتون! آپ کی آواز میں کتنا سمادی لحن پوشیدہ ہے۔'' اس کے بعد ہم لوگ اپنی اپنی جگہ چلے گئے یعنی سارہ تھیٹر کے اسٹیج پر اور ہم دونوں تھیٹر ہال میں اپنی اپنی کرسیوں پر۔

اس کے بعد جب ان دونوں میں کافی دوستی پیدا ہو گئی۔ تو سارہ نے مجھ سے وائلڈ کی بابت اتنے اشتیاق سے باتیں کیں کہ میں نے اس سے کہا پھر تم اس سے شادی ہی کیوں

Marfat.com

نہیں کرلیتیں۔اس نے جواب دیا کہ ''یہ نہیں ہوسکتا۔ مجھے اس سے اس قدر محبت ہے کہ شادی کا ذکر بیکار ہے، جب دو محبت کرنے والوں میں شادی ہو جاتی ہے تو محبت ختم ہو جاتی ہے۔ محبت سے زیادہ دوستی پائدار شے ہے اور محبت کرنے سے زیادہ مشکل چیز دوستی کرنا ہے''، سارہ کے مشیر قانونی نے لکھا ہے کہ جیسے ایک اسفنج پتھر نہیں ہوسکتا اسی طرح آسکر وائلڈ کا دل محبت کرنے کا اہل نہ تھا جیسا کہ اس کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ دنیاوی مسائل کے متعلق جو کچھ لکھتا بالکل سارہ کی چسب منشا ہوتا تھا اور وہ حقیقت زندگی کے بارہ میں ان دونوں کے نظریئے تقریباً بالکل ایک تھے۔ کئی برس کے بعد سارہ نے پری برٹن کو ایک خط لکھا کہ ''میں جب بھی لندن میں ہوتی ہوں آسکر وائلڈ مجھ پر بہت مہربانی کرتا ہے وہ اتنی زبردست شخصیت کا مالک ہے کہ اگر وہ کسی سے کہدے کہ ''میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔'' تو اس آدمی کو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا خود ملکہ نے اس سے یہ کہا ہے کہ آپ میرے مہمان ہیں جن باتوں پر اس کا اعتقاد نہیں ہوتا انہیں نہایت خوبصورتی سے کہنے کا اسے اس قدر ملکہ حاصل ہے کہ مجھے یہ یقین کرنے میں دقت محسوس ہوتی ہے کہ وہ میرے ملک کا باشندہ نہیں ہے۔''

وائلڈ اور سارہ میں عرصہ تک خط و کتابت ہوتی رہی اور سارہ نے اس کے ہر خط کو محفوظ رکھا۔ وائلد کے خطوط کے بعض حصے بالکل ترجمہ کرنے کے قابل نہیں ہیں مگر جو خط و کتابت ہوئی ہے وہ عجیب وغریب انشاء کا نمونہ ہے،

وائلڈ لکھتا ہے:-

''ہمارے خیالات بھی ہم سے کس قدر مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ خوشبو کا ایک جھونکا، سڑک پر کسی پرانے دھن کا گانا، کسی دور کی پہاڑی پر سے ہوا کا جھونکا جو اپنے دامن میں بکائن یا پکے امرودوں کی بو لئے ہوئے ہو یا ماہ اپریل کی بارش بغیر کسی اطلاع کے بھی ان میں وحشیانہ رنگ پیدا کردے گی۔''

''ایک نیک آدمی (وہ جو دنیا میں ''نیک'' کہلایا جانا چاہتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے خصوصاً مذہبی آدمی) وہ ہے جو ہر اس بات پر دھیان دھرتا ہے جسے عام آدمی کہیں اور ہر

Marfat.com

اس چیز میں مداخلت کرتا ہے جسے خوبصورت آدمی کریں۔''

''خوبصورتی کو محض سطحی چیز کہا جاتا ہے مگر درحقیقت ایسا ہے، نہیں۔ حسن دنیا میں سب سے زیادہ لازوال شئے ہے۔ یہی صرف ایک ایسی چیز ہے جس کو زمانہ کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ فلسفے کے اصول ریگ کے ذرآت کی طرح منتشر ہو جاتے ہیں۔ عقائد تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن جسے حسن کہتے ہیں وہ ایک ابدی مسرت اور غیر فانی ملوکیت ہے۔''

وائلڈ نے سارہ کی ملاقات سے قبل DVINE SARAH قدسی سارہ کا فقرہ اختراع کیا تھا اس نے اس فقرہ کو مشہور نقاد جولیس ملیٹر کے ایک خط میں اس طرح استعمال کیا تھا:-

''اگر میں بادشاہ ہوتا تو میں اپنی نصف سلطنت، اپنا نصف عصائے شاہی، اور اپنا نصف تاج محض ''قدسی سارہ'' کو جاننے کے لئے بخش دیتا اور اسے تمام دنیا سے روشناس کر دایتا۔''

''اگر لوگ واقعی کبھی محبت کرتے ہیں تو ان میں عورتیں تو کانوں سے محبت کرتی ہیں اور مرد نظروں سے اس سے میرا مطلب یہ ہے کہ عورتیں جو کچھ سنتی ہیں اس سے مسحور ہو جاتی ہیں اور مرد جو کچھ دیکھتے ہیں اس سے۔''

آسکر وائلڈ نے اپنی نظموں کی ایک نئی کتاب کے ایک صفحہ میں یہ لکھا تھا:-

''ان میں سے ایک نظم تمھارے نام معنون کی گئی ہے۔ تمھارا نام آج اس کو زینت دے رہا ہے اور مجھے امید ہے کہ ایک دن تمھاری ملکوتی آواز کے نغموں میں ان اشعار کو سنوں گا۔''

''تاوقتیکہ ایک مصنف، نقاش بھی نہیں ہوتا۔ نقاشی کی صناعیوں کے پر اسرار قوانین اس کی فہم سے بالاتر ہوتے ہیں کیونکہ اگر بظاہر متعدد آرٹ ہیں مگر دراصل آرٹ صرف ایک ہی ہے نظم، تصویر، مجسمہ اور ڈرامہ۔ ان سب کی روح ایک ہے جس کو ان میں سے

Marfat.com

ایک فن معلوم ہے وہ سب سے واقف ہے۔

جب سارہ برنہارٹ کی شادی اسی کے تھیٹر کے ایک ساتھی جیکوئس ڈیمالا سے ہونے لگی جو ایک یونانی دیوتا کی طرح خوبصورت تھا تو سارہ نے وائلڈ کو ایک خط لکھا کہ اس تقریب پر صرف چند ہی آدمی آنے والے ہیں اور ان میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ وائلڈ نے لکھا: -

کیا یہ صحیح واقعہ ہے کہ تم شادی کر رہی ہو۔ میرے لئے ایک ناممکن چیز پر یقین کر لینا بالکل قدرتی بات معلوم ہوتی ہے مگر ایک بعید از امکان چیز پر مجھ کو کبھی یقین نہیں آتا، میں نے سنا ہے کہ ''وہ'' بہت خوبصورت ہے اکثر عورتیں اس لئے شادی کرتی ہیں کہ دوسری عورتیں حسد کریں مگر تم ایسا کبھی نہیں کر سکتیں تم معمولی عورت سے کہیں زیادہ بلند چیز ہو۔ تھورپو کہتا ہے کہ سچ کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک وہ جو سچی بات کہے اور دوسرا وہ جو اسے سنے۔

میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح تنہا کوئی وجود نہیں رکھتی۔ روح کی تمام پاکیزگیاں مثلاً مختلف قسم کی قدرتیں اور زبردست جذبات وغیرہ، زندگی میں اسی وقت پیدا ہوتی ہیں جب دو روحیں ملتی ہیں ان کا اتحاد ہی زندہ طاقت پیدا کرتا ہے اس لئے جس طرح ہر افتراق میں کوئی برائی ہوتی ہے اسی طرح ہر حقیقی اتحاد میں ایک خوبی ہوتی ہے۔

''مختصر یہ کہ عورت کی شادی کرنے میں مرد سے کم خطرہ ہوتا ہے۔ شادی کے بعد وہ زندگی کو زیادہ سمجھ سکتی ہے۔ شادی اسے زیادہ آزادی بخش دیتی ہے اور خواہ وہ کسی بیمار یا تندرست یا امیر یا غریب سے شادی کرے اسے کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور حاصل ہوگا۔''

عورتیں تصویر ہوتی ہیں اور مرد معمہ۔ اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ عورت کا واقعی کیا مطلب ہے تو اس کی طرف دیکھو۔ اس کی سنو نہیں۔

عورتیں بغیر خوبصورت ہوئے بھی دلکش ہو سکتی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ تاریخ کی مشہور ترین عورتوں میں کوئی نہ کوئی جسمانی نقص رہا ہے۔ میڈم رولینڈ اور میڈم اینٹونٹ دونوں کے

Marfat.com

دانت نہیں تھے۔

گفتگو کا آرٹ یہ ہے کہ وہ چیز نہایت خوبصورتی سے کہی جائے جسے نہ کہنا چاہیے۔ اپنے آپ کو عورتوں میں ہر دلعزیز بنانے کا آرٹ یہ ہے کہ غیر فطری باتوں کو نہایت فطری طریقے سے کہا جائے۔ یعنی معمولی باتیں غیر معمولی انداز میں کہی جائیں۔ عورت کو اپنی شرمیلی ادائیں دکھانے کا موقعہ جتنا خوش کرتا ہے اس سے زیادہ اور کوئی چیز اسے خوش نہیں کرتی۔

''نیک آدمی عموماً غیر دلچسپ ہوتے ہیں اور اگر وہ نیک نہیں ہوتے تو عموماً دلچسپ ہوتے ہیں انسان یا تو غیر دلچسپ ہوتے ہیں یا دلچسپ۔ دنیا میں یہی دو قسمیں ہیں۔ اگر عورت میں مرد سے زیادہ تکلیف برداشت کرنے کی اہلیت پائی جاتی ہے تو اسی طرح اس میں اظہار مسرت کی بھی اہلیت ہے وہ مسرت جو زیادہ پائدار اور زندگی میں زیادہ مستقل درجہ رکھتی ہے صرف عورت کے لئے مخصوص ہے یہی وہ مسرت ہے جو سب سے زیادہ غیر قانونی تصاویر کے چہروں پر دکھائی پڑتی ہے اور یہ وہ راز ہے جس کا کبھی انکشاف نہیں ہوا۔ یہ وہی مسکراہٹ ہے جو پرانے اطالوی مجسموں کے چہروں پر کھیلتی ہے اور یہ مسرت اکثر اس عورت کے چہرہ پر بھی دکھائی پڑتی جو اس آدمی کی اولاد کو گود میں لئے ہوتی ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے۔ ایک مفکر کے نزدیک موت بجائے خود شادی سے کم اہم ہوتی ہے۔ پرانا پودا اس لئے کاٹ دیا جاتا ہے کہ نئے کو پھولنے پھلنے کا موقعہ ملے۔ زمین پر آنسوؤں کے چند قطرے گرتے ہیں اور اس میں کلیاں نکل آتی ہیں۔ اس لحاظ سے موت صرف ایک وقفہ ہے لیکن شادی آنے والی پشتوں کی ایک طویل فہرست کھول دیتی ہے۔ بعض میں تندرستی، ذکاوت اور عزت کے الفاظ لکھے ہوتے اور بعض میں بیماری، بدنامی اور حماقت کے۔''

جب ڈمالا سے سارہ برنہارٹ کی شادی ناکامیاب ثابت ہوئی تو آسکر وائلڈ نے سے لکھا:-

''تم نے شاید دنیا میں سب سے زیادہ فیاضانہ جذبات سے کام لیا ہے۔ اکثر عورتیں جب شادی کرتی ہیں تو ایسا ہی کرتی ہیں وہ شادی کو ایک ایسے آدمی کی امداد کے

Marfat.com

بطور اک آلہ کے استعمال کرتی ہیں جو ان کے نزدیک اتفاق سے کسی مصیبت کا شکار ہو گیا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ کبھی نہیں آیا کہ بجائے ان سے شادی کرنے کے انہوں نے اس کے نام ایک گراں قدر رقم کا چک کیوں نہ بھیجد یا یا کسی نگران کو کیوں نہ مقرر کر دیا۔ جب میں نیو یارک آیا تو مجھے رپوٹروں کی بدولت بڑی پریشانی اٹھانا پڑی۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض خیالی گھوڑا دوڑانے والوں نے جو مجھے مشہور کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں یہ خبر پھیلا دی کہ میں نہایت نفیس (شب خوابی کا لباس) پہن کر سوتا ہوں۔ اس لئے جب کسٹم افسروں نے میرے بکس کھولنے کا حکم دیا تو مجھے ان کے چہروں پر غیر معمولی قسم کا استعجاب معلوم ہوا۔ جب ان کو کوئی خاص خبر نہ ملی تو ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا کیا تم کسی اور چیز کا نام لینا چاہتے ہو؟ میں نے اس پر یہ جواب دیا۔ ''اپنی ذکاوت کے علاوہ اور کسی چیز کا نہیں۔'' اس واقعہ کے بعد اخباروں میں خوب خوب لکھا گیا۔''

سارہ برنہارٹ نے دوسرے خط پر یہ تحریر لکھی تھی کہ آسکر وائلد کے پچھلے خط اور اس خط میں تقریباً ساڑھے چار برس کا وقفہ گزرا تھا۔ میرے امریکن دورہ کی طرح اس کا دورہ بھی نہایت کامیاب رہا۔ مگر جب میں یہاں تھی تو وہ وہاں تھا اور جب میں وہاں تھی تو وہ یہاں تھا۔ اس کے بعد ایک دن اس سے لندن کی ایک سڑک پر ملاقات ہوگئی پہلے اسی نے مجھے دیکھا اور کہا خدا کی قسم یہ قدسی سارہ ہے مجھے اس سے مل کر بڑی خوشی ہوئی اور ہم دونوں دو گھنٹہ تک ساتھ رہے اور دوسرے دن اس نے مجھے یہ خط لکھا:-

''میں یہ نہیں چاہتا کہ تم اس رشتہ کو بھول جاؤ جو ہم دونوں کو منسلک کئے ہوئے ہے یا یہ کہ اس کے معنی اور اس کی قیمت کا احساس نہ رکھو۔ صرف تمھاری ہی وہ ہستی ہے۔ جس کے ساتھ دوستی قائم رکھنے کے لئے میں ہمیشہ کوشش کرتا رہوں گا۔ جدائی کے اتنے برس کے بعد تمھاری ملاقات سے مجھے بے حد مسرت ہے۔

ہمارے محور انفرادی اور متعدد ہیں۔ ہم ستاروں کی طرح ایک دوسرے کی زندگی کے افق سے غائب ہو جاتے ہیں مگر خدا کی قدرت اور اس کی مرضی سے ہم کو کوئی چیز مثل ان

Marfat.com

دو چشموں کے جو الگ الگ ہو کر بہتے ہیں۔ ایک تو سرسبز و شاداب جنگل سے اور دوسرا ایک کھیت سے۔ اور پھر دونوں ایک بلند قہقہہ کے بعد آ کر مل جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے گلے لگتے ہیں۔ ایک دوسرے کی تکالیف میں حصہ لیتے ہیں اور پھر ایک ابدی سمندر تک ساتھ ساتھ بہتے ہیں۔ یا مثل ان دوستاروں کے جو مخملی رات میں ایک ہی بستر پر سوتے ہیں اور اپنی سنہری زلفوں کو سپیدۂ صبح سے ملاتے ہیں اور جدا ہو جاتے ہیں پھر اس طرح سے دو مسرور ہستیوں کو کسی جگہ ساتھ چلنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور پھر سڑک پر گھومنے پر ان میں کا تیز چلنے والا نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک چاند یا سات چاند یا ستر چاند چمکتے ہیں اور پیلے پڑ جاتے ہیں۔ اور ایک روشن گھنٹہ تک خوب روشنی دکھاتے ہیں حتیٰ کہ کسی غیر منضبط نظام کے ماتحت وہ پھر مل جاتے ہیں۔''

آسکر وائلڈ نے ایک پارٹی کا بھی نہایت تفصیل سے تذکرہ لکھا ہے جس میں بعض مشہور شخصیتوں کے عادات و خصائل تفصیل سے لکھنے کے بعد وہ لکھتا ہے:۔

''کل گرینڈ بلورد میں مجھ سے ایک حبشی شہزادے کی ملاقات ہوئی اور پھر آج ایک فیشن ایبل ہوٹل میں جہاں میں مدعو تھا یہاں مانتی کارلو میں اس سے پھر ملا۔ وہ دلکش آدمی تھا۔

اس کا متبسم چہرہ ایک نہایت خوبصورت ہاتھی دانت کے زیور کے مانند تھا جو موتیوں سے مرصع ہو۔ اور تمھاری آواز کے بعد تمام دنیا میں جن لوگوں سے ملا ہوں ان سب سے زیادہ بہتر اس کی آواز تھی تمھیں اس سے ملاقات کرنے کے لئے وہاں ہونا چاہیے تھا مجھے یہ تصور ہوا کہ جیسے میں تم کو اس کے قوی بازوؤں پر وہاں کے بڑے ہال کے اندر ہوا میں دو جنبی پھولوں کی طرح جھکے ہوئے اور رقص کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

ایک مرد عورت کو یہی سکھاتا ہے کہ اسے ایک بیوی کیسے بننا چاہیے۔ اور ایک عورت مرد کو یہ سکھاتی ہے کہ اسے ایک اچھا شوہر کیسے بننا چاہیے۔''

Marfat.com

آسکر وائلڈ کی زندگی کا ایک راز تھا جو اس نے سارہ برنہارٹ کے سوا اور کسی کو نہیں بتایا۔ اور وہ راز یہ تھا کہ آسکر وائلڈ ایک عورت ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ برنہارٹ کو لکھتا ہے:-

''تم اسے سمجھ جاؤ گی کیونکہ تم میں عورتوں کی ایک خاص صفت یعنی سمجھ موجود ہے اور جس طرح میں سونے کی صراحی میں شراب انڈیلتا ہوں اسی طرح تم پر اپنا راز عیاں کرتا ہوں۔''

چنانچہ اس نے اس راز کا اس پر انکشاف کیا اور ایک خط میں لکھتا ہے۔:-

'' جب میں بہت چھوٹا تھا اسی وقت میں اپنی بہن کا لباس پہن کر ہاتھ میں پنکھا لئے ہوئے ایک طویل آئینہ میں اپنی صورت دیکھا کرتا۔ میں نے اپنے خوابوں میں اپنے آپ کو اکثر جولیٹ کا پارٹ کرتے ہوئے اور کوٹھے پر تاروں کی روپہلی روشنی اور چاند کی کرنوں میں جو میرے دل میں چمک اور مسرت پیدا کرتی تھیں۔ اپنے آپ کو رومیو کی آغوش میں دیکھا ہے۔ میری یہ ہمیشہ تمنا رہی کہ کاش میں عورت پیدا ہوا ہوتا۔ عورتوں کو اس دنیا میں مردوں سے زیادہ آرام ہے۔''

آسکر وائلڈ کی نسبت ابھی تک کوئی صحیح بات نہیں لکھی گئی ہے اس کی جتنی سوانح حیات ہیں وہ سب اس کی زندگی کے اہم واقعات پر متفق نہیں ہیں اور جن لوگوں کو اس سے کما حقہ واقف ہونے کا دعویٰ تھا وہ بھی اس کے رازوں اور اس کی فطرت کو نہیں سمجھ سکے۔

۱۸۸۲ء میں آسکر وائلڈ مر گیا۔ اس زمانہ میں اس نے برنہارٹ کو ایک خط میں لکھا کہ:-

''مجھے شہر کے میئر نے آبشار نیاگرا دیکھنے کی دعوت دی جس طرح ایک ملکہ اپنے محل کی چھت پر سے کسی چیز کا معائنہ کرے اور نیچے سڑک پر اس کی غریب رعایا کھڑی ہوئی ہو اسی طرح میں نے اس عظیم الشان آبشار کو دیکھا۔ بیس یا اس سے زیادہ رپورٹر میرا فیصلہ سننے کے لئے کھڑے ہوئے تھے چنانچہ میں نے یہ کہا کہ حضرات یہ نہایت شاندار منظر ہے مگر ذرا خیال کیجئے کہ اگر پانی مخالف سمت سے بہتا ہوتا تو یہ منظر کتنا زیادہ موثر اور خوبصورت ہو جاتا۔ میئر کو اس سے سخت استعجاب ہوا۔''

ایک اور خط میں امریکہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

Marfat.com

''وہاں آبشار نیاگرا ہی صرف ایک قدرتی منظر ہے ورنہ وہاں جو کچھ بھی ہے وہ اسٹیج کی سینری ہے پھر ظاہر ہے کہ جہاں عمدہ ایکٹنگ ہو وہاں دلکش سینری کی ضرورت نہیں ہے۔ جب ایکٹنگ اچھی نہ ہو تو البتہ سینری کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایکٹنگ کبھی خراب نہ ہونا چاہئیے۔ میں جانتا ہوں کہ تمھیں اس کا اتنا ہی احساس ہوگا جتنا مجھے ہے۔''

امریکہ کی عورتوں کے بارہ میں وہ لکھتا ہے:-

''۔۔۔۔۔۔امریکہ کی عورتیں نہایت شوخ، چالاک اور دنیا پرست ہوتی ہیں۔ ان میں حاضر جوابی، پسندیدہ خودداری اور اپنی شخصیت کا احساس پایا جاتا ہے وہ چاہتی ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے۔ ہمارے طبقہ امراء کو اتنا پسند کرتی ہیں کہ جمہوریت کے اصولوں کو بھی نظر انداز کر جاتی ہیں۔

مردوں کو مسرور بنانے میں وہ فطرتاً اور تعلیماً دونوں حیثیتوں سے بہت ہوشیار ہیں۔ ایک امریکن عورت ایک افسانہ مطلب کی بات بھولے بغیر سنا سکتی ہے اور یہ ترکیب انگریز عورتوں کو ابھی تک اچھی طرح نہیں معلوم ہو سکی۔

یہ صحیح ہے کہ ان میں دل جمعی کی کمی ہے اور ان کی آوازیں سخت ہوتی ہیں۔ خصوصاً جب وہ پہلے پہل انگلستان آتی ہیں۔ مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد ان سایہ پوش چھلاووں کی طرح ہماری اعلیٰ سوسائیٹوں میں آزادی سے گھومنے لگتی ہیں اور لوگ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ہر چیز کے لئے موزوں بنا لیتی ہیں۔ ان میں سے بعض نے تو چند ہی ماہ میں فیشن ایبل انگریزی گانا بھی سیکھ لیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک زمانہ میں کولمبس نے امریکہ کو دریافت کیا اور پھر اسے امن و امان کی حالت میں چھوڑ آیا۔ مگر امریکنوں نے یورپ کو دریافت کرنے کے بعد اسے اپنی حرکات سے عالم اضطراب ہی میں رکھا۔''

فدوڑا FEDORA کے مصنف اور سارہ کی محبت کے لبحد حسارہ کی دوسری محبت کا مشہور واقعہ پری برٹن PIERRE BERTON ساتھ اس کا افسانہء عشق ہے۔ سارہ کو اس سے اتنی محبت ہو گئی تھی کہ ایک مرتبہ اس نے برٹن کو یہ لکھا تھا کہ اور لوگ تو میری

Marfat.com

زندگی میں ماہ اپریل کی بارش کے ایک چھینٹے کی طرح رہے لیکن تم میرے لئے ساتوں سمندر ہو۔ سارہ نے برٹن کی کئی کتابیں اور ڈرامے شائع کرائے اور پھر اس نے برٹن کی ایک کتاب کی نقل آسکر وائلڈ کے پاس اس امید سے بھیجی کہ اگر ادب کے لحاظ سے نہیں تو کم از کم سارہ کی دوستی کی خاطر وہ اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کر دیگا۔ برٹن کے ڈرامہ کے بارہ میں آسکر وائلڈ نے برنہارٹ کو یہ خط لکھا:۔

''ستاروں کی آواز رکھنے والی حیرت انگیز ہستی! تم نے پیرس میں جو کاغذات مجھے دیئے تھے ان کو میں واپس کر رہا ہوں۔ میں نے ان کو نہایت مسرت سے پڑھا ہے محض اس لئے کہ تم نے اس پر سانس لی ہوگی۔ محض اس لئے کہ تمہارے ہاتھوں نے ان کو مس کیا ہوگا۔ اور ان پر تمھاری ملکوتی آواز کی صدائے بازگشت باقی رہ گئی ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح جیسے تاروں کی روشنی سمندر کے تاریک پانی پر رات کی عظمت کا کچھ نشان چھوڑ جاتی ہے۔''

''میرے خیال میں لوگوں نے ڈوماریر DUMAURIER کی تصانیف پڑھی ہوں گی اور اس بیان کو بھی پڑھا ہوگا کہ جو شخص حسن اور عقل دونوں کے ساتھ شادی کرتا ہے وہ گویا عقد ثانی کا مجرم ہے۔ انہوں نے وہ صفحہ بھی پڑھا ہوگا جس میں ڈرامہ کی خاتون اس آدمی سے جسے وہ پسند کرتی ہے یہ دریافت کرتی ہے کہ تمھارے نزدیک میری کیا عمر ہے؟ اور اس کے جواب میں وہ اس کے غازہ اور پوڈر کو دیکھ کر کہتا ہے کہ محترمہ مجھے معلوم نہیں مگر اتنا مجھے یقین ہے کہ جتنی آپ کی عمر ہے اتنی معلوم نہیں ہوتی۔ اس مسودہ میں جسے میں واپس کر رہا ہوں یہ باتیں نہیں ہیں مگر اس میں ڈوماریر کا یہ خیال البتہ پایا جاتا ہے کہ دوشیزگی عقل کی ایک جزو یا اسکی ایک حلیف ہے۔''

تمھارا آسکر وائلڈ

وائلڈ کا دوسرا خط حسب ذیل ہے:۔

مائی ڈیر سارہ برنہارٹ!

میں نے اپنی نظموں کے پروف کے آخری صفحات کو ابھی ابھی صحیح کیا ہے۔ ان نظموں کو پہاں ڈیوڈ بریوگ شائع کر رہے ہیں اور جس طرح میرے ایک ڈرامہ کی طرح ان

Marfat.com

میں سے ایک نظم کے عنوان کو تمھارا نام زینت دے رہا ہے اسی طرح مجھے امید ہے کہ تمھاری آواز بھی اپنے ملکوتی نغموں سے اسے عزت بخشے گی۔ میں نے ناشر کو ہدایت کر دی ہے کہ پریس سے نکلتے ہی کتاب کی ایک کاپی تمھارے پاس بھیجدے اور وہ تم کو اب ایک یا دو ہفتوں میں مل جائے گی۔ تمہارا نام، تمہارا اعلیٰ اور تمہارا پر اثر نام ایک نظم کے مطلع پر اسی طرح لکھا ہوا ہے جیسے ایک صحرا میں اہرام یا کسی معبد کے دروازے پر ایک نگہبانی کرنے والا ایک شیر، دنیا کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ ۱۴ اشعار تمہاری وجہ سے دماغ سے نکلے ہیں مگر دنیا یہ نہیں جانتی جو میں اب تم کو بتا رہا ہوں یعنی یہ کہ تمہاری ہستی ہی نے کتاب کی تقریباً نصف نظموں کو مجھ سے کہلایا ہے اور یہ کہ ان میں کی بہترین نظمیں تمہارے نغمہ ہی کی صدائے بازگشت ہیں۔

مجھے اس خیال سے مسرت ہوتی ہے کہ میرے گانوں میں جو درحقیقت گانے نہیں بلکہ تصاویر ہیں تم سے زیادہ کسی اور کو ہمدردی نہ ہوگی۔ میری تصنیف پر تمہاری تنقید میرے دلی شکریہ کو الفاظ کی صورت میں ابھارے گا۔ ہمارے کام اور ہمارے مقاصد تقریباً ایک ہی ہیں۔ میں نے اس فیصلہ کو کبھی تسلیم نہیں کیا کہ صرف ایک شاعر ہی شعر کا فیصلہ کر سکتا ہے البتہ میرا یہ خیال ضرور ہے کہ صرف ایک مصور ہی آرٹ کا بہترین نقاد ہو سکتا ہے۔ یہ اس سے بہت مختلف چیز ہے اگر کوئی شاعر صرف شاعر ہے تو اسے قافیہ اور ردیف کے متعلق ہی گفتگو کرنے کی اجازت دینی چاہیے۔ مصورانہ تخلیق کے پراسرار قانون اس پر اسی وقت عیاں ہو سکتے ہیں جب وہ مصور بھی ہو کیونکر آرٹ متعدد نہیں ہیں بلکہ صرف ایک ہے۔ نظم، تصویر، قطعہ وغیرہ سب ایک چیز ہیں اور جس کو یہ ایک چیز معلوم ہے وہ سب کچھ جانتا ہے۔ میں اپنی غزل کا دستخطی مسودہ مع متعدد ترمیمات کے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ تم اپنی کاپی میں اس کو لکھ لوگی اور وہ اشعار جن جذبات کا اظہار کر رہے ہیں اسے نہ بھولوگی۔

تمہارا دوست آسکر وائلڈ

''مکرر آنکہ جب میں پیرس آؤں گا تو ہم دونوں جلد ساز کے پاس چل کر غزل کے مسودہ کو کتاب کے ساتھ سرخ رنگ میں مجلد کرا دیں گے۔''

Marfat.com

سارہ برنہارٹ نے ۱۸۸۲ء میں جیکوئس ڈمالا سے شادی کر لی۔ اس نے وائلڈ کو لندن میں شادی کے موقعہ پر شرکت کے لئے لکھا تھا۔ مگر وائلڈ نے شریک ہونے سے مجبوری کا اظہار کیا تھا مگر جب نیویارک پہنچکر وائلڈ کو اس شادی کی تصدیق ہوگئی تو اس نے ایک خط پھر لکھا:۔

مائی ڈیر لیڈی! چونکہ موجود قانون نے شادی کی حیثیت کو اس قدر بدل دیا ہے کہ ایک آدمی کو اپنی بیوی کے متعلق یہ یقین کرنا کہ وہ اس کی ہے اتنا ہی مشکل ہے جتنا اپنے لڑکے کے باپ ہونے کے متعلق۔ اس لئے اب جبکہ تمہارے جلد باز ارادے حقیقت کا جامہ پہن چکے ہیں میں یہی سوچ کر اپنے کو تسلی دے لیا کرتا ہوں کہ تم نے اپنی آزادی نہ کھودی ہوگی۔ شاید تم نے دنیا میں سب سے زیادہ فیاضانہ جذبات کی وجہ سے یہ کام کیا ہے کیونکہ اکثر عورتیں جب شادی کرتی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ شوہر کی امداد کرتی ہیں۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شادی کرنے کی بجائے وہ اس کے نام ایک گراں قدر رقم کا چک کیوں نہیں بھیج دیتیں۔ بغیر شادی کئے ہوئے بھی ایک آدمی کی امداد ممکن ہے۔ اگر مرد عورت کی آمدنی میں حصہ بٹاتا ہے تو یہ کیا ضرور ہے کہ عورت مرد کے نام میں بھی حصہ بٹائے۔ یہ وحشیوں کا جنگلی پن ہے۔ امریکن (جیسا کہ وہ کہے جاتے ہیں) فطرتاً غیر مہذب نہیں بلکہ غیر مہذب ہو گئے ہیں اور یہ امتیاز غور کرنے کی چیز ہے اس براعظم میں ہر انگریز قوم غیر مہذب ہوگئی ہے۔ کناڈا کے رہنے والے فرانسیسی غیر مہذب ہیں۔ اس لئے کہ یہاں آنے سے قبل وہ ہمیشہ کسان ہی رہے تھے۔ جب میں بندرگاہ پہنچا تو رپورٹروں نے خود میرا ناطقہ بند کر دیا ایک یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ میں انڈا ایک طرف سے نیم برشت کر کے کھاتا ہوں یا دونوں طرف سے؟ ایک صاحب نے یہ دریافت کیا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ میں اپنے ناخنوں کو اسی طرح رنگتا ہوں جس طرح ملکہ جاپان رنگتی ہیں؟ ایک دوسرے نے پوچھا آپ صبح کے بجے سو کر بیدار ہوتے ہیں؟ ایک اور نے سوال کیا کہ آپ اپنے غسل خانہ میں کس حد تک گرم پانی پسند کرتے ہیں؟ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اسے یہ اطلاع ملی تھی کہ میں نہانے سے قبل رنگین عطریات سے پانی کو رنگین کر لیتا ہوں۔

Marfat.com

''مکرر یہ کہ ایک مفکر کے لئے موت شادی سے بھی کم اہم چیز ہے۔ پرانا پودا اس لئے کاٹ دیا جاتا ہے کہ نئے کو پروان چڑھنے کی جگہ ملے۔ موت کوئی صدمہ کی چیز نہیں ہے حتیٰ کہ اسے اختلاج قلب بھی نہیں کہا جا سکتا۔ وہ صرف ایک وقفہ ہے۔ لیکن شادی آنے والے پشتوں کی ایک طویل فہرست ہمارے لئے کھول کر رکھ دیتی ہے جن میں سے بعض میں تندرستی ذکاوت اور عزت کے الفاظ لکھے ہیں۔ اور بعض میں بیماری، حماقت اور بدنامی کے''

دوسرے سال وائلڈ نے مالٹی کارلو کو دو خط اور لکھے۔ اس اثناء میں وائلڈ اور سارہ دونوں عرصہ تک پیرس میں رہ چکے تھے۔

مائی ڈیر سارہ

تمہارے دو خط آج مجھے ملے کیونکہ میں تقریباً ایک ہفتہ سے سینٹ سیسٹین میں تھا اور چونکہ امید یہ تھی کہ ہر روز آ جایا کرونگا۔ اس لئے ہوٹل میں اپنے خطوط بھیجنے کا پتہ نہیں دے گیا تھا۔ تمہارے یہاں ملنے کا خیال میرے لئے بہت مسرت کن ہے۔ لیکن اگر تم نے مجھے اپنے آنے کی اطلاع نہ بھی کی ہوتی تب بھی مجھے اس سے آگاہی ہو جاتی کیونکہ میں یہ دیکھ رہا ہوں تم نے ہر اخبار کو اس معاملہ میں اپنا راز دار بنا لیا ہے۔ کل ایک اخبار نے تمہاری ایک بڑی تصویر شائع کی تھی۔ اور اسی اخبار میں آج ''گسمنڈہ'' کے ڈرامہ کی اور لیڈی آف دی پام کی حیثیت سے تمہاری جو تصویر مسیحا نے بنائی ہے وہ چھپی ہوئی ہے میں اس تصویر کو دیکھ کر ہنستا ہوں اور مجھے گنو یو مارڈ کے اس جملہ کا خیال آ جاتا تھا'' کہ کسی صوبجاتی اخبار کے پہلے صفحہ پر ایک ہی ایکٹرس کی تصویر دو دن متواتر شائع ہوتے دیکھ کر تو مجھے اڈیٹر کی بیوی کا خیال آ جاتا ہے کیونکہ مجھے بھی شوہر کی بے وفائی کا تجربہ اور اس کی تکلیف کا اندازہ ہو چکا ہے''

مسز بنجمن کو یہاں آئے ہوئے تقریباً دو ہفتہ ہو چکے ہیں امریکن کالونی کے تمام لوگ بھی پیرس سے یہاں چلے آئے ہیں۔ وہ غالباً تمہاری دعوت کرے میرے سینٹ سیسٹین جانے سے ایک روز قبل اس نے میرے اعزاز میں ڈنر دیا تھا اور اس موقعہ پر ہر غیر مہذب ملک کا کم از کم ایک نمائندہ ضرور موجود تھا۔ امریکہ کے ایک سے زیادہ تھے۔ اور اسپین کے

Marfat.com

چار یا پانچ ۔اب کی سال یہاں بہت سے اسپینی آئے ہوئے ہیں۔ بڈھا بیرن اپنے چینی کے برتن کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ جب اس نے ہنسنے کے لئے منہ کھولا تو ہم سب کو اس کی کائنات معلوم ہوگئی۔ پادریوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ان کے علاوہ ایک بے تاج کا بادشاہ، چند بے بچوں کی مائیں، چند بے شوہر کی بیویاں، چند طوطے کی ایسی ناک والی بیوائیں اور ایک ماہر فراست الید یا ماہر امراض الید بھی تھا۔

آج اس حبشی شاہزادہ سے جس سے میں کل گرینیڈ بورڈ میں مل چکا تھا پھر ملاقات ہوئی۔ایک انگریزی بولنے والے شخص کی زبان سے میں نے اس سے ایسا ترنم ریز لہجہ سنا تھا۔

ہم لوگ تھوڑی دیر تک گفتگو کرتے رہے، اس کا وطن افریقہ کے مغربی ساحل لیجز میں ہے۔اس نے مجھے وہاں آنے کے لئے مدعو کیا ہے اور درحقیقت وہ نہایت پراسرار ہستی ہے۔اس کی بندش الفاظ بہت مکمل اور اس کا لہجہ نہایت دلچسپ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے تم بھی مل لو۔اسے فرانسیسی نہیں آتی مگر جو چیز وہ فرانسیسی زبان میں سوچتا ہے اسے نہایت حسن وخوبی سے انگریزی میں ادا کرتا ہے۔ایسے موقع پر جب وہ شیریں آواز رکھنے والے مجتمع ہوں مجھے ترجمان بننے میں خاص مسرت ہوگی۔اس کی گفتگو کا درجہ CLASSIC کلاسک کے بعد ہی ہے۔اور میرے اس پرانے قول کی تائید کرتا ہے کہ اگر زندگی شاعرانہ نہیں ہے تو نحوی ضرور ہے۔مثلاً بغیر اسماء صفت رکھنے والی زبان کے ہے۔اور محبت کے ساتھ زندگی اس زبان کے مشابہ ہے جس میں بہت سے ضمائر ہوں۔مرد مجرد کی زندگی اس زبان کی طرح ہے جس میں ''عطف'' بہت کم ہوں۔ جب کوئی بڈھی دوشیزہ شادی کرتی ہے تو اس کی زندگی سوالیہ اور ندائیہ نکات کا ایک مجموعہ بن جاتی ہے بے شک! اگر زندگی شاعرانہ نہیں ہے تو نحوی ضرور ہے اور اس چیز کو ایک حبشی سے سیکھنا یقیناً ایک اہم چیز ہے۔''حقیقت'' اگر بے واسطہ ذرائع سے ظاہر ہوتی ہے ایک کسان ایک شہزادہ کو نہایت اچھی طرح سے اخلاق سکھا سکتا ہے۔اسپینی، بلجم میں پہلے فرانسیسی زبان کو لے گئے اور ہالینڈ والوں نے اپنی نہ بولی جاسکنے والی گلے سے نکلی ہوئی آوازوں سے انگریزی زبان کو وہ الفاظ دیئے جو اس کی خوبی کا باعث

Marfat.com

ہیں۔ کسی شہر کے پادری وہاں کے عیوب اور بدکاریوں کے متعلق بہترین اسناد ہیں۔ اور جب کسی گرجے کے متعلق کوئی بدنام کن بات مشہور ہو تو اس کی صحیح اور مکمل تفصیلات ایک طوائف کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ آسکر وائلڈ

وائلڈ نے دوسرے دن حسب ذیل خط لکھا:۔

''مائی ڈیر سارہ!

یہاں کے ہوٹل کے مینجر کی بدتہذیبی پر مجھے پھر وہ چیز یاد آ گئی جو میرے کل کے خط کا خاص منشاء تھا اور اب مجھے یاد آیا ہے کہ تمہارے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا گیا تھا۔

مائی ڈیر! یہ ہوٹل نہایت ناقابل اطمینان جگہ ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم اسے کبھی نہ پسند کرو گی۔ تم نے جیسا لکھا ہے میں نہایت خوشی سے کمروں کو تمہارے لئے مخصوص کرالوں گا۔ لیکن اگر تم کو آخر میں آرام نہ پہنچے تو میں اس کی ذمہ داری نہیں لیتا۔ اگر ہم ادھر ادھر تلاش کریں تو باوجود یہ کہ ہر مقام پر آدمیوں کی کثرت ہے لیکن پھر بھی اس سے زیادہ اچھی جگہ مل سکتی ہے۔ یہ نہایت بیہودہ جگہ ہے اور مجھے یہ خیال کر کے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں آ جاؤ اور ہم دونوں ایک ساتھ دیکھ لئے جائیں کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ ہمیں یہ سمجھنے لگیں کہ ہم بھی اسی غرض سے یہاں آئے ہوئے ہیں جس مطلب سے وہ سب آئے ہوئے ہیں۔ مجھے اپنے آنے کی اطلاع دو۔ میں پلیٹ فارم پر تم سے ملنے اور حتی الامکان تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم اکیلی آ رہی ہو۔

''تمہارا۔ وائلڈ''

وائلڈ کو اپنے ڈراموں سے کافی آمدنی ہوتی تھی۔ اور وہ اپنی زندگی نہایت عیش و عشرت سے گزارتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حقیقی بدنامی سے پہلے ہی لوگ اس کو بدنام کرنے لگے تھے۔ اسی زمانہ میں اس نے سارہ کو حسب ذیل خط لکھا تھا:۔

''میں حال ہی میں خیرات دینے کے لئے لوگوں کے گھروں کو جانے لگا تھا۔

Marfat.com

تم اسے غیر ضروری بات تصور کرو گی مگر میں یہ کہوں گا کہ یہ بھی بے معاوضہ نہیں ہوئی۔ مے فیر میں میری جو بدنامی ہوئی اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات بالکل حق بجانب ہے کہ میں گلیوں میں خیرات بانٹ کر کفارہ ادا کروں۔ چنانچہ کل میں ایک ویران مکان کی طرف گیا جو رہنے کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور دروازہ کو کھٹکھٹا کر اس کا انتظار کرنے لگا کہ کوئی شخص باہر نکلے اور جو روپیہ میرے پاس ہے اسے قبول کرے کچھ دیر تک کسی نے مجھے جواب نہیں دیا مگر فوراً میری توجہ اوپر کی کھڑکی کی طرف منتقل ہوگئی جہاں سے ایک بڈھی عورت جس کا صرف ایک دانت رہ گیا تھا۔ کہہ رہی تھی ''نہیں جناب! یہاں اپنی روح میرے اوپر مسلط کرنے نہ آیئے۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب آپ آئندہ ہفتہ یہاں آئیں گے تو ایک اخبار آپ سے یہ دریافت کرے گا کہ آپ سو بہترین تماشوں کی ایک فہرست تیار کر دیجئے۔ مجھے امید ہے کہ آپ یہ جواب ضرور دینگے۔ کہ سو تماشوں کو نام بتانا ناممکن ہے کیونکہ اس وقت تک آپ نے صرف ۸۰ ڈراموں ہی میں کام کیا ہے''

مائی ڈیر سارہ!'' کچھ ہو جانا'' معمولی بات ہے مگر کچھ رہنے کے لئے سلیمان کی عقل کی ضرورت ہے۔

تمہارا آسکر وائلڈ

آسکر وائلڈ کے ہر خط میں اس کی زندگی کے بارہ میں کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا تھا مگر کسی شخص کو اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اپنے نام کے خطوط اشاعت کے لئے دے دیتا کیونکہ اسے یہ خوف تھا کہ کہیں وہ خود نہ بدنام ہو جائے چنانچہ آسکر وائلڈ کے خطوط عرصہ تک پوشیدہ رہے۔ اس کے خطوط کا بھی اس کے مکالموں اور اس کی نثر کی طرح ایک خاص اسلوب بیان تھا۔ وائلڈ کے خطوط اس کے خیالات کا آئینہ تھے اور ایک مرتبہ اس کی ماں نے ان خطوں کے بارے میں کہا تھا کہ میں نے وائلڈ کے خطوط پڑھنے کے بعد اس کے مزاج کو زیادہ اچھی طرح سمجھا ہے وائلڈ نے امریکن مصنف کلائڈ فچ کو جو خطوط لکھے اس میں ڈرامہ کے ہر پہلو پر بحث کی ہے مگر سارہ برنہارٹ کے نام جو خط ہیں ان میں اس نے اپنی زندگی پر بحث کی ہے۔ ان

Marfat.com

خطوں سے اس کے اصلی خد وخال ظاہر ہوتے ہیں۔ سارہ کے نام جو خطوط ہیں وہ بہت شاعرانہ ہیں اور اس کی زبردست شخصیت اور متنوع زندگی پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان سب سے زیادہ اس کے یہ خطوط اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔

۱۸۸۸ء میں وائلڈ ایک ماہوار رسالہ ''عالم نسواں'' (دی وومنس وائلڈ) کا جو لندن سے نکلنا شروع ہوا تھا اڈیٹر ہو گیا۔ اس رسالہ کے بارہ میں خود آسکر وائلڈ نے یہ لکھا تھا ''کہ یہ رسالہ آج کل کی تعلیم یافتہ خواتین کے اظہار خیال کے لئے نکالا گیا ہے۔'' اس سلسلہ میں اس نے سارہ کو بھی ایک خط لکھا کہ وہ بھی رسالہ میں اپنا مضمون بھیجے وہ خط یہ ہے:-

مائی ڈیر سارہ!

تم اس وقت تک اس رسالہ کے جس کی میں ادارت کر رہا ہوں وہ نمبر دیکھ چکی ہو گی۔ میں نے حکم دے دیا تھا کہ ایڈیٹر کا سلام لکھ کر انہیں تمہارے پاس بھیجد یا جائے۔ اور اب وہی ایڈیٹر یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ تم نے رسالہ کو کیسا پایا ہے۔ جب تک میں اس رسالہ کا ایڈیٹر ہوں یہ پرچہ دور حاضر کی تعلیم یافتہ خواتین کے اظہار خیال کے لئے وقف ہے اور رہے گا۔ مگر ابھی تک بدقسمتی سے یہ گویا تقریباً خانگی معاملہ ہی رہا ہے کیونکہ اس کے کالم بھرنے کے لئے اپنے ذاتی دوستوں ہی پر بھروسہ کئے بیٹھا رہا۔ لیکن یہ ہمیشہ نہیں ہو سکتا۔ اور میں تم سے کئی مضامین کی درخواست کرونگا۔ تم ڈرامہ کے متعلق جو کچھ بھی لکھو گی اسے اشاعت کے لئے قبول کر لیا جائیگا۔ اسی طرح تمہاری رنگین داستان کے بھی دو ایک باب نہایت خوشی سے قبول کئے جائیں گے۔ کیا تم میرے لئے سفر امریکہ اور امریکی باشندوں کی نسبت اپنے تاثرات کو ایک مضمون میں قلمبند کر سکتی ہو۔ میری خواہش تو یہی ہے کہ یہ مضمون تمہارے ہی قلم سے ہو لیکن اگر تم اسے نہ لکھو تو کیا تمہیں اس پر اعتراض ہو گا کہ میں اسے لکھوں اور تمہارے نام سے شائع کر دوں؟

بہر حال رسالہ کو اس کے نام کے مطابق شائع ہونا ہے اور اس کے مضامین نگاروں میں بھی خواتین ہی کو ہونا چاہیے۔ اور مجھے امید ہے کہ تم یہ مضمون ضرور لکھدو گی۔ میرا خیال ہے کہ میرے ناظرین کو امریکنوں کی تعریف پسند نہ ہو گی۔ اس لئے انہیں بالکل مہذب بنانے

Marfat.com

کی ضرورت نہیں ہے۔ اہل برطانیہ کو اہل امریکہ کی تہذیب سے زیادہ ان کی بدتہذیبی میں دلچسپی ہے۔ تم ان کی فرانسیسی زبان کے بارہ میں مجھ سے زیادہ جانتی ہو۔ اس کو بھی لکھدو۔

تم مضمون کا اس طرح افتتاح کر سکتی ہو۔ کولمبس نے امریکہ کو ایک دفعہ دریافت کیا اور پھر اسے امن کی حالت میں چھوڑ کر چلا آیا۔ مگر امریکہ والوں نے فرانس ایک مرتبہ دریافت کیا اور اس وقت سے ابھی تک اسے دریافت کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے انگریزی تو سیکھی نہیں اور فرانسیسی سیکھنا شروع کر دی۔ وہ ہمارے ملک میں اپنی کبھی نہ ختم ہونے والی آمد کی تشریح یہ کہہ کر کرتے ہیں۔ کہ وہ یہاں اپنی تعلیم کے تکملہ کے لئے آئے ہیں۔ اور ہمیں ان کی باتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ جو اتنے دلچسپ غیر منطقی ہیں کہ جس چیز کے شروع کرنے کی ہمت انہیں اپنے ملک میں نہ پڑی وہ غیر ملک میں جا کر اس کی تکمیل کی کوشش کرتے ہیں مجھے امید ہے کہ مجھے چند روز میں اس کا جواب مل جائیگا۔ میں اس معاملہ میں تمہارے اوپر بھروسہ کر رہا ہوں۔

''تمہارا سچا دوست آسکر وائلڈ''

وائلڈ نے ۱۸۹۶ء میں حسب ذیل خط لکھا تھا۔ جس ڈرامہ کا اس میں تذکرہ ہے وہ سلومی ہے:۔

''مائی ڈیر سارہ!''

میں تمہارے خط کا باوجود اس کے کہ وہ کچھ نہ ہونے کی حد تک مختصر ہے۔ ممنون ہوں تم لکھتی ہو غالباً آپ کارنیوال دیکھنے کے لئے مینس آئیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جہاں گرائمر کی رو سے ایک وقفہ کی ضرورت ہے وہاں تم سوالیہ نشان کیوں بناتی ہو۔ واللہ تم بالکل فرانسیسی ہو۔ ہمیشہ اس چیز کو پیش کرتی ہو۔ جہاں دوسری ہونا چاہیے۔ میں بھی عادتاً فرانسیسی ہوں مگر چونکہ میں فرانس میں نہیں پیدا ہوا اس لئے شاید مجھے اور بھی داد ملنی چاہیے۔ ہم لوگوں کا یہ بے تکا پن اس سنہری زنجیر کی کڑی ہے جو ہم دونوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کئے ہوئے ہے۔ میری اندرونی زندگی کا پردہ اکثر لوگوں نے اٹھانا چاہا اور پھر یہ معلوم کر کے

Marfat.com

کہ اس میں صفات سبعہ نہیں پائے جاتے اپنے ارادہ سے باز آگئے ہیں۔ مگر تم ان میں سے ایک ہو جو اس مقدس جگہ میں داخل ہوئی اور میری روح کے موتی کو ایک جام شراب میں بہتے ہوئے دیکھا۔ یہاں میرے دن ست گھونگھے کی طرح رینگ رینگ کر آہستہ آہستہ ختم ہو رہے ہیں۔ میں فرانسیسی زبان میں ایک تماشہ لکھ رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ جب ہماری پھر ملاقات ہوگی تو تمہارے سنانے کے لئے اسے مکمل کر چکا ہوں گا۔ افسانہ زمانہ قدیم کا ہے۔ مگر جس چوکٹھے میں میں یہ تصویر لگاؤں گا وہ بالکل نیا ہوگا۔ وہ درحقیقت اس قدر جدید ہوگا کہ اس پر احتساب نہ کیا جائے تو میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھوں گا۔

ایک مصور کے لئے ماضی بہت کچھ ہے وہ مستقبل کو سائنس کے لئے چھوڑ سکتا ہے۔ اور نقاشوں میں ایک مصور ماضی کی قدر سب سے زیادہ جانتا ہے۔ یہ کہ تخیل کے اگلے سرے کو حاصل کرنے کے لئے شاعری کو ماضی کی طرف اشارہ کرنا چاہیے ایک ایسی حقیقت ہے جسے لوگ بہت قیمتی سمجھتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ ہماری گزشتہ شاعری وعدہ پیشین گوئی اور تفکر کی شاعری ہے اور ہر معاملہ میں مستقبل کا اشارہ کرتی ہے۔ نیز یہ بھی سمجھتے ہوئے کہ ایک شخص نے جس نے ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی غلطی نہیں کی یہ کہا تھا کہ انگریزی شاعری خاص کر مستقبل کے لئے پیدا ہوئی۔

میں نے بیسیوں دواوین الٹ ڈالے ہیں۔ انہیں پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ ماضی سے انہیں کتنا تعلق ہے میرے ذوق کے لحاظ سے وہ نظمیں جس کا تعلق ماضی یا مٹی ہوئی سلطنتوں یا شکستہ محلوں یا ختم شدہ محبت سے ہو دوسری نظموں سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

اسی طرح نثر میں بھی میرا ذوق یہی ہے۔ ''مجھے تو کسی زمانہ میں'' کے پرانے فقرے میں تازگی کا ایک ابدی چشمہ نظر آتا ہے۔ اور جب کسی الہامی کتاب میں یہ پڑھتا ہوں کہ ایک زمانہ میں یہ ہوگا تو اس تلخ فرمان میں اس جملہ کا بقیہ حصہ دیکھنے سے قبل ہی ایک ایسی مکروہ آواز سنائی پڑتی ہے جیسے تلواروں کی چمک یا دانتوں کی کٹکٹاہٹ ہو۔

ٹینی سن نے زمانہ حاضر میں بعض نہایت عمدہ تشبیہات کھینچی ہیں۔ زمانہ حاضر میں

Marfat.com

تخیل بہت آسانی سے دکھائی جاسکتی ہے۔ پرشوکت آبشاریں نظر آتی ہیں، صحرائی چشمے ابل رہے ہیں۔ ناہموار پہاڑوں کی وادیوں میں پھول اگ رہے ہیں۔ غرض اس قسم کی تشبیہات اس کی تحریر میں بہت زیادہ ہیں۔ مگر یہ سب فطرت کی تصویریں ہیں۔ اور ٹینی سن کی خصوصیت اسی میں ہے کہ یہ تصویر دوسرے کنارہ کو نہیں چھوتی۔۔۔ شاعری کا دوسرا کنارا ایک غیر مرئی چیز ہے جب ٹینی سن کو تخیل کا دوسرا سرا مل گیا تو پھر زمانہ ماضی ہی کے پروں پر اس نے پرواز کی۔

شاعری کے طلباء کو اس کے پیغام کا آخری مقصد معلوم کرنے کے لئے ایک ایسے تخیل کی ضرورت ہے جو استوار، مکمل، وسیع، پرزور، حساس، لچکدار اور ہر موقع کے لئے مناسب ہو۔ یہ بات صاف ہے کہ مستقبل کی ان چیزوں کی شاعری جو ابھی تک ہمارے ذہن میں نہیں آئی ہیں۔ یا اگر آئی بھی ہیں تو اچھی طرح سے نہیں ان جذبات کے ظاہر ہونے کا زیادہ موقع دیتی ہیں بہ نسبت ان چیزوں کے جو بن چکی ہیں یا جن کی تشریح ہو چکی ہے کوئی سمجھدار آدمی اس کی تردید نہ کریگا اور نہ وہ شاعری میں ماضی کیلئے اس غیر مشرح دلچسپی رکھنے کے لئے انکار کریگا۔

آج کل یونان اور رومہ میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے متعلق کچھ سننا تکلیف دہ چیز ہے ان کے مستقبل کو سوچ کر بھی ہم میں کوئی اضطراب پیدا نہیں ہوتا۔ مگر جب ہم شاعری کے زمانہ ماضی میں ان کی نسبت پڑھتے ہیں تو وہ بہت زبردست چیز معلوم ہوتی ہے۔ شاعر کہتا ہے ''وہ عظمت جو کبھی یونان کی تھی''۔ ''وہ شوکت جو کبھی رومہ کو حاصل تھی۔''

مائی ڈیر سارہ! مجھے شکستہ مندروں اور گزری ہوئی محبت سے عشق ہے۔ زندگی میں جو لمحات رہنے کے قابل نہیں وہی ہیں جو بسر کئے جا چکے ہیں۔

''تمہارا پیارا دوست۔ آسکر وائلڈ''

آسکر وائلڈ نے آخری خطوط جو سارہ کو لکھے ہیں ان میں پیرس آنے یا پارٹی پر مدعو کرنے وغیرہ کی معمولی باتیں ہیں۔ مگر چونکہ اس کے ہر خط میں کوئی نہ کوئی خاص بات ہوتی

Marfat.com

تھی اس لئے ان میں بھی کہیں نہ کہیں ظرافت کی چاشنی موجود ہے۔

جب رنج وغم نے وائلڈ کو مردہ کر دیا اور بقول اسی کے انہوں نے اسے اپنے دو پاٹوں کے بیچ میں لے لیا۔ تو وہ خود ہی اپنی تحریروں کے مصائب تلاش کرنے لگا۔ مگر وہ انجیل کے ان دلیوں کی طرح تھا جن کے گناہ ہی انہیں اس درجہ پر پہنچا دیتے ہیں۔ ایک خط میں اس نے سموئیل راجرس کی تعریف کی تھی جس نے ایک مرتبہ قانون کشش زمین پر چند اشعار لکھے تھے۔ اسی کے آگے اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

یہ اشعار قابل تعریف ضرور ہیں مگر ورڈ سورتھ ایسا غیب داں بھی اس پر قناعت نہ کریگا۔ کہ وہ سائنس کی ایک کتاب کے لئے چند شیریں مگر بے مغز باتیں لکھ دے۔ اس کا آسمان رفیع تر، اس کا میدان وسیع تر اور اس کی نظر عمیق تر ہے۔ شاعر سائنس سے پہلے رموز فطرت کو سمجھ لیتا ہے اور ورڈ سورتھ کے یہ چار اشعار سائنس کی لاکھوں تجربہ گاہوں کے لئے لاکھوں برس کا کام ہے:۔

''پھول اپنی جگہ پر تیرے سامنے ہنستے ہیں۔
اور خوشبو تیرے قدموں کے نیچے ہے۔
تو ستاروں کو غلطی کرنے سے روکتی ہے۔
اور پرانے آسمان تیری ہی وجہ سے مستحکم بنے ہوئے ہیں۔''

''ملٹن بھی جو شیکسپیئر سے زیادہ آرٹ کو سمجھتا ہے ورڈ سورتھ ایسی دل آویز ہستی کو نمایاں نہیں کرتا۔''

جب وائلڈ کا ڈرامہ ''سلومی'' شائع ہوا تو انگریزی نقادوں نے اس پر اعتراضات کئے اور یہ کہا جانے لگا کہ یہ ڈرامہ سارہ کے لئے لکھا گیا ہے۔ وائلڈ یہ نہیں گوارا کر سکتا تھا کہ اسے ادبی مزدور، سمجھا جائے جو دوسروں کی فرمائش پر انشاء پردازی کرتا ہے خواہ وہ فرمائش سارہ برنہارٹ ہی کی ہو۔ چنانچہ اس نے ''لندن ٹائمس'' کو حسب ذیل خط لکھا۔ جس کی ایک نقل اس نے سارہ کو بھی بھیجدی۔ اس خط میں وہ لکھتا ہے:۔

Marfat.com

''جناب من! میری توجہ اس ریویو کی طرف منعطف کرائی گئی ہے جو آپ کے اخبار میں گذشتہ ہفتہ شائع ہوا ہے۔ میری ایک فرانسیسی تصنیف پر انگریزی نقادوں کی تنقید بہت کم وقعت رکھتی ہے۔ میں آپ کو یہ محض اس لئے لکھ رہا ہوں کہ اس ریویو میں ایک غلط بیانی ہوگئی ہے اس کی صحت ہو جائے یہ واقعہ کہ دور حاضر کی سب سے زیادہ مشہور ٹریجک ایکٹرس کو میرے اس ڈرامہ میں اتنا حسن نظر آیا کہ وہ اس میں ہیروئن کا پارٹ کرنے پوری نظم کو اپنی شخصیت سے منور کرنے، اور میری نثر کو اپنی بانسری کی سی موسیقی عطا کرنے کے لئے بیتاب ہوگئی۔ میرے لئے فخر اور مسرت کا باعث تھا اور رہے گا اور مجھے اس بات سے بہت مسرت ہوگی کہ میڈم برنہارٹ پیرس میں جو آرٹ کا زبردست مرکز ہے اور جہاں مذہبی ڈرامے کھیلے جاتے ہیں میرے ڈرامہ کو پیش کریں۔ مگر میرا یہ ڈرامہ اس زبردست ایکٹرس کے لئے نہیں لکھا گیا تھا میں نے کبھی کوئی ڈرامہ کسی ایکٹر یا ایکٹرس کیلئے نہیں لکھا اور نہ میں کبھی ایسا کرونگا یہ کام ادبی مزدور کا ہے نہ کہ ایک نقاش کا۔''

نادرات} اس حد تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے نہ صرف وائلڈ کی سیرت اور سارہ کے ساتھ اس کے غیر معمولی شغف کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس کی ادیبانہ مذرت و ذہانت پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ وائلڈ اپنے طرز بیان کے لحاظ سے ایک مخترع و موجد کی حیثیت رکھتا تھا اور اس میں شک نہیں کہ یورپ کی تاریخ ادبیات میں کوئی دوسرا شخص اس کا ہمسر نظر نہیں آتا آرٹ کا صحیح ذوق اور اسی کے ساتھ قوت نقد۔ ان دونوں کے امتزاج نے اس کے لٹریچر میں ایسی دلکشی پیدا کر دی ہے جو دوسری جگہ نظر نہیں آتی اور غالباً بے محل نہ ہوگا اگر اس کی چند مثالیں قارئین کے سامنے پیش کر دی جائیں۔

محبت کا راز موت کے راز سے زیادہ عظیم الشان ہے۔

عورتیں اس لئے بنی ہیں کہ ان سے محبت کی جائے نہ اس لئے کہ ان کو سمجھا جائے۔

Marfat.com

دنیا میں معصومیت سے قریب تر کوئی چیز اگر ہے تو صرف حماقت۔

سوالات میں کبھی حمق نہیں پایا جاتا۔ لیکن جوابات اکثر احمقانہ ہوتے ہیں۔

مرد زندگی کو بہت جلد جان لیتے ہیں۔ اور عورتیں بہت دیر میں یہی فرق ہے مرد و عورت کا۔

اگر کوئی خاتون اپنی غلطیوں میں دلکشی پیدا نہیں کر سکتی تو وہ صرف عورت ہے

دنیا کے بدترین کام ہمیشہ بہترین نیت کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔

ایک بات صرف اس بناء پر صحیح قرار نہیں دی جا سکتی کہ کسی نے اس کے لئے جان دے دی ہے۔

ہم کرتے ہیں غلطیاں اور اس کا نام رکھتے ہیں۔ ''تجربہ''

انسان کی تکمیل اس میں نہیں کہ وہ کیا رکھتا ہے بلکہ اس میں ہے کہ وہ کیا ہے۔

عورتوں کے سامنے کوئی فلسفہء حیات نہیں ہے وہ جذبات پر جیتی ہیں اور صرف جذبات کے لئے۔

جب تک جنگ کو برا سمجھا جاتا ہے اس کی دلکشی ہمیشہ باقی رہے گی۔ لیکن اگر ہم اسے ذلیل سمجھنے لگیں تو آپ ختم ہو جائے۔

Marfat.com

اگر کوئی شخص اچھا گانا گاتا ہے تو لوگ سنتے ہیں اور جب کوئی برا گاتا ہے تو بولتے نہیں۔

وہ لوگ جو زندگی میں صرف ایک بار محبت کرنے کے قابل ہیں۔ نہایت سطحی لوگ ہیں۔

جس چیز کو وہ وفاداری و استواری سے تعبیر کرتے ہیں اسے میں ذہانت کا فقدان کہتا ہوں۔

گلاب کے پھول کو دور سے دیکھ کر مسرور ہونا اس سے بہتر ہے کہ خوردبین کے نیچے رکھ کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔

یہ شخصیتیں ہی ہیں جو زمانہ کو ہلا دیتی ہیں نہ کہ اصول۔

انسانوں کی تفریق میں یہ کہنا کہ فلاں نیک ہے اور فلاں بد مہمل سی بات ہے۔ انسان دلچسپ ہوتا ہے یا غیر دلچسپ۔

بعض گانے والے بھی عجیب بیوقوف ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی وقت جبکہ ایک شخص بہرا ہو جانے کی آرزو کرتا ہے وہ چاہتے ہیں کہ یہ گونگا بن جائے۔

اس عورت پر کبھی بھروسہ نہ کرو جو اپنی عمر صحیح صحیح بتا دے۔ کیونکہ ایک عورت جو یہ کہہ سکتی ہے وہ کچھ نہیں چھپا سکتی۔

Marfat.com

ماضی بھی غیر اہم چیز ہے اور حال بھی۔ کیونکہ ماضی نام ہے اس کا جو لوگوں کو نہ ہونا چاہئیے تھا اور حال اس کا جو نہ ہونا چاہئیے۔ اصل چیز مستقبل ہے اور اسی سے ہم کو واسطہ رکھنا چاہئیے کیونکہ وہ آرٹ ہے اور آرٹ کی دنیا۔

آج کل ہر شخص ہوشیار ہے۔ تم کوئی جگہ ایسی نہیں ڈھونڈھ سکتے جہاں کسی نہ کسی ہوشیار سے تصادم ممکن نہ ہو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ امن عام میں خلل ڈالنے والی چیز کوئی اور ہو سکتی ہے۔

ایک انسان کے لئے اس احساس سے زیادہ خطرناک بات کوئی اور نہیں کہ وہ اس وقت تک ہمیشہ سچ بولتا رہا ہے۔

جس چیز کا نام عدم صداقت ہے وہ ذریعہ ہے ہمارے لئے اپنی شخصیت میں تعدد پیدا کرنے کا۔

ایک معبد میں ہر چیز کو سنجیدہ ہونا چاہیے سوائے اس کے جس کی پرستش مقصود ہے۔

ہم ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں تمام غیر ضروری چیزیں ضروریات میں داخل ہو گئی ہیں۔

سوسائٹی ایک مجرم و خطا کار کو بخش سکتی ہے لیکن اسے معاف نہیں کر سکتی جو صرف خیالی پلاؤ پکایا کرتا ہے۔

Marfat.com

مصیبت سے ہمدردی کرنا آسان ہے لیکن خیال سے ہمدردی کرنا بہت دشوار ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ خطرناک عورت وہ ہے جس سے ہم کبھی سیر نہ ہوں۔
خلوص ہر حال میں برا ہے جب تک تھوڑا ہے خطرناک ہے اور بڑھ جائے تو مہلک۔

وقت کی پابندی وقت کی چوری کرنا ہے۔

اگر اپج خطرناک نہیں ہے تو اپج کہلانے کے قابل ہی نہیں ہے۔

جب عورت دوبارہ شادی کرتی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پہلے شوہر سے متنفر تھی اور مرد جب دوسری شادی کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پہلی بیوی سے محبت کرتا تھا۔ اس لئے عورت کا دوسری شادی کرنا قسمت آزمائی ہے اور مرد کا خطرہ میں پڑنا۔

مرد چاہتا ہے کہ وہ ایک عورت کی اولین محبت کا ہدف قرار پائے۔ یہ اس کا انتہائی بھدا پندار ہے عورت مرد کا آخری رومان بننا چاہتی ہے اور یہ اس کی انتہائی بلند ذہانت ہے۔

ہماری سوسائٹی کو جرم سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا مجرم کو سزا دینے سے۔

ایک شادی شدہ مرد کی مسرت کا انحصار ان عورتوں پر ہے جن سے اس نے شادی نہیں کی۔

دنیا کو دنیا بنایا ہے بیوقوفوں نے لیکن اس میں بسنے کے دعویدار ہیں عقلمند لوگ۔

Marfat.com

انسان بجائے خود ایک تکمیل ہے۔

ادبیات وصحافت میں کیا فرق ہے؟ صرف یہ کہ اسے کوئی پڑھتا نہیں اور یہ پڑھنے کے قابل نہیں۔

ایک متقی و گنہگار میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ ماضی میں زندگی بسر کرتا ہے۔ اور یہ مستقبل میں۔

عورتیں صرف تصویر ہیں۔ اس لئے ان سے لطف اٹھانے کی صورت یہ ہے کہ انہیں صرف دیکھو ان کی سنو نہیں۔

میں بہیمانہ قوت کا تو متحمل ہو سکتا ہوں لیکن بہیمانہ استدلال میری برداشت سے باہر ہے۔

خوبصورت عورتوں کے بدصورت شوہر حقیقتاً مجرم طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

سوائے بھلا دیئے جانے کے، بھولا دینے سے زیادہ دلکش کوئی چیز نہیں۔

لندن میں دو ہی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ کہر یا سنجیدہ لوگ۔ لیکن یہ پتہ نہیں کہ کہر نے سنجیدہ لوگ پیدا کئے یا سنجیدہ لوگوں نے کہر پیدا کیا ہے۔

شادی کی یہ خصوصیت کس قدر عجیب ہے، کہ وہ مکر و فریب کی زندگی کو دونوں کے لئے ضروری بنا دیتی ہے۔

Marfat.com

تعلیم اچھی چیز ہے لیکن کبھی کبھی اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ دنیا کی کوئی چیز جو واقعی سیکھنے کے قابل ہے کبھی سکھائی نہیں جا سکتی۔

انتہائی حماقت کا کام وہی ہے جو انتہائی شریفانہ جذبہ سے متعلق ہوتا ہے۔

جھوٹ کا مقصود صرف دلکشی و مسرت پیدا کرنا ہے اس لئے ایک جھوٹا انسان مہذب سوسائٹی کی بنیاد ہے۔

بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ حسن سطحی چیز ہے لیکن غالباً اس قدر سطحی نہیں جتنا ان کا خیال۔

تجدید شباب کی تدبیر صرف یہ ہے کہ انسان اپنی جوانی کی حماقتوں میں پھر مبتلا ہو جائے۔

کتابوں کے متعلق یہ رائے دینا کہ وہ اخلاقی ہیں یا غیر اخلاقی بالکل مہمل بات ہے ان کے متعلق صرف یہی تنقید ہو سکتی ہے کہ وہ اچھی لکھی گئی ہیں یا بری۔

میں انتخاب کرتا ہوں:

اپنے دوستوں کا ان کی خوبصورتی کے لحاظ سے۔

اپنے ملاقاتیوں کا ان کی حسن سیرت کے لحاظ سے۔۔۔۔۔اور اپنے دشمنوں کا ان کی ذہانت کے لحاظ سے۔

Marfat.com

میرے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ میں وہاں پاکیزگی اخلاق
پاؤں جہاں مجھے اس کے وجود کی توقع ہی نہ ہو میں ایسا محسوس کرتا ہوں جیسے ریشم ہاتھ میں لوں
وردفعتہ سوئی چبھ جائے۔

اگر ہمارے اخلاقِ پاکیزہ ہیں تو ہمیں لوگوں کو آگاہ کر دینا چاہیے۔

کہنے کے قابل حقیقتاً وہی چیزیں ہوتی ہیں جنہیں ہم بھلا دیتے ہیں۔

جس طرح بعض لوگ صرف آنسو چھپانے کے لئے ہنستے ہیں اسی طرح بعض ایسے
بھی ہیں جو اپنا جہل چھپانے کے لئے دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں۔

صدائے بازگشت اکثر بیشتر اصل آواز سے زیادہ دلکش ہوتی ہے۔

عورتیں اپنے کان کے بھروسہ پر محبت کرتی ہیں اور مرد اپنی آنکھوں کے اعتماد پر
------اگر مرد واقعی کبھی محبت کرتا ہے۔

خوبصورت ہونا نیک ہونے سے بہتر ہے، لیکن بدصورتی کے مقابلہ میں بہتر ہونا ہی
غنیمت ہے۔

وہ بدنصیبیاں جو خارج سے لاحق ہوتی ہیں برداشت ہو سکتی ہیں۔ لیکن خود اپنی ہی
غلطیوں کو بھگتنا سخت نیش ہے۔

Marfat.com

اپنے دوست کے مصائب پر ہمدردی کرنا تو معمولی بات ہے ہر شخص کر سکتا ہے لیکن اس کی کامیابیوں سے ہمدردی کرنا بہت بلند فطرت کا کام ہے۔

وہ شخص جو شادی کرنا چاہتا ہے اسے یا تو سب کچھ جاننا چاہیے یا کچھ نہیں۔

کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ زندگی کے سبق ہمیں اس وقت ملتے ہیں جب وہ ہمارے لئے بیکار ہوتے ہیں۔

Marfat.com

حسن کی عیاریاں

(۱)

قلوپطرہ، حسن وشباب کی ان تمام آئینہ داریوں کے ساتھ جنہیں صرف اسی کا بلورین سینہ ہی پیش کرسکتا تھا۔ خواب گاہ ناز میں ایک مخملی صندلی پر متمکن ہے، اور اس کی بے چین پیشانی، جس میں فطرت نے کائنات کو درہم برہم کر ڈینے کی قوت پوری طرح ودیعت کی تھی۔ سرداران مصر کو جو اس وقت اس کے روبرو دست بستہ کھڑے ہوئے ہیں کپکپا رہی ہے۔

سرزمین فراعنہ کے ایک ایک نوجوان کو معلوم تھا کہ قلوپطرہ کے حسن برق افگن پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالنا بھی گویا خرمن کا بجلی کو دعوت دینا ہے۔ چہ جائیکہ اس کے حسن برہم کو دیکھنا جس کے سامنے تو نیل کی موجیں بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی روانی کو بھلا دیتی تھیں۔

غیظ وغضب کے عالم میں اس کا سینہ سریع تنفس کی وجہ سے جلدی جلدی ابھر رہا تھا اور کافوری شمعوں کی روشنی کا عکس گھڑی گھڑی اس کاغذ پر ڈال رہا تھا، جسے وہ ہاتھ میں لئے پڑھ رہی تھی۔

دو صورتیں ہیں، یا تو وہ شرکت حکومت کے خیال سے باز آئے یا پھر قلوپطرہ کا مقابلہ کرے، جو اک ادنی اشارہ سے نیل کی تمام وادیوں کو ایک ورق کاغذ کی طرح ادھر سے ادھر الٹ سکتی ہے۔

(۲)

جب جولیس سیزر، روم کا وہ پرشوکت وجبردت جنرل، جس نے پامپائی فتح کر کے تمام عالم کو اپنی قوت کے افسانوں سے معمور کر رکھا تھا، حدود اسکندریہ میں پہنچا، تو اسے معلوم

Marfat.com

ہوا کہ یہاں تمام ملک میں بدامنی کی حکومت ہے۔ تخت گاہ مصر کی گلیاں جوئے خوں بنی ہوئی ہیں اور قلوپطرہ کے جانباز سپاہی ٹولمی کی وفادار سپاہ سے مصروف پیکار ہیں۔

اگر جولیس سیزر چاہتا تو اس تفریق سے فائدہ اٹھا کر مملکت مصر پر آسانی سے قابض ہو سکتا تھا' لیکن وہ اپنی تازہ فتوحات کے نشہ میں چور تھا اور اس وقت وہ صرف امن وسکون کے قیام ہی میں اپنے لئے تفریح محسوس کرتا تھا۔ اس نے یہ خیال کر کے کہ قلوپطرہ ایک عورت ہے اور یقیناً اس کے بھائی ٹولمی نے اس کا حق سلطنت غصب کر لیا ہوگا۔ اپنا ایک سردار روانہ کیا کہ قلوپطرہ اور ٹولمی دونوں کو اس کے سامنے لے آئے۔

(۳)

قلوپطرہ' جسے اپنے حسن و جمال پر ناز تھا' جو سمجھتی تھی کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی قوت ایسی نہیں ہے جو اس کے روبرو جھک جانے کی لذت حاصل کرنے کے لئے بیتاب نہ ہو۔ آرائش کے کمرے میں آئینے کے سامنے کھڑی گیسو سنوار رہی ہے اور مسکراتی جاتی ہے اس خیال سے کہ آج اپنا وہ حربہ استعمال کرے گی' جسے وہ اپنے بھائی ٹولمی پر نہ استعمال کر سکتی تھی اور جس سے مجروح ہونے کے لئے اکاسرہ وقیاصرہ ہی کی ضرورت تھی۔

نہایت باریک آسمانی رنگ کی ریشمی چادر جس میں جا بجا موتی ٹنکے ہوئے تھے۔ اس کے خوبصورت جسم سے لپٹی ہوئی تھی اور باوجود کوشش کے بھی وہ کسی طرح سینہ و شانہ پر نہ ٹھہرتی تھی۔ اس نے گیسو سنوارے' لباس درست کیا اور ان تمام دلربایانہ اداؤں کے ساتھ جو مصر کی اس جوان ملکہ کے لئے مخصوص تھیں۔ نکہت کی طرح نکلی اور صرف ایک سردار کو ساتھ لے کر سیزر کے پاس روانہ ہوگئی۔

(۴)

سیزر' اپنے درباری خیمہ میں منتظر بیٹھا تھا کہ خادم نے اطلاع کی کہ ایک سردار ملکہ قلوپطرہ کی طرف سے کوئی ہدیہ لایا ہے اور پیش کرنا چاہتا ہے۔ سیزر نے اجازت دی اور ایک خوش رو نوجوان اپنی پشت پر ایک گٹھری لئے ہوئے آیا اور اسے زمین پر رکھ کر کھولنے لگا۔

سیزر منتظر تھا کہ اس کے اندر سے سیم وزر کی کشتیاں۔۔۔۔ الماس و عقیق سے

Marfat.com

جڑے ہوئے بیش بہا زیور نکلیں گے۔ لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس کے اندر سے بجائے سیم وطلاء' الماس وعقیق کے' اک سروزریں۔ ایک مجسمۂ شباب' اک پیکر حسن و جمال' ملکہ قلوپطرہ نہایت باریک ریشمی لباس میں نمودار ہوئی' گویا وہ وینس (زہرہ) تھی جو ابھی ابھی سمندر سے نہا کر نکلی ہو۔

(۵)

ٹولمی کو مغلوب کرنے کے بعد' سیزر۔ اسکندریہ میں ہی زندگی بسر کر رہا ہے۔ جو قلوپطرہ ایسی حسین عورت کی معیت میں بسر کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے مہر و ماہ کا طلوع و غروب، شب و روز کا ظہور و خفا' بہار و خزاں کی آمد و شد اور فطرت کے تمام متضاد مناظر، صرف قلوپطرہ کی مسرت و اضمحلال سے عبارت تھے اور وہ محسوس کرتا تھا کہ دنیا کا ہر تغیر صرف اس لئے عمل میں آتا ہے کہ قلوپطرہ کی خواہش یہی ہے۔

قلوپطرہ بیتاب تھی کہ دنیا کے اس مشہور جنرل سے شادی کر کے ہمیشہ کے لئے اس کو اپنا بنائے' لیکن چونکہ اس کی بیوی موجود تھی اور وہ دوسری شادی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے وہ چاہتا تھا کہ روم جانے سے قبل وہ اپنی تمام خواہشیں پوری کر لے' اور جب وہ قلوپطرہ کی آغوش اور ساحل نیل سے جدا ہو' تو اس کی تمنائیں ختم ہو چکی ہوں۔

کچھ زمانہ تو سیزر نے ایسی خود فراموشی کے عالم میں بسر کر دیا کہ خود اسے بھی خبر نہ ہوئی کہ وہ کیا کر رہا ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے۔ لیکن جب اس کے احباب نے روم سے اسے اطلاع دی کہ سلطنت رومہ کو اس کی واپسی کی سخت ضرورت ہے' تو اسے ہوش آیا اور اس کے تمام وہ مردانہ عزائم جو' قلوپطرہ کی آغوش میں پہنچکر سو گئے تھے۔ پھر بیدار ہونے لگے۔ اس نے دفعتاً روم جانے کا ارادہ استوار کیا اور قلوپطرہ سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جانا چاہا' مگر قلوپطرہ' جو اس شکار کو اپنے قابو سے جانے دینا نہیں چاہتی تھی اور سمجھتی تھی کہ شاید روم پہنچ کر وہ کسی تدبیر سے اس کو عقد نکاح میں لے آئے گی' اس پر راضی نہ ہوئی اور خود بھی اس کے بعد ہی روم کی طرف روانہ ہو گئی۔

Marfat.com

(۶)

سیزر۔ بروٹس کے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے' روم میں انطانی اور بروٹس کے درمیان جنگ ختم ہو کر کامیابی کا سہرا انطانی کے سر پر باندھا جا چکا ہے اور قلوپطرہ کو مصر میں حکومت کرتے ہوئے تین سال گزر چکے ہیں۔

چونکہ قلوپطرہ کی عربدہ جو اور مصلحت اندیش فطرت' در پردہ بروٹس سے بھی لگاوٹ رکھتی تھی جو سیزر کا قاتل تھا، اس لئے انطانی نے اسے طلب کیا کہ اس الزام کی جوابدہی کے لئے حاضر ہو۔

قلوپطرہ نے جو اپنے بھائی ٹولمی کو تباہ کرا چکی تھی' جو سیزر کو بھی اپنی محبت سے آشنا کر کے برباد کر چکی تھی۔ اب اپنے سامنے ایک نیا شکار پایا اور یہ معلوم کر کے کہ اس وقت انطانی کے اقبال کا طوطی بول رہا ہے۔ اس پر اپنے حسن کا جال ڈالنا چاہا۔

قلوپطرہ جس شان سے روانہ ہوئی وہ تاریخ کا نہایت مشہور دلچسپ واقعہ ہے' اس کا جہاز زرکار تھا اور ارغوانی رنگ کے ریشمی بادبان اس کے پہلو میں اڑ رہے تھے۔ سرزمین مصر کی حسین نوجوان لڑکیاں' اس حال میں کہ ان کے جسم پر ایک تار بھی نہ تھا۔ اس جہاز کو چلا رہی تھیں اور قلوپطرہ باصد ہزار پندار حسن و رعنائی ایک جڑاؤ صندلی پر جلوہ افروز تھی۔

انطانی نے پیام بھیجا کہ ملکہ مصر کی پذیرائی کے لئے اس کے محل ہی میں انتظام کیا جائے۔ لیکن قلوپطرہ نے' جو اپنے ہی جہاز کی آراستہ فضا میں اپنے افسوں کو اچھی طرح صرف کر سکتی تھی' انطانی کو وہیں بلا لیا اور اس کا نتیجہ بھی وہی ہوا' جو ہمیشہ حسن کے عزم دارادہ کا ہوا کرتا ہے۔

(۷)

انطانی' اسکندریہ میں وہی زندگی بسر کر رہا ہے جو یونانیوں کی خیالی دنیا میں باخوس (شراب کے دیوتا) کو حاصل تھی اور حسن کے تمام وہ بھلاوے جن کو عالم قضا و قدر میں ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ اس پر مستولی تھے جس حالت میں اس نے روم کو چھوڑا تھا اس کا اقتضاء یہ تھا کہ فوراً وہاں واپس جاتا اور اپنی حاصل کی ہوئی قوت میں استحکام پیدا کرتا۔

Marfat.com

لیکن قلوپطرہ کی کھلی ہوئی آغوش اتنی بڑی دولت اور ایسی وسیع سلطنت تھی کہ اس کی لذتیں حاصل کرنے کے بعد انطانی کے لئے ساری کائنات کو قلوپطرہ کی آنکھوں کے عمیق سمندر میں غرق کر دنیا آسان ہو گیا تھا' چہ جائیکہ حکومت روم!

وہ ادھر مصروف نشاط رہا اور ادھر آکیٹولیس سیزر نے روم پر اقتدار حاصل کر کے انطانی کو گرفتار کرنے کے لئے اسکندریہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں' انطانی کو ہوش آیا مگر اس وقت جب آکیسٹولیس کے جہاز سر پر پہنچ گئے اور اس کا نشہ اترا مگر جب تدبیر کی منزل گزر گئی۔

جب قلوپطرہ کے بیڑہ کو شکست ہوئی اور وہ اپنے قصر کے اندر جا کر بند ہو گئی۔ تو انطونی کو شبہ پیدا ہوا اور حد درجہ برہمی کے ساتھ دروازہ تک پہنچا اور اندر جانا چاہا۔ لیکن محافظین قلوپطرہ نے خیال کر کے کہ انطونی کہیں برہمی کے عالم میں ملکہ کو کوئی ضرر نہ پہنچائے۔ عرض کی کہ ملکہ اب کہاں'' وہ تو شکست کے غم میں کب کی جان دے چکی''۔

انطونی پر اس خبر سے ردعمل کی سی کیفیت طاری ہوئی اور حد درجہ تکلیف و تاثر کے عالم میں اپنی جائے قیام پر گیا اور ایک تیز تلوار سے اپنے جسم کو زخمی کر کے چند دن تک' قلوپطرہ کی تیمارداری کی آخری لذتیں حاصل کرنے کے بعد اس جہان سے رخصت ہو گیا۔

انطونی کے مر جانے سے قلوپطرہ کو صدمہ ہوا یا نہیں۔ اس کا حال کسے معلوم؟ لیکن اس واقعہ کو دنیا جانتی ہے کہ جب انطونی کے بعد آکیسٹولیس' روم کا ہیرو قرار پایا اور اسکندریہ میں اس کا اقتدار قائم ہونے لگا تو قلوپطرہ نے اسے بھی مسحور کرنا چاہا۔ اور اپنی وہی زہر آلود ادائیں جو اس سے قبل سیزر اور انطونی کی جان لے چکی تھیں۔ اکیسٹولیس پر بھی صرف کرنا چاہیں' اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کامیاب نہ ہوتی اگر فطرت حسن کی ان قاتل تماشہ زائیوں سے بیزار نہ ہو گئی ہوتی۔

(۸)

اکیسٹولیس (قلوپطرہ کے سرداروں سے):۔ ''میں ایک عورت کے خون سے خواہ وہ کتنی ہی سفاک و ظالم کیوں نہ ہو' اپنی تلوار کو آلودہ کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے تم اپنی ملکہ سے

Marfat.com

کہہ دو کہ اس کی جان محفوظ ہے۔ لیکن صرف اس شرط پر کہ وہ میرے پاس حاضر ہو' اور جب میرا جلوس روم کے بازاروں سے گزرے تو وہ میری سواری کے پیچھے پیچھے پا پیادہ چلی آرہی ہو۔ میں اپنی فتوحات کی تمام لذتوں کو اس مسرت کے مقابلہ میں کہ قلوپطرہ میری حلقہ بگوش ہے۔ آسانی کے ساتھ بھلا دینے کے لئے آمادہ ہوں۔ اس لئے جاؤ اس سے کہہ دو کہ میرے اوپر اپنا جادو ڈالنے کی کوشش نہ کرے۔ کیونکہ میرا دل اک پارۂ سنگ ہے اور نسوانی سحر کاریوں کی دسترس سے بالاتر!''

قلوپطرہ نے اپنے قصر کے دروازے ہر چہار طرف سے بند کرا لئے ہیں اور نہیں کہا جا سکتا کہ اب وہ کس تدبیر میں مصروف ہے۔ اکیسویس جس نے جواب کے لئے صرف ایک رات کی مہلت دی تھی، صبح ہوتے ہی اپنی سپاہ لے کر آتا ہے اور قصر کے اندر فتحمندانہ داخل ہوتا ہے کہ وہ قلوپطرہ کے حسین ہاتھوں میں زنجیریں ڈال کر باہر لائے گا۔ لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی' جب وہ فرش پر قلوپطرہ کو بیہوش پڑا ہوا دیکھتا ہے۔ اس حال میں کہ اس کے عریاں سینے پر اک چھوٹا سا سانپ لہرا رہا ہے اور اس قدر سرشاری کے ساتھ کہ باوجود تمام ہنگاموں کے وہ اپنے دانت قلوپطرہ کے سینہ سے جدا کرنا نہیں چاہتا۔

Marfat.com

یورپ کی ایک حسین راہبہ

(۱)

نویں صدی کی ابتداء میں جب شارلمین نے سیکسن قوموں کو مطیع کیا تو انھیں عیسوی مذہب اختیار کرنے پر بھی مجبور کیا۔ اور سرزمین انگلستان سے بڑے بڑے مذہبی علماء بلا کر ان کی تعلیم کے لئے مقرر کئے۔

انھیں رہبانوں میں ایک رہبان ایسا تھا جو اپنی حسین رفیق زندگی کو بھی ساتھ لایا تھا او۔ اپنی ذہانت و قابلیت کی وجہ سے ایک مخصوص امتیاز کا مالک تھا، یہاں پہنچنے کے چند دن بعد اس خاتون کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جون رکھا گیا۔

چونکہ جون کے والدین خود نہایت حسین اور قابل تھے اس لئے کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کی بچی جو ہر چند تعلق محبت کا ناجائز نتیجہ تھی، ان آثار کو لے کر پیدا نہ ہوتی جو ماں کے حسن اور باپ کی ذہانت کی وجہ سے اس کو ملنے چاہئیں تھے۔

جون جس قدر زیادہ بڑھتی جاتی تھی، لوگوں کو یقین ہوتا جاتا تھا کہ وہ نہ صرف حسن و جمال بلکہ اپنی فراست و ذہانت کے لحاظ سے بھی بے نظیر ثابت ہوگی۔

اس کے باپ نے ان تمام آثار کو دیکھ کر فیصلہ کیا کہ اس کو تمام علوم متداولہ کی تعلیم دینا چاہیے۔ تاکہ جمال صورت کے ساتھ حسن سیرت سے بھی وہ محروم نہ رہے۔

جون نے نہایت قلیل زمانہ میں ایسی ترقی کی کہ اس عہد کی یونیورسٹیوں کے بڑے

Marfat.com

بڑے عالم اس کے سامنے گفتگو کرتے پس وپیش کرتے تھے۔اس کی عمر ابھی صرف تیرہ سال کی تھی کہ وہ مجمع عام میں نہایت دقیق مسائل پر آزادانہ تنقید کرتی تھی اور جرمنی، اطالیہ اور انگریزی زبانوں میں نہایت برجستہ اور حد درجہ بلیغ خطبہ دیتی تھی۔ پھر ظاہر ہے کہ ایک نوجوان لڑکی جو اپنی تمام ظاہری رعنائیوں اور حسن وجمال کے ساتھ اس قدر کمال علم بھی رکھتی ہو، وہ دنیا میں کیا کچھ نہیں کرسکتی اور فطرت کے اس اعجاز سے وہ کون سا انقلاب ہے جو عالم میں برپا نہیں ہوسکتا۔

رفتہ رفتہ اس کے حسن ورعنائی کا چرچا ہر محفل میں ہونے لگا اور می امینس کی تمام نوجوان آبادی پروانہ واران جلسوں میں کھچ کھچ کر آنے لگی، جہاں یہ جمیل راہبہ اپنے نازک لبوں سے نکلنے والے الفاظ کا جادو لوگوں پر ڈالا کرتی تھی۔ جس وقت وہ اپنی نازک کشیدہ قامتی کے ساتھ اسٹیج پر تقریر کرنے کے لئے کھڑی ہو جاتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ صبح بہار نے جسم اختیار کرلیا۔ اور جب وہ اپنی شیریں تقریر کی ابتداء کرتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ بلبل کسی کنج کے اندر نغمہ سرائی میں مصروف ہے اگر ایک طرف اس کی ہر ہر ادا اپنے لئے ایک نئی جان طلب کرتی تھی تو دوسری طرف اس کا ہر ہر لفظ نطق مسیح ہو کر نکلتا تھا۔ اور اس طرح گویا وہ لوگوں کی موت وحیات پر حکمرانی کر رہی تھی۔

وہ لوگوں کی اس تباہی و بربادی کو دیکھتی تھی اور خوش ہوتی تھی۔ اور نوجوانوں کے اضطراب دبے تابی کو محسوس کرتی تھی اور اپنے عشوہ وناز کو اور زیادہ تاب دیتی جاتی تھی۔ آخر کار کیوپڈ جو اس کے ''خمیازۂ چشم پرافسوں''، اور نگاہ جراحت پاش سے تیر وکمان کا کام لے رہا تھا تھک گیا اور اب وقت آیا کہ وہ اپنے طلائی پیکاں سے اس کے دل کو بھی زخمی کردے۔ چنانچہ اس نے فلڈا کے ایک نوجوان راہب کی نگاہوں کو منتخب کیا اور اس کی محبت کا ایک نوش لے کر جس میں ایک نہایت تیز نیش پنہاں تھا۔ جون کو ہنستے ہنستے اک دن پلا دیا اور رخصت ہوگیا۔

فلڈا کا راہب نہ صرف حسن وجوانی کی مکمل تصویر تھا بلکہ اپنے فضل وکمال کے لحاظ سے بھی ایک خاص حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے جون کا اس طرف کھنچ جانا بالکل فطری بات تھی۔ چنانچہ اس نے راہب کے لئے اپنی آغوش کھول دی، اور راہب نے بھی جس کے دل میں

Marfat.com

جون کی محبت کی پھانس عرصہ سے چبھ رہی تھی اپنے آپ کو اس کی آغوش میں سونپ دیا۔

چونکہ جون نہایت ہی بلند عزم اور مضبوط ارادہ کی لڑکی تھی۔ اس لئے وہ دنیا کی دوسری عام لڑکیوں کی طرح محبت میں گھل گھل کر نہ جان دے سکتی تھی، اور نہ شرم وحیاء پر اپنی آرزوؤں کی قربانی چڑھا سکتی تھی۔ اس نے ایک دن راہب کو بلایا اور خاموشی سے مردانہ لباس پہن کر اس کے ساتھ چلدی۔

اس کے بعد اہل می امینس کو پتہ نہ چلا کر جون کہاں گئی اور اہل فلڈا کو صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ وہاں کے خانقاہ میں اک نئے نوجوان راہب کا اضافہ ہو گیا ہے جو حال ہی میں انگلستان سے آیا ہے۔

کامل دو ماہ تک یہ دونوں فلڈا کی خانقاہ میں اپنی مدہوش زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن جب بعد کو وہ جوانی کی اس پہلی نیند سے جاگے تو انھیں معلوم ہوا کہ اب خانقاہ کی دیواریں اس راز کو نہیں چھپا سکتیں اور ان کی حیات معاشقہ کا افسانہ اب عام ہو جائے گا۔

ظاہر ہے کہ وہ جون جو دو ماہ قبل دوشیزگی کی حالت میں یہاں آنے کی جسارت کر سکتی تھی اب اک ثمر رسیدہ خاتون میں تبدیل ہو جانے کے بعد اس جگہ کو آسانی سے چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ اس لئے اس نے رات کی خاموشی میں اس سرزمین کو خیر باد کہا اور اپنے محبوب کو ساتھ لے کر مردانہ لباس میں ایتھنز پہنچی، جو اس وقت بھی علوم وفنون کا مرکز تھا۔

جون نے یہاں پہنچکر بھی اپنے اکتسابات علمیہ کی نمائش کی اور چند دنوں میں ان دونو وارد راہبوں کی شہرت عام ہو گئی۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ بعض غیر معلوم اسباب کی بناء پر ان دونوں نے باہمی جدائی گوارا کر لی اور فلڈا کا راہب، سرزمین مشرق کی طرف اور جون مغرب کی جانب چل دی۔

فلڈا کا راہب مصر پہنچا اس نے یہاں اسکندریہ کی سیر کی، سواحل نیل کے مناظر دیکھے اہرام مصر اور ابوالہول کی زیارت کی۔ سرزمین دمشق وفلسطین کی سیاحت کر کے ان کے آثار علمیہ سے استفادہ کیا، تہذیب بابل کے افسانے پڑھے اور تمام ان آثار کے مطالعہ میں اپنا وقت صرف کیا جن کی مسماریاں اب بھی تہذیب شرق کی داستانیں دہراتی رہتی ہیں۔

Marfat.com

ادھر جون سیدھی روم پہنچی جو اس وقت عیسوی اقتدار کا مرکز تھا اور چونکہ ریش و بروت صاف رکھنا اس عہد کی تہذیب تھی اس لئے جون کو اپنے تیئں مرد ظاہر کرنے میں کوئی وقت نہیں ہوئی۔

اس وقت برجیس ثانی مذہب عیسوی کے تخت کا فرمابروا تھا اور ہر چند روم خانہ جنگی، ہنگامہ آرائی اور باہمی مخالفت کا شکار ہو رہا تھا، تاہم وہ قدیم تہذیب کا جولانگاہ تھا، علوم وفنون وہاں کی فضا میں بسے ہوئے تھے اور خانقاہ علماؤ فضلاء سے معمور نظر آتی تھی۔

پھر دریائے ٹائبر پر واقع ہونے والا وہ شہر جس کا ایک ایک ذرہ قیصر و آگسٹس کے افسانہائے اولوالعزمی سے معمور تھا۔ کیونکر جون ایسی حوصلہ مند عورت کو مایوس کرسکتا تھا۔ چنانچہ جون نے بھی فیصلہ کرلیا کہ اسے اپنے لئے یہاں وہ مستقبل پیدا کرنا ہے جو صفحات تاریخ پر ہمیشہ کے لئے منقوش ہو جائے اور اپنی ہستی کو اس روشنی میں پیش کرنا ہے جو حوادث زمانہ سے بھی گل نہ ہو۔

آخر کار وہ ایک خانقاہ میں داخل ہوئی اور نہایت قلیل عرصہ میں اس نے اپنے فضل وکمال، اپنی فصاحت و بلاغت اپنی سادہ معاشرت اور سب سے زیادہ اس مخفی کہربائیت سے، جو ایک پر شباب نسائیت کا جز دلانیفک ہے۔ سارے روم کو اپنا گردیدہ بنالیا۔ بڑے بڑے علما، امرا، قسیس و رہبان اس کے پاس آتے تھے اور جب لوٹتے تھے تو بالکل مسحور و مفتون، وہ غور کرتے تھے کہ انگلستان کے اس نوجوان راہب میں وہ کون سی بات ہے جو ان کے دلوں کو اپنی طرف جذب کئے لیتی ہے، لیکن اس سے زیادہ کچھ نہ سمجھ سکتے تھے۔ کہ شاید یہ روح القدس کے فیضان اور معصومیت مسیح کا سب سے بڑا مظہر ہے۔

شہر روم سے باہر اس وقت ایک خانقاہ سنٹ مارٹن کے نام سے منسوب تھی، جہاں علوم مذہب اور فنون ادب کی تعلیم یونانی اور لاطینی زبان میں دی جاتی تھی۔

جون ایک راہب کی حیثیت سے اس میں داخل ہوگئی اور اپنے عالمانہ خطبات سے روم کے تمام قرب و جوار میں ہنگامہ پیدا کر دیا۔ وہ یہاں اس طرح اکتساب شہرت میں مصروف تھی کہ برجیس (پاپائے اعظم) کا انتقال ہوا اور اس کی جگہ پوپ لیو چہارم کا انتخاب

Marfat.com

عمل میں آیا جو سنٹ مارٹن کالج میں جون کی ہستی سے آگاہ ہو چکا تھا اور اس کی بہت عزت کیا کرتا تھا۔

اس نے بعض اہم اور مخفی خدمات بھی جون کے سپرد کیں جنہیں اس نے نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا اور اس طرح اس کا اقتدار دین مسیحی کے اس قوی ترین علمبردار کے دربار میں بڑھتا گیا۔ کیونکہ جون نے مملکت روم، پاپائے اعظم اور مذہب کی امداد میں محض اپنی قابلیت علمی ہی صرف نہیں کی تھی بلکہ اس نے ایک مرتبہ سپاہ روما کی قیادت کر کے دشمنوں سے جنگ بھی کی تھی اور کامیاب ومظفر ہو کر واپس آئی تھی۔

اسی کے ساتھ جون اپنی نسوانی ذہانت کی وجہ سے تمام اکابر قوم، امراء ملک اور پیشوایان مذہب کے ایسے بہت سے رازوں سے واقف ہو گئی جو ان کی نہایت ہی ذلیل کمزوریوں سے متعلق تھے اور اس سلسلہ میں کارڈنل لیو کی بھی (جو اس وقت تک سکریٹری آف اسٹیٹ تھا) راز دار ہو گئی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب برجیس کی وفات پر کارڈنل لیو، پاپائے اعظم بنایا گیا تو جون اس کی جگہ پر سکریٹری آف اسٹیٹ بن گئی۔

اس وقت اناسیٹس جو وہاں کا کارڈنل تھا لیو کا سخت دشمن تھا۔ اس نے جدید پوپ کو تکلیف پہنچانے کے لئے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اناسٹیس جلاوطن کر دیا گیا۔ مگر پوپ ہنوز اپنا انتقام نہ لے چکا تھا، وہ باقاعدہ اس پر بغاوت کا جرم ثابت کر کے اس کا عہدہ بھی اس سے چھین لینا چاہتا تھا۔ اس مسئلہ میں جون نے اس کی بہت مدد کی کیونکہ مجلس فیصلہ کے سامنے جو بیان اناسٹیس کو ملزم قرار دینے کے لئے پیش کیا گیا تھا وہ جون ہی کا مرتب کیا ہوا تھا اور جس میں اس نے اپنی ساری قابلیت صرف کر دی تھی آخر کار اناسٹیس اپنے عہدہ سے معزول کیا گیا اور جون اس کی جگہ کارڈنل مقرر کی گئی۔ یہ اتنی بڑی عزت تھی جس کی تمنا کرنا گویا سلطنت کی آرزو کرنا تھا۔ لیکن جون جس کی پرواز فکر اس سے زیادہ بلندی کی متمنی تھی، ہنوز مطمئن نہ تھی اور وہ سمجھتی تھی کہ میں ساری دنیا پر حکومت کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہوں اور یہ مقصد آفرینش بہرنوع پورا ہو کر رہے گا۔

اتفاق سے اس واقعہ کے چند ہی دن بعد لیو (پوپ) دفعتاً مر گیا اور جدید پوپ

Marfat.com

کے انتخاب کا وقت آیا۔ یہ زمانہ نہ صرف روما بلکہ تمام مسیحی دنیا کے لئے نہایت سخت اضطراب وتشویش کا تھا۔ کیونکہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ جدید پوپ کس خیال کا شخص ہوگا اور وہ اس وقت کی سیاسی پیچیدگی میں کس ملک کا مددگار ثابت ہو۔

اس جگہ کے لئے متعدد امیدوار تھے، جن میں سے ہر ایک نے اسقف اعظم کا تخت وعہدہ حاصل کرنے کے لئے پوری طرح خون پسینہ بہایا، لیکن فطرت کی نگاہ انتخاب جس پر پڑ چکی تھی وہ کوئی اور تھا۔

جب یہ باہمی جنگ وقتال حد سے بڑھ گیا تو فیصلہ یہ کیا گیا کہ موجودہ امیدواروں میں سے کسی کو یہ خدمت نہ سپرد کی جائے بلکہ ایک ایسا شخص پوپ بنایا جائے جس کا تعلق ان متخاصم جماعتوں میں کسی سے نہ ہو چنانچہ جون، جومی امنیس کی ایک معمولی لڑکی تھی جون ہشتم کے نام سے تخت مسیحیت پر جلوہ افروز ہوگئی۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جون کو پوپ بنانے میں صرف مصلحت سے کام لیا گیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے کیونکہ سارا روم پہلے ہی سے اس کا طرفدار تھا اور لیو کے مرنے کے بعد ہی لوگ جوق در جوق آتے تھے اور قصر پاپا کے دروازے پر آکر نعرہ لگاتے تھے کہ ''زندہ باد پوپ جون ہشتم'' جون کے نازک قدموں کے نیچے لوگوں نے پھول بچھائے اور جب وہ لیو جنازہ کے ساتھ باہر آئی تو تمام امراء روم نے اپنی قیمتی اور زرکار چادریں اس کے راستہ میں فرش کر دیں۔

جون سے قبل اور اس کے بعد بہت سی عورتوں نے حکمرانی کی، بمیراس سے لے کر کیتھرائن تک ملکہ زنوبیا سے لے کر الزبتھ تک متعدد عورتوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ بہت سے افراد جنس نازک کے ایسے ہوئے جنہوں نے معاشری، سیاسی اور علمی دنیا میں اپنا اقتدار قائم کر لیا، لیکن عالم مسیحیت پر فرمانروائی کرنا جنت کی کنجیوں کا مالک ہو جانا۔ زمین کی طرح آسمانی حکومت کو بھی اپنے قبضہ میں کر لینا یہ دنیا میں صرف ایک ہی عورت کا مقسوم تھا۔ جسے روم والوں نے عرصہ تک مرد ہی یقین کیا۔

پوپ جون نے [illegible] قابلیت سے اپنی خدمات انجام دیں کہ ساری عیسوی دنیا

نے اعتراف کیا بہت سے مذموم مراسم مٹ گئے اقتصادی حالت درست ہوگئی اور پاپا کا وہ خزانہ جو عربوں کے حملہ کی وجہ سے خالی ہو گیا تھا پھر معمور ہو گیا۔ بڑے بڑے بادشاہ آ کر سربسجود ہونے لگے ملک کے اعاظم واکابر آستانہ بوسی کے لئے حاضری دینے لگے۔ اور تمام وہ دنیاوی جاہ وجلال جو دنیا میں ایک انسانی ہستی کو میسر آ سکتا ہے جون کے قدموں پر ڈال دیا گیا۔

(۲)

ایک مرد جب عیش ونشاط، جاہ وثروت، دولت وحکومت کے عروج پر جاتا ہے تو اس کے دل سے احساس محبت مٹ جاتا ہے۔ لیکن عورت خواہ کتنی ہی دنیاوی ترقی کیوں نہ کر جائے، عورت ہی رہتی ہے اور اس کے جذبات لطیف معدوم نہیں ہوتے۔ چنانچہ وہ وقت آیا کہ جون اپنی موجودہ حالت سے بیزاری محسوس کرنے لگی اور اپنی نسائیت سے مغلوب ہوگئی، دنیا اس کی اطاعت کرتی تھی۔ عالم اس کی پرستش کرتا تھا۔ لیکن اب وہ اس کے لئے بیتاب تھی کہ کوئی اس سے محبت کرے اور ان جذبات کو سکون پہنچائے جن کا جواب دینے کے لئے اس وقت وہ سارے عالم کو دیران پاتی تھی۔ وہ عورت سے مرد کیا بنی کہ تمام دنیا اسکے لئے عورت ہو کر رہ گئی۔

اول اول جب وہ روم آئی تو اس نے سوائے مطالعہ کے کسی چیز سے سروکار نہ رکھا۔ جب وہ رفتہ رفتہ پوپ کے درجے تک پہنچی، تو پھر بھی کچھ عرصہ تک وہ اسی مشغلہ میں مصروف رہی۔ لیکن چند دن گزرنے کے بعد اسے وہ ایام گذشتہ یاد آنے لگے جب فلڈا میں وہ اپنے محبوب راہب کی معیت میں سرشار رہتی تھی اور دنیاوی عروج کی تلخیوں سے نا آشنا تھی۔

ہر چند کہ چاروں طرف مردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ بڑے بڑے حسین نوجوان اس کے سامنے زمین بوس ہوا کرتے تھے۔ لیکن وہ آزادی سے کسی کا انتخاب نہ کر سکتی تھی کیونکہ اسے ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو حد درجہ قابل اعتبار ہو اور اس کے راز کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دے۔ وہ سوچتی رہی، ایک ایک نوجوان کو تنقیدی نگاہ سے دیکھتی رہی اور آخر کار اس کے دل

Marfat.com

نے ایک شخص بالڈو کا انتخاب کر لیا۔ یہ جوان فلارنس کا رہنے والا تھا اور راہب فلڈا سے صورتاً بہت مشابہ تھا، جون نے اسے اپنا حاجب مقرر کیا اور رفتہ رفتہ اس پر اپنا راز ظاہر کر کے اس کی محبت حاصل کر لی۔

اس کے بعد جون اپنا وقت زیادہ تر خلوت میں بسر کرنے لگی۔ جس کی تاویل لوگوں نے یہ کی کہ وہ کسی خاص عبادت میں مصروف ہے۔ بیشک وہ عبادت میں مصروف تھی اور وہ عبادت بالڈو کی حسین صورت کی تھی۔ وہ پرستش خود اپنے ہی جذبات شباب کی تھی وہ اس وقت وینس تھی اور بالڈو، اوڈنس، وہ تشنہ تھی اور بالڈو چشمہ آب، یعنی وہ اس وقت حقیقی معنی میں ایک عورت تھی اور بالڈو صحیح معنی میں ایک مرد۔

چند ماہ بھی جون کو شراب محبت سے کیف اندوز ہوئے نہ گزرے تھے کہ فطرت نے اپنا انتقام لینے کی تدبیریں شروع کر دیں یعنی اس نے محسوس کیا کہ وہ حاملہ ہے۔ یہ خبر بالڈو کے لئے اس قدر وحشت خیز تھی کہ اس نے خودکشی کا ارادہ کر لیا اور شاید وہ اس ارادے کو پورا کر دیتا اگر جون اسے باز نہ رکھتی۔ اس میں شک نہیں کہ خود جون بھی ایک حد تک مضطرب تھی۔ لیکن اس نے خیال کیا کہ اگر اس کے بچہ ہوا بھی تو وہ اسے بالکل اسی طرح معجزہ کی صورت میں ظاہر کرے گی جس طرح مسیح کی ولادت بغیر باپ کے تسلیم کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس وقت تک لوگوں کی توہم پرستی بدستور قائم تھی اور جون نے خیال کیا کہ جو قوم علم الاصنام کے مزخرفات پر مذہبی حیثیت سے اس قدر راسخ الاعتقاد ہے اور اس کے لئے یہ باور کر لینا کچھ مشکل نہ ہوگا کہ روح القدس نے ایک مرد پوپ کے بطن سے بچہ پیدا کر کے اپنے معجزہ کو دوبارہ دنیا میں ظاہر کیا ہے۔

لیکن وہ اسی فکر میں مبتلا تھی کہ دفعتاً فلڈا کا وہ راہب جو کسی وقت اس کا محبوب رہ چکا تھا اور جس کے متعلق اسے یقین تھا کہ اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ روم آیا اور یہ معلوم کر کے کہ انگلستان کا رہنے والا جون پاپائے اعظم ہے۔ اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب یہ راہب روم آیا تو اس نے کسی راہب سے دریافت کیا کہ تمھیں کسی باشندۂ انگلستان، جون کی بھی کچھ خبر ہے۔ اس نے نہایت حیرت سے کہا کہ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آج کل وہی دنیائے

Marfat.com

مسیحیت کا حکمران ہے۔ بارہ سال کا زمانہ ہوا جب وہ یہاں آیا اور اپنے فضل و کمال سے اس مرتبہ پر پہنچ گیا۔ اول اول تو اس نے اپنی خدمات حد درجہ قابلیت سے انجام دیں۔ لیکن اب حالت وہ نہیں ہے اور اس کا ایک حاجب اس پر اس قدر حاوی ہے کہ وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ اس کا بیٹا یا کوئی اور قریب کا عزیز ہے، اور بعض اور خدا جانے کیا کہتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اب تک کسی کو صحیح حال نہیں معلوم ہو سکا۔

فلڈا کے راہب نے یہ سنا اور صبح کو قصر پاپا پر پہنچ کر اطلاع کرائی کہ ایک باشندہ انگلستان نہایت ضروری کام سے ملنا چاہتا ہے۔ جون یہ سنتے ہی چونک پڑی اور جب فلڈا کا راہب اس کے سامنے آیا تو اس پر بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔

ان دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ ایسی ہی ناخوشگوار تھی جیسی ایک ناکام و مہجور چاہنے والے کی کامیاب رقیب کے مقابلہ میں ہونی چاہیے۔ لیکن اس نے جذبات کا اظہار نہیں کیا، البتہ اس پر سخت لعنت ملامت کی کہ اس نے دنیا کو کس قدر فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اور عورت ہو کر محض اپنے مکر سے اس جگہ کو غصب کئے ہوئے ہے، جہاں کوئی عورت نہیں پہنچ سکتی۔

اس راہب کے چلے جانے کے بعد جون کے افکار میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور اس نے ارادہ کیا کہ اپنے محبوب حاجب کو لے کر رات کی تنہائی میں کہیں چلی جائے۔ جس طرح وہ فلڈا سے بھاگی تھی، لیکن جاہ و ثروت، دولت و حشمت کی وہ اس درجہ خوگر ہو گئی تھی کہ ان کا ترک خیال اس کے لئے سوہان روح ہو گیا اور آخر کار صرف اپنی تدبیر و ذہانت پر اعتماد کر کے مستقبل کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئی۔

اتفاق سے اسی زمانے میں دریائے ٹائبر میں سیلاب آیا، جس نے ہزاروں خاندانوں کو تباہ کر دیا، اور اس کے ساتھ ہی ٹڈیوں نے شہر پر حملہ کیا جس سے تمام آبادی بدحواس ہو گئی اور فصلیں غارت ہو گئیں جب یہ حالت ناقابل برداشت ہو گئی اور لوگ سخت مضطرب ہوئے تو پاپائے اعظم کے قصر پر پہنچے۔ تاکہ وہ اپنی دعا سے ان بلاؤں کو دور کر دے، چنانچہ جون اپنے محبوب حاجب کے کہنے سے بالاخانہ پر آئی اور اس نے اپنا نازنین و مقدس

Marfat.com

ہاتھ بلند کر کے لوگوں کو دعا دی اور کہا کہ کل ایک جلوس کے ساتھ باہر نکل کر شہر روم سے اس بلا کے دور ہونے کی دعا کروں گا۔

روم کی رعایا حد درجہ باطل پرست تھی۔ اس وعدے سے مطمئن ہو کر چلی گئی۔ دوسرے دن سارے روم میں ہلچل مچی ہوئی تھی، کلیساؤں کے گھنٹے بج رہے تھے، تمام امراء راہب اور قسیس قصر پاپا میں جمع تھے بخور کا دھواں چاروں طرف چھایا ہوا تھا، مذہبی گیتوں سے فضا معمور ہو رہی تھی۔ راستوں پر زر کا فرش پاپا کے گزرنے کے لئے بچھایا جا رہا تھا۔ صلیبیں بلند کی جا رہی تھیں کہ جون اپنے محل سے نکلی اور اہل روم کے ہجوم میں اس کا جلوس برآمد ہوا۔ دعائیں مانگی گئیں۔ برکات آسمانی کے لئے ہاتھ پھیلائے گئے۔ آفات سے بچنے کیلئے التجائیں پیش کی گئیں اور اس طرح جون مطمئن و مسرور اس ہجوم سے واپس آنے لگی لیکن عین اس وقت جبکہ وہ اپنے مقدس خچر پر سوار ہو رہی تھی۔ فطرت نے اپنی امانت طلب کی۔ جون غش کھا کر زمین پر گر پڑی اور لوگوں نے دیکھا کہ ایک ننھا سا بچہ بھی وہیں موجود ہے۔

ہر چند جون کے حاجب نے بہت کوشش کی کہ اس کو معجزہ کی صورت میں پیش کرے لیکن چونکہ جون کے بہت سے مخالف بھی ہو گئے تھے اس لئے اس معجزہ کو کسی نے تسلیم نہیں کیا اور ایک عام حیرت و استعجاب کے ساتھ حد درجہ برہمی لوگوں میں پھیل گئی کیونکہ اب جون کا عورت ہونا سب پر ظاہر ہو گیا تھا اور اس خیال سے کہ اس وقت تک ایک عورت (جو بدترین مخلوق سمجھی جاتی تھی) تخت مسیح پر قابض رہی، غیظ و غضب انتہائی حدود تک پہنچ گیا اور آخر جون یورپ کی وہ سب سے زیادہ حسین و مشہور راہبہ جس کے مرتبہ تک کوئی عورت نہیں پہنچ سکی تھی معہ اپنے بچہ کے سپرد خاک کر دی گئی۔

Marfat.com

ایک خائن ملکہ

(۱)

جوزیفائین، دغاباز جوزیفائین شہر میلان میں اپنے قصر جمیل کے اندر بیٹھی ہوئی تھی۔ یعنی جس وقت اس کا شوہر نپولین اطالیہ کے ساتھ مصروف کارزار تھا اور اپنے وطن کا جھنڈا مقدس سرزمین پر نصب کرنے کے لئے دشمن پر ایک آخری کاری ضرب لگانے کی تدبیریں کر رہا تھا۔ اس کی ملکہ اپنے قصر میں عیش وعشرت کے مزے لوٹ رہی تھی، وہ شہر کے اشرف داعیان کے ساتھ تماشہ گاہوں تھیٹروں اور رقص وسرود کی محفلوں میں شریک ہوتی اور ہر شخص ملکہ کے قدموں پر ارادت وعقیدت کے پھول نثار کرنے کو انتہائی سعادت سمجھتا لیکن یہ تمام سامان عیش ومسرت اس کو مسرور رکھنے کے بجائے کچھ اور زیادہ حزیں وملول بنا دیتے کیونکہ جب وہ رقص وسرود کی محفلوں میں عشق ومحبت کے جنوں خیز نغمے سنتی تو اس کے جذبات محبت برانگیختہ ہو جاتے۔ اس کے دل کی بجھی ہوئی آگ ایک بار پھر مشتعل ہو جاتی اور اسے کوئی ایسا شخص نہ ملتا جس کے سامنے وہ اپنا دل نکال کر رکھ دیتی۔ جس کے سامنے وہ اپنے گرم آنسوؤں کی بارش پیش کرتی اور جو اسے اپنی آغوش میں لے کر اس کے جلتے ہوئے سینے کی آگ بجھاتا۔ چنانچہ وہ اکثر اپنے کمرے میں متفکر و پریشان ادھر سے ادھر ٹہلا کرتی اس کے تاریک گوشوں میں اس بہادر انسان کو تلاش کیا کرتی جو اس کے نحیف و دراز جسم کو اپنے پہلو میں جگہ دے کر اس کے عشق کی بھڑکتی ہوئی چنگاریاں بجھائے۔ لیکن نپولین دور تھا اس لئے اس کی جگہ ایک دوسرے فوجی نوجوان نے لے لی۔ اور اس کی امانت پر ایک دوسرے شخص نے قبضہ کر لیا۔

Marfat.com

(۲)

جوزیفاین نے اپنے محبوب شارل کو بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا۔ شارل خط پڑھتے ہی نہایت تیزی کے ساتھ قاصد کے ہمراہ ہولیا اور میلان پہنچ کر جوزیفائن کے حضور میں حاضر ہوگیا۔ عاشق و معشوق دونوں بیٹھ کر شراب و کباب کے مزے لینے لگے۔ جوزیفاین نے اپنے ہاتھ سے جام شراب بھر کر شارل کو پیش کیا، پھر خود اسی آتش سیال سے اپنے قلب سوزاں کو تر کیا۔ جوزیفاین نے شراب ناب اور شراب محبت سے مخمور ہو کر اپنے محبوب کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ حجابات کا پردہ اٹھ چکا تھا کہ شارل نے اس سے پوچھا۔ ملکہ کیا آپ میلان میں خوش نہیں یہاں کی مخلوق تو آپ پر جان نثار کرنا اپنا فخر سمجھتی ہے۔ آپ کے ایک نظارہ پر باشندگان میلان دل و جاں نثار کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں آپ کے ایک اشارہ ابرو پر ان کا ہر ہر فرد آپ کے قدموں پر جھکنے کے لئے تیار ہے۔ جوزیفاین نے ٹھنڈی سانس بھر کر جواب دیا۔ نہیں، پیارے شارل نہیں یہ مجھے دیکھنے کے لئے میرے دیدار کے لئے جمع نہیں ہوتے، یہ تو ملکہ جوزیفائن کے لئے نہیں بلکہ اپنے فاتح کی بیوی کی زیارت کے لئے مجتمع ہوتے ہیں۔ میری تکریم، میری قدر، میری محبت پیرس میں ہوتی ہے۔ وہ پیرس جو کعبہ عشاق ہے جو قبلہ، اہل دل ہے۔ جو زیارت گاہ حسن ہے۔ وہاں میری اور صرف میری درگاہ جمال میں کشتگان محبت اپنی جراحتوں کا مرہم تلاش کرتے ہیں۔ وہاں میری قربان گاہ حسن پر دل دادگان محبت اپنے دل و جان قربان کرتے ہیں میرے ہی حضور میں عشاق سجدہ، نیاز ادا کرتے ہیں کتنے پجاری مجھے حسن کی دیوی سمجھ کر پرستش کرتے ہیں۔ لیکن یہاں تو میں صرف نپولین کی ملکہ ہوں۔ فاتح اعظم کی بیوی ہوں رہ گیا میری زیارت کے لئے لوگوں کا گلیوں اور راستوں میں جمع ہونا۔ مجھے دیکھ کر نعرہ ہائے مسرت بلند کرنا یہ سب بالکل اسی طرح ہے جیسے ایک کمزور و ناتواں انسان اپنے سے قوی تر اور صاحب اقتدار انسان کی خوشامد میں اپنی نجات دیکھتا ہے۔ میں ان کے نزدیک ایک متخیلہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، جس کے اندر یہ اپنے مظفر و منصور بہادر کی شبیہہ دیکھتے ہیں۔ اس لئے یہ تکریم و تعظیم یہ اظہار مسرت و محبت درحقیقت بحیثیت ایک عورت کے نہیں ہے۔ میری یہ ساری تعظیم و تکریم دراصل نپولین کی تعظیم

Marfat.com

وتکریم ہے۔اس لئے پیارے شارل میں اس سے گھبرا اٹھی ہوں اور کسی نہ کسی طرح میلان کی اس زندگی سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہوں ۔ ایک دن میں کسی دعوت میں شریک تھی کہ میرے پاس ایک شخص آیا اور مجھ سے نہایت پر لطف اور دلآویز باتیں کرنے لگا۔ میں یہ محسوس کرتی تھی کہ میری آنکھیں جب کبھی اس سے دو چار ہو جاتی ہیں تو وہ تڑپ اٹھتا ہے۔ میرے ہاتھوں سے جب کبھی اس کا ہاتھ مس ہوتا ہے تو اس میں رعشہ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یکا یک اس کے لہجہ میں تغیر پیدا ہونے لگا۔اس کی باتوں کا رخ بدل گیا۔ عشق ومحبت کی شیریں اور پر کیف گفتگو کے بجائے وہ اپنے فاتح اعظم کی تعریف وتوصیف کرنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یکا یک میری آنکھوں میں اس نے کوئی خونخوار اور خوفناک شیر دیکھ لیا تھا جس سے ڈر کر وہ مجھ سے جدا ہو گیا۔ لیکن میرا قلب اب تک اس کی ان محبت آمیز باتوں کا پیاسا ہے۔ اس وقت شارل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کے لمبے لمبے سنہرے نرم بالوں سے کھیلتے ہوئے محبت کے نرم وشیریں لہجے میں جس سے آتش محبت اور بھڑک اٹھتی ہے، کہنا شروع کیا۔ پیاری ملکہ! آپ ان معمولی باتوں کا خیال نہ کریں آپ کے یہ نرم ونازک رخسار، یہ سپید مرمریں سینہ، یہ بھرے بھرے بازو، یہ سحر آفریں آنکھیں، بونا پارٹ کی تلوار سے کم نہیں۔ جنرل کی خونچکاں تیغ صرف ملکوں پر قبضہ کر سکتی ہے لیکن آپ کا گوہر فشاں تبسم لوگوں کے دلوں کو مسخر کر سکتا ہے۔ آتشین گولے شہر و ملک کو جلا کر خاکستر کر سکتے ہیں لیکن آپ کا یہ برق تبسم تو خرمن دل کو پھونک سکتا ہے۔ آپ کے حسن کی فتحیابی تلوار کی فتحیابی سے زیادہ کامیاب ہے، شارل ۱۳ جنوری ۱۹۲۷ء کی شام کو بیٹھا ہوا ملکہ جوزیفاین سے عشق ومحبت کی یہ باتیں کر کے اپنے اس قائد اعظم کے حق میں خیانت کا ثبوت دے رہا ہے۔ جو میدان جنگ کی ہیبت ناک فضا میں اپنے عزیز وطن کے لئے خون کی ندیاں بہا رہا تھا۔

(۳)

اسی رات جب نپولین بونا پارٹ اپنے آئندہ حملوں کے متعلق اسکیم تیار کر رہا تھا۔ دفعتاً اس کے دل میں خیال گزرا کہ اس وقت جب میں میلان سے بہت قریب سفر کر رہا ہوں کیوں نہ دو گھنٹے بچا کر میلان بھی ہوتا آؤں اور اپنی محبوب بیوی سے مل آؤں۔ نپولین محل کے

Marfat.com

دروازے پر پہنچا، سامنے ہی ایک غرفہ تھا جہاں سے روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ وہ دیوار پر چڑھا اس کے سہارے جنگلے پر پہنچا۔ اور روشن دان کی راہ سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہاں کا منظر دیکھ کر اس پر ایک بجلی سی گر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی محبوب ملکہ جسے وہ دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ جوج کے ایک سپاہی سے مصروف التفات ہے نپولین غصہ سے بے قابو ہو گیا اور ارادہ کیا کہ اپنی تلوار سے اس غدار دغاباز کا سر تن سے جدا کر دے۔ لیکن پھر سنبھل گیا اور جب نپولین کو بالکل سکون ہو گیا اور اس کے حواس کچھ درست ہوئے تو وہ شارل کے قریب گیا اور کہا شارل! کیا تیرے لئے میلان میں کوئی دوسری عورت نہ تھی جس سے تو اپنی ہوس پوری کرتا کیا تیرے لئے صرف اسی جنرل کی بیوی رہ گئی تھی جو اپنے ملک و وطن اور تجھ جیسے بزدل انسانوں کی جان بچانے میں مصروف پیکار رہتا ہے۔ شارل نے اپنے دائیں بائیں دیکھا اور جواب دینے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ نپولین نے ڈانٹ کر کہا خاموش! اے خاین خاموش، وہ سپاہی جس میں کچھ بھی غیرت اور خودداری ہوتی ہے وہ عورتوں کے پاس بیٹھنے سے اس کو بہتر سمجھتا ہے کہ میدان حرب میں جان دیدے۔ تو فوراً لشکر کے دفتر میں جا اور چیف سکریٹری سے کہہ کہ میں نے تجھے دفتر کا منشی بنایا۔ تیری خیانت کے لئے فی الحال یہی سزا کافی ہے۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر نپولین نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا میں تیری سپاہیانہ شرافت سے امید کرتا ہوں کہ تو اس واقعہ کو لوگوں تک پہنچانے سے باز رہے گا جس سے ایک جنرل کی عزت و آبرو پر حرف آتا ہے۔

(۴)

صرف یہ سزا تھی جو نپولین نے اس خاین اور دغاباز کے لئے تجویز کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ دنیا کی نظروں میں ذلیل و رسوا ہونے کے لئے تیار نہیں تھا شارل کے چلے جانے کے بعد نپولین ملول و مغموم ہو کر ایک کرسی پر پڑ رہا۔ تھوڑی دیر بعد جوزیفائن سے یوں مخاطب ہوا۔ جوزیفاین میں حیران ہوں کہ اس وقت تجھ سے کیا باتیں کروں مجھ میں اس وقت اپنے آپ سے بھی باتیں کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

افسوس ظالم تو نے پہلے تو مجھے عزت کی سب سے بلند چوٹی پر جگہ دی اور جب میں

Marfat.com

اس کی بلندی پر آرزوؤں کے شیریں خواب دیکھنے لگا تو تو نے یکا یک مجھے وہاں سے تاریک ترین غار میں گرا دیا تو نے میرے ساتھ وہی کھیل کھیلا جو معصوم بچے، کبوتر اور طوطوں کے ساتھ کھیلتے ہیں، یعنی قدرت ان معصوم جانوروں کی موت و حیات ان بچوں کے ہاتھ میں دے دیتی ہے اور وہ اسے سختی سے اپنی مٹھی میں دبوچ کر اس کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ انھیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ نازک جانیں ہیں جن پر ان کا یہ کھیل تکلیف اور درد کی ہزاروں بجلیاں گرا رہا ہے اور جو ہر سانس کو اپنی آخری سانس اس دنیا میں خیال کرتے ہیں۔

جوزیفاین نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی دونوں باہیں نپولین کی گردن میں حمائل کر کے معافی کی خواستگار ہو لیکن نپولین نے ہاتھوں کو جھٹک دیا اور کہا۔

جوزیفاین خدا کے لئے محبت کے ذکر سے باز رہ کیونکہ یہ لطیف کلمہ جو روحانی جذبات کی صحیح آواز اور زندگی کے مقدس خوابوں کی صحیح تعبیر ہے، جو بیک وقت روحانی اور جسمانی خواہشات کو تسلی دینے کی کوشش کرتا ہے تمھارے نقطہ نظر سے صرف بہیمی جذبات کے پورا کرنے کا آلہ ہے۔ تو نے محبت کو حیوانیت کا وہ رتبہ دے رکھا ہے جس سے انسانیت اجتناب کرتی ہے تیرے نزدیک محبت ایک حقیر اور معمولی سودا ہے جو بازاروں میں کوڑیوں کے مول مل جاتا ہے۔ حالانکہ یہی محبت نظام اجتماعی کی اساس ہے اس میں زندگی کی روح پھونکتی ہے۔ اس کی تجلیات حسن و جمال کو دوبالا کرتی ہیں اور تمام لذتوں کا سرچشمہ ہیں۔ کاش تو نے اس نعمت حیات کا شکر ادا کیا ہوتا۔ کاش تو نے قدرت کے اس احسان کی قدر کی ہوتی کہ اس نے تجھے حسن و جمال عطا کر کے تمام عالم کے دلوں کا مالک مجازی بنایا ہے لیکن افسوس کہ شیطان نے تیرے دل پر قابو پا رکھا ہے جو کبھی کبھی تیرے ضمیر کی حقیقی روح کو فنا کر دیتا ہے۔ تیرے دل و دماغ کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے میں اس عورت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو مردہ دل ضمیر فروش، عقل و خرد سے بیگانہ ہو۔ کیونکہ اس وقت عورت اور چڑیل میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ مجھے اس شخص کے حال زار پر رحم آتا ہے جس کے پہلو میں ایسی عورت ہو کیونکہ اس حالت میں وہ دنیا کا سب سے بڑا بدبخت انسان ہے جس کی حیثیت بہایم سے کچھ

Marfat.com

زیادہ ممتاز نہیں خوبصورت عورت صرف آنکھوں کو بھاتی ہے۔ لیکن خوب سیرت اور خوش خلق عورت دل میں گھر کر لیتی ہے وہ محض ایک ہیرا ہے مگر یہ پورا دفینہ۔

نپولین نے اس وقت اپنے چاروں طرف ایک نگاہ ڈالی اور اٹھ کر تیزی کے ساتھ روشندان کی طرف چلا جہاں سے کچھ دیر پہلے ابھی وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ جوزیفاین نے چاہا کہ اسے روکے لیکن نپولین نے اس زور سے اسے دھکیلا کہ وہ زمین پر غش کھا کر گر پڑی اور وہ یہ کہتا ہوا روشندان پر ہو رہا۔ پیچھے ہٹ او نابکار عورت، پیچھے ہٹ، مجھے تیری محبت سے زیادہ کشش رکھنے والی ایک دوسری محبت کھینچ رہی ہے۔ تیرے ساتھ بیٹھ کر راز و نیاز کی باتیں کرنے کے علاوہ دنیا میں کچھ اور فرائض بھی ہیں جو مجھے سرفروشی کی دعوت دے رہے ہیں۔ میں لڑائی کی آگ میں جلنے کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ وطن کی محبت میرا ضمیر ہے۔ اسے مجھے پر اعتماد ہے اور مجھے اس پر۔ میرے سامنے امیدیں اپنے خوشنما لباس میں جلوہ گر ہوتی ہیں اور مجھے کھینچ کر بلند سے بلند مقام پر لے جاتی ہیں اور یہی میرا مسکن ہے اور یہی میرا ملجا و ماویٰ!۔

Marfat.com

زبیدہ وعبدالرحمٰن فاتح اندلس

جب ۷۵۰ء میں جنگ زاب نے حکومت بنی امیہ کا شیرازہ بالکل منتشر کر دیا اور بنوعباس کی طرف سے ابومسلم خراسانی کی تلوار خاندان بنی امیہ کے سروں پر چمکنے لگی، تو ان ستم زدگان دولت وحکومت میں سے ایک شخص ایسا بھی تھا جس نے بنوعباس کی تمام آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا اور اندلس پہنچ کر ایک ایسی زبردست سلامی حکومت قائم کی جس پر خاندان عباس نے ہمیشہ رشک کیا اس شخص کا نام عبدالرحمٰن الداخل تھا۔

اس وقت موضوع سخن یہ نہیں کہ عبدالرحمٰن کے ان واقعات حیات سے بحث کی جائے جو تاریخ میں موجود ہیں اور نہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اس نے کیونکر اندلس میں دولت اسلامی قائم کی اور بلاد غرب میں اس کی ذات سے علم وادب کو کس قدر فائدہ پہنچا کیونکہ اس کی تفصیل تمام تاریخی کتابوں میں ملتی ہے، بلکہ مقصود اس واقعہ کو بیان کرنا ہے جسے مورخین نے ترک کر دیا یعنی یہ کہ کس طرح اس نے موت سے نجات پائی اور کیونکر بنی عباس کے پنجہ سے آزاد ہونے میں کامیاب ہوا۔

جس وقت بنوعباس، خاندان بنی امیہ کی گرفتاری میں مصروف تھے اس وقت عبدالرحمٰن نہر فرات کو عبور کر کے مع اپنے چھوٹے بھائی کے ایک مختصر سے گاؤں میں پہنچا اور یہاں ایک ایسے شخص کے مکان میں پناہ گزیں ہو گیا جو اس خاندان کا ممنون احسان تھا۔ اس کے ایک لڑکی تھی زبیدہ نہایت جمیل وخوش اندام جس کی عمر ابھی صرف سولہ سال کی تھی جو اپنے

Marfat.com

باپ کی غیر حاضری میں (جب وہ فرات میں مچھلی کے شکار کے لئے جاتا) گھر کا سارا انتظام کرتی۔ عبدالرحمٰن کی عمر بھی اس وقت ۲۰ سال کی تھی۔ وہ بھی نہایت خوبصورت انسان تھا۔

اول دن جب زبیدہ کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔ اس وقت اس کے دل میں عبدالرحمٰن کی محبت پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن اب کچھ زمانہ کے قیام نے اس جذبہ میں اور زیادہ استحکام پیدا کر دیا تھا۔ وہ نقاب کے نیچے سے، پردہ کی اوٹ سے اور دریچوں کی جھلملی سے اسے دیکھا کرتی اور خاموشی کے ساتھ مدارج محبت طے کرتی جاتی تھی۔

ایک دن زبیدہ پانی لینے کے لئے دریائے فرات کے کنارے گئی تو بائیں ساحل کی طرف دور کی فضا میں بہت سے سیاہ پرچم اس کو متحرک نظر آئے وہ جانتی تھی کہ سیاہ پرچم بنوعباس کا فوجی نشان ہے، وہ اس سے بھی واقف تھی کہ عباس کی اولاد بنوامیہ کی جانی دشمن ہے۔ اور اس کا مہمان عبدالرحمٰن خاندان امیہ کا ایک فرد ہے۔ یہ دیکھ کر اس کا جی دہل گیا اور وہ سمجھ گئی کہ اب عبدالرحمٰن کی خیر نہیں ہے، اس لئے فوراً گھر گئی تاکہ اپنے باپ سے سارا ماجرا بیان کرے، لیکن اس وقت وہ بھی نہ ملا، اب سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ براہ راست عبدالرحمٰن کو اس خطرے سے آگاہ کرے۔ اس حد تک تو اس کے خیالات کی رفتار عام فطرت انسانی کے تحت عمل میں آئی، لیکن اس کے بعد ہی اس کے جذبات محبت جنش میں آئے اور اس نے خیال کیا کہ عبدالرحمٰن کو خطرے سے آگاہ کرنا گویا اپنے سے جدا کر دینا ہے اور اس کو وہ گوارا نہ کر سکتی تھی اس لئے اس کی محبت حیلہ جو نے ۔۔۔۔۔۔ اور کونسی محبت جو حیلہ جو نہیں ہوتی۔ یہ تدبیر نکالی کہ مردانہ لباس پہن کر اس کے پاس جائے، خطرے سے آگاہ کرے اور خود بھی اس کے ساتھ رہبر کی حیثیت سے ساتھ ہو لے۔ چونکہ عبدالرحمٰن نے اس وقت تک زبیدہ کی صورت نہ دیکھی تھی اس لئے یہ تدبیر اس کی بالکل ممکن العمل تھی۔

زبیدہ نے اپنے باپ کا لباس پہنا اور دروازہ کھٹکھٹا کر عبدالرحمٰن سے سارا حال بیان کیا۔ اور اول اول اس نے پس و پیش کیا۔ لیکن جب زبیدہ نے مجبور کیا تو عبدالرحمٰن راضی ہوگیا اور آخر کار یہ تینوں غروب آفتاب سے قبل فرات میں کود ے تاکہ اس کو عبور کر کے نکل جائیں۔ اس کوشش میں عبدالرحمٰن کا چھوٹا بھائی دریا کے اندر ڈوب گیا۔ کہا جاتا ہے کہ

Marfat.com

عباسیوں کے ایک تیر نے اس کو زخمی کر دیا تھا۔ جس سے وہ جان بر نہ ہو سکا اور دریا میں غرق ہو گیا۔ بہر حال وہ عباسی لشکر کے تیر سے زخمی ہو کر مرا ہو یا کسی اور وجہ سے، یہ واقعہ ہے کہ فرات کے دوسرے ساحل پر جس وقت عبدالرحمٰن پہنچا تو صرف رہبر اس کے ساتھ تھا اور اس کا چھوٹا بھائی اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکا تھا۔

یہ دونوں چوروں کی طرح چھپتے ہوئے۔ شام، جبل بسان، فلسطین صحرائے سینا سے گذرتے ہوئے مصر کی حدود میں داخل ہوئے اور قیردان تک پہنچ گئے۔ عباسیوں کی طرف سے مصر میں جو حاکم مقرر تھا اس کو عبدالرحمٰن کی فراری کی خبر دیدی گئی تھی اور وہ بھی جستجو میں تھا۔ لیکن عبدالرحمٰن مع زبیدہ اور ایک خادم کے جس کا نام بدر تھا اور جو مصر سے ساتھ ہو گیا تھا۔ اندلس پہنچا اس وقت یہاں کی حالت یہ تھی کہ نہ صرف بربر اور عربوں میں سیادت کی نزاع قائم تھی بلکہ خود عربوں کے اندر بھی مصری اور یمنی کی تفریق نے سارے ملک کے اندر اضطراب پیدا کر رکھا تھا۔ اس بدامنی سے فائدہ اٹھا کر عبدالرحمٰن نے حکومت بنی امیہ کے لئے لوگوں کو دعوت دینی شروع کی اور آخر کار ستمبر ۷۵۵ء میں وہ بنوامیہ کا قائم مقام ہو کر یہاں کا حکمران ہو گیا۔ اس نے قرطبہ میں نیا قلعہ تیار کرایا۔ مسجد بنوائی اور خطبہ سے منصور، خلیفہ عباسی کا نام نکال کر اپنا نام داخل کیا۔ اسی عہد سے عبدالرحمٰن الداخل (اول) کے لقب سے مشہور ہوا اور تاریخ میں اپنی بے شمار یادگار چھوڑ گیا۔

حکومت و دولت کے زمانہ میں بھی عبدالرحمٰن نے اپنے شریک مصائب (زبیدہ) کو فراموش نہیں کیا اور اس کو کوئی جلیل القدر خدمت تفویض کرنی چاہی۔ کیونکہ وہ اب تک اسے مرد ہی سمجھتا تھا۔ لیکن جب ایک دن وہ اپنا مردانہ لباس اتار کر عبدالرحمٰن کے سامنے آئی تو اسے سخت حیرت ہوئی۔ لیکن اب بھی وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ اس نے اس قدر تکلیفیں کیوں برداشت کی تھیں اور اس کے دل میں کس قسم کی آگ مشتعل تھی۔۔۔۔ عبدالرحمٰن الداخل جو سلطنت و سیادت کے دقیق ترین رازوں سے آگاہ تھا۔ جو حکومت، قیادت کے نازک ترین نکات کے سمجھنے میں اس قدر ذہین و ذکی تھا وہ ایک لمحہ کے لئے بھی زبیدہ کی حالت کا اندازہ کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ اور اس کے چہرے میں جو کھلا ہوا صحیفہ، محبت و عشق تھا۔ اس کے

Marfat.com

ایک جذبہ کا بھی مطالعہ نہ کر سکا عبدالرحمٰن کی ساری زندگی میں غالباً یہی ایک واقعہ ایسا ہے۔ جس سے اس کی بے حسی اور ہلاوت ذہن کا پتہ چلتا ہے۔ عبدالرحمٰن نے زبیدہ کی انتہائی عزت کی تمام امراء کے سامنے اسے ''فارس حمیل''، کا لقب عنایت کیا۔ لیکن زبیدہ کا اپنے وطن واعزہ کو ترک کرنا۔ تمام مصائب برداشت کرنا اس غرض سے نہ تھا کہ وہ جاہ وشہرت کی طالب تھی بلکہ اس نے یہ تمام آلام اس بناء پر جھیلے تھے کہ وہ ایک دن اپنے محبوب سے مل جائے گی۔ اس لئے جب اس نے عبدالرحمٰن کے قلب کو اس درجہ بے حس پایا تو اس کا مایوس ہو کر حزیں وملول ہو جانا بالکل فطری امر تھا۔ لیکن عبدالرحمٰن جو انتظام مملکت کے اہم مشاغل میں مصروف رہتا تھا اس کو کیا اس امر کا موقع مل سکتا تھا کہ زبیدہ کے نازک حسیات کو سمجھتا۔

ایک زمانہ اسی طرح گذر گیا یہاں تک کہ چند دنوں کے لئے اطمینان سے بیٹھنے کی فرصت اسے نصیب ہوئی۔

وہ ایک دن محل کے معاملات پر غور کر رہا تھا کہ دفعتاً اسے زبیدہ کا خیال پیدا ہوا اور اس نے ارادہ کیا کہ کسی سردار سے اس کا عقد کر دینا چاہئے۔ چنانچہ اس نے سرعسکری عبدالملک کو طلب کیا اور اس کی رضامندی حاصل کر کے زبیدہ سے دریافت کیا کہ اسے تو کوئی عذر نہیں ہے۔ زبیدہ اس کے قدموں پر گر پڑی اور با چشم پرنم بولی کہ۔ آپ مالک ومختار ہیں، میں کیا اور میری رائے کیا۔

چنانچہ جشن زفات کا اہتمام ہوا اور سارا قرطبہ اس خوشی میں چراغاں کیا گیا، لیکن خواص جس وقت زبیدہ کے حجرے میں پہنچے تو وہ وہاں موجود نہ تھی، بلکہ عبدالرحمٰن کے حجرے میں پڑی رو رہی تھی۔ عبدالرحمٰن کو اطلاع ہوئی تو وہ خود وہاں گیا، لیکن یہ وہ وقت تھا جب زبیدہ سکرات موت میں مبتلا تھی۔

جب زبیدہ نے نگاہ واپسیں سے عبدالرحمٰن کو دیکھا تو اس کی آنکھوں سے بھی حجاب اٹھا اور اب سمجھ میں آیا کہ زبیدہ کا تمام آلام ومصائب اختیار کرنا کس لئے تھا لیکن یہ سمجھنا اب بعد از وقت تھا کیونکہ موت کی زردی اس کی پیشانی پر دوڑ چکی تھی۔

زبیدہ نے اپنی آخری نگاہ اٹھائی اور کچھ گفتگو بھی کی، جس سے عبدالرحمٰن صرف اس قدر سمجھ سکا

Marfat.com

کہ اس نے زہر کھالیا ہے۔

اس نے زبیدہ کو اپنے ہاتھوں پر سنبھالا اور سینہ سے لگا کر، آخر کار اس کو اس جگہ دم توڑنے کی اجازت دینی ہی پڑی جہاں تک پہنچنے کی تمنا میں وہ اتنے عرصہ سے گھل رہی تھی۔ عبدالرحمٰن نے جو مملکت کا انتظام تو کر سکتا تھا۔ لیکن ایک قلب مجروح کا مداوا اس کے اختیار میں نہ تھا، زبیدہ کی سرد پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور روتا ہوا حجرے سے باہر نکل آیا۔

Marfat.com

تاتاری جذبہ انتقام

(۱)

تاتار کا فاتح اعظم، چنگیز خان، اپنی آگ اور خون برسانے والی فوج لئے ہوئے شہر بخارا تک پہنچتا ہے اور چاروں طرف محاصرہ کر کے فرماں روائے بخارا کے پاس اپنا قاصد روانہ کرتا ہے۔

قاصد پہنچکر کہتا ہے:- میرا آقا چنگیز خاں، جو انسانی سروں پر خدا کی کھینچی ہوئی قہرمانی تلوار ہے۔ تم لوگوں تک پیغام پہنچاتا ہے کہ چونکہ تم نے دنیا میں فساد پھیلایا اور گمراہی اختیار کی اس لئے خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ اس سرزمین کو فسق و فجور سے پاک کردوں اور شر کا مقابلہ شر سے کروں، بنابراں شہر کی کنجیاں میرے پاس بھیجدو۔ اور آکر میری اطاعت کا حلف اٹھاؤ۔ چونکہ اس وقت بخارا میں مسلمانوں کی بیس ہزار فوج موجود تھی۔ اس لئے اس پیغام کا جواب اعلان جنگ کی صورت میں دیا گیا۔ اور آخر کار وہ جنگ شروع ہوگئی جسے سرزمین بخارا نے اس وقت تک دیکھا تھا نہ آئندہ کبھی دیکھ سکی۔ اللہ اکبر کی صداؤں سے فضا گونج رہی تھی دشمن کے نعروں سے زمین دہل رہی تھی، خاک سے آسمان گرد آلود تھا اور خون سے زمین رنگین، مسلمانوں نے جس عزم ثبات سے مقابلہ کیا، تاریخ اسلام میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔۔۔۔۔ لیکن ان کی چند ہزار کی جماعت۔ چنگیز خاں کی ٹڈی دل فوج کا کب تک مقابلہ

Marfat.com

کرسکتی تھی۔ آخر کار نتیجہ وہی ہوا جو کثرت کے مقابلہ میں قلت کا ہوا کرتا ہے اور چنگیز خاں نے شہر میں داخل ہوتے ہی حکم دیا کہ بچوں، بوڑھوں، عورتوں کا قتل عام کر دیا جائے۔ اور جوانوں کو پابز نجیر کر کے حاضر کیا جائے۔

چنگیز خاں کا معمول تھا کہ جب وہ کسی شہر میں فاتحانہ داخل ہوتا تو جوانوں کو قتل نہیں کرتا تھا بلکہ انہیں اپنی فوج میں شامل کر لیتا تھا۔ چنانچہ بخارا میں بھی اسی اصول پر عمل کیا گیا۔ اور جب قتل عام کے بعد شہر میں آگ لگا کر اسے بالکل خاکستر کر دیا تو پانچ ہزار جوانان بخارا کی جماعت پابز نجیر سامنے لائی گئی۔ یہ واقعہ ۶۱۷ھ یا ۱۲۲۰ء کا ہے۔

جس وقت بخارا کی تباہی و مسماری کے بعد چنگیز خاں کوچ کے لئے آمادہ ہوا تو سردار فوج حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے میرے آقا، مجھے حکم ہوا تھا کہ تمام عورتیں ذبح کر دی جائیں اور میں نے اس پر عمل کیا لیکن ایک عورت کو میں نے قتل نہیں کیا۔ چنگیز خاں نے پیشانی پر شکنیں ڈال کر کرخت آواز سے پوچھا کہ وہ کون عورت ہے؟ اور اس نے کیا کیا؟ سردار نے جواب دیا کہ یہ عورت مع اپنے شوہر کے ایک مکان میں پناہ گزین تھی اور اس نے ایک شیرنی کی طرح ہمارا مقابلہ کیا یہاں تک کہ میں اپنی فوج کے تیس آدمی ضائع کرنے کے بعد بمشکل اس پر قابو حاصل کر سکا۔ میں نے اس کے ضعیف شوہر کو تو اسی کے سامنے وہیں قتل کر دیا، لیکن اس کو حضور میں لایا ہوں کیونکہ صرف ذبح کر دینا اس کے لئے کافی سزا نہ ہو سکتی تھی۔

چنگیز خاں نے حکم دیا کہ اس عورت کو سامنے لایا جائے، اور جس وقت وہ حاضر کی گئی اور چنگیز خاں کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ متحیر ہو کر چیخ اٹھا اے ہامون تجھ پر خدا کا قہر نازل ہو تو یہاں کیسے آ گئی۔۔۔!

(۲)

واقعات سمجھنے کے لئے تقریباً ایک ربع صدی قبل کے صفحات الٹ دیجئے۔ چنگیز خاں کا عہد طفلی ہے اور اس کا باپ شمالی چین میں ایک تاتاری قبیلہ پر حکمراں ہے۔ دفعتاً اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اہل قبیلہ بگڑ بیٹھتے ہیں اور چنگیز خاں کو ہلاک کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنگیز خاں کی ماں دانش مندی سے کام لے کر اپنے کمسن بچے کو لے کر اپنے شوہر کے

Marfat.com

ایک قدیم دوست کے پاس چلی جاتی ہے۔ جو خود بھی ایک قبیلہ کا سردار ہے۔

یہ امیر، چنگیز خاں اور اس کی ماں کو پناہ دیتا ہے اور چنگیز خاں میں آثار شجاعت دیکھ کر اپنی لڑکی سے اس کی شادی کر دیتا ہے۔ چنگیز خاں روز بروز اپنی جرات و بسالت سے امیر کے دل میں گھر کرتا جاتا ہے امیر کا بیٹا اس کا یہ عروج دیکھ کر اس سے جلنے لگتا ہے اور اپنے باپ کو اس کی بہت سی جھوٹی شکایتیں کر کر کے چنگیز خاں کا دشمن بنا دیتا ہے۔ چنگیز خاں کی بیوی کو جب یہ خبر معلوم ہوتی ہے تو وہ تمام حالات سے اپنے شوہر کو آگاہ کرتی ہے اور وہ دونوں وہاں سے چل کھڑے ہوتے ہیں، لیکن اسی دوران میں یہ خبر مشہتر ہوتی ہے کہ امیر معہ اپنے بیٹے کے قتل کر دیا گیا۔۔۔ یہ واقعہ ۶۰۳ھ کا ہے اہل قبیلہ چنگیز خاں کے پاس جاتے ہیں اور اس کو لا کر اپنا امیر مقرر کرتے ہیں۔

ٹھیک اسی وقت جبکہ افراد قبیلہ، افشردۂ انگور پی پی کر مشتعل آگ کے چاروں طرف رقص و سرود میں مصروف ہوتے ہیں۔ دفعتاً ایک عورت صفوں کو چیر کر نمودار ہوتی ہے اس حال میں کہ اس کے کپڑے تار تار ہیں۔ سر کے بال پریشان ہیں اور وہ آگ کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا کر چیختی ہے کہ اے بزدلو! اے کمینو! تمھارے امیر اور اس لڑکے کا قاتل وہی ہے جس کو تم نے اپنا سردار بنایا ہے، تم نے اپنے عہد وفاداری کو توڑ دیا۔ تم نے خیانت کی، لیکن میں اپنے اس عہد پر قائم ہوں اور میں اس بھڑکنے والی آگ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ اے چنگیز خاں، میں تجھ سے اس کا انتقام ضرور لوں گی اور جب تک اپنے عہد کو پورا نہ کروں گی، میرا سینہ اس دہکتی ہوئی آگ کی طرح جلتا رہے گا، یہ کہہ کر وہ عورت کسی طرف نکل گئی۔ چنگیز خاں نے پوچھا یہ کون تھی؟ لوگوں نے جواب دیا کہ اس کا نام ہامون ہے اور یہ مقتول امیرزادے کی محبوبہ تھی جس سے وہ شادی کرنا چاہتا تھا۔

(۳)

یہی وہ عورت تھی جسے چنگیز خاں کی فوج کا سردار تاہی بخارا کے بعد سامنے لایا اور جس کو دیکھتے ہی تمام پچھلے واقعات اس کے سامنے آ گئے۔ یہ عورت چنگیز خاں سے انتقام لینے کا عہد کر کے خدا جانے کہاں کہاں آوارہ بھٹکتی رہی، اور جب بخارا آئی تو ایک عرب عبداللہ

Marfat.com

الموصلی نے اس کو اپنے یہاں ٹھہرالیا اور اس سے شادی کرلی۔ اس ازدواج سے تین لڑکے پیدا ہوئے اور اس نے ان تینوں لڑکوں میں شروع ہی سے تاتاری انتقام ونفرت کے جذبات چنگیز خاں کے خلاف پیدا کرنے شروع کئے۔ وہ خوش تھی کہ جب یہ لڑکے جوان ہوں گے تو ان کی مدد سے وہ ایک جماعت پیدا کرے گی۔ اور چنگیز خاں سے جنگ کر کے اپنے قدیم عہد انتقام کو پورا کرے گی، لیکن اتفاق سے اسی زمانے میں خود چنگیز خاں، بخارا تک آ گیا اور ہامون نے اپنے شوہر کے دوش بدوش عسا کر تاتاری کا ایسا سخت مقابلہ کیا کہ جب تک تیس آدمی اس نے فنا نہیں کر دئے قابو میں نہ آئی۔

(۴)

چنگیز خاں نے حکم دیا کہ ایک گڑھا کھودا جائے اور ہامون کو معہ اس کے تینوں لڑکوں کے زندہ دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ جب تک اس کی تعمیل نہ ہوئی وہ وہیں موجود رہا اور جب ان کی آخری چیخ کو مٹی کے آخری وزن نے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا تو نہایت مسرور وہ اپنی گاڑی پر سوار ہوا جس میں تیس بیل جتے ہوئے تھے اور دوسرے ملکوں کی تباہی یا بقول اس کے شر کا مقابلہ شر سے کرنے کے لئے بے نیازانہ آگے بڑھا۔ اس حال میں کہ شہر بخارا کے کھنڈروں سے اب بھی کہیں کہیں دھواں بلند ہو رہا تھا اور ذبح ہونے والے معصوم بچوں اور عورتوں کی کراہ ہنوز فضا میں گونج رہی تھی۔

Marfat.com

صلاح الدین ایوبی کے دو آنسو

(۱)

۵۷۸ھ کا زمانہ ہے کہ ایک قافلہ صلاح الدین ایوبی کے لئے اسباب حرب و سامان رسد لئے ہوئے بیروت کے پاس سے گزرتا ہے اور یہاں کے فرنگی اسے لوٹ لیتے ہیں سلطان ایوبی سخت برہم ہوتا ہے اور یہ عزم لے کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ دشمن سے اس گستاخی کا انتقام لے گا اور بیردت و ساحل لبنان پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرے گا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی، مصر و شام پر قابض ہو کر فرنگیوں سے ایک ایک کر کے بہت سے قلعے چھین چکا تھا اور اب اس کی نگاہ بیت المقدس پر تھی جہاں صلیبوں کی قائم کی ہوئی حکومت پر بالڈوین چہارم اس وقت فرمانروائی کر رہا تھا۔

قافلہ کی غارت گری کے واقعہ سے اس کو ایک بہانہ ہاتھ آیا اور اس فرصت کو غنیمت جان کر اس نے اپنی فوجوں کو جمع کیا اور دفعتاً یلغار کر دیا اس کے بھائی العادل نے مصر سے تین جہاز بطور کمک کے روانہ کئے اور یہ عسقلان کی تسخیر کرتا ہوا بیروت پہنچا اور محاصرہ شروع کر دیا۔ لیکن ادھر بیت المقدس سے بالڈوین چہارم، اہل بیردت کی مدد کے لئے آ گیا اور صلاح الدین کو واپس آنا پڑا صلاح الدین کی یہ واپسی ایسی نہ تھی کہ ہمیشہ کے لئے جنگ کا خاتمہ ہو جاتا بلکہ اس واقعہ نے اس کے اندر عزم و استقامت کی روح کو زیادہ قوی اور اس کی تاخت کو زیادہ وسیع بنا دیا۔

جس وقت وہ قاہرہ سے روانہ ہوا تھا تو اس نے عہد کیا تھا کہ وہ اس وقت تک چین

Marfat.com

نہ لے گا جب تک شام کے ایک ایک قلعہ پر اسلام کے جھنڈے کو لہراتا ہوا نہ دیکھ لے، چنانچہ وہ سرزمین حلب سے لیکر صحرائے سینا تک اور دمشق سے لیکر بادیہ شام تک ہر جگہ اپنی جرات و پامردی کے سکے بٹھاتا ہوا آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ ۵۷۹ھ میں اس نے حلب پر قبضہ کر کے دریائے اردن کو عبور کیا اور بیسان پر قبضہ کر کے فرنگیوں کے اس قلعہ کی طرف بڑھا جو سب سے زیادہ مضبوط سمجھا جاتا تھا۔

یہ قلعہ شہر کرک کا تھا جو اپنی مضبوط شہر پناہ کے لحاظ سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ یہ مقام پہاڑیوں کے درمیان اس طرح واقع ہوا تھا کہ محاصرہ بہت دشوار تھا اور اس وقت تک یہاں کا قلعہ کسی سے سر نہ ہوا تھا۔

صلاح الدین نے اپنے بھائی ۔العادل ، سے مصری عساکر کی کمک طلب کی اور پوری قوت کے ساتھ اس نے کرک تک پہنچکر چاروں طرف منجنیقیں نصب کر دیں۔ فرنگیوں نے بھی پوری احتیاط سے کام لیا تھا اور کثیر ذخیرۂ حرب و سامان رسد فراہم کر کے پوری عسکری قوت کے ساتھ مدافعت کا عزم کر لیا تھا۔ ان کو یقین تھا کہ سلطان صلاح الدین قلعہ کو سر نہ کر سکے گا اور اس طرف صلاح الدین روزانہ حملے کرتا تھا اور محاصرہ میں شدت بڑھاتا جاتا تھا۔ خیر اس معرکہ قتال کی داستان کو یہیں چھوڑیئے اور دیکھئے کہ قلعہ کے اندر کیا ہو رہا ہے۔

(۲)

قلعہ کے مشرقی برج میں آج غیر معمولی چہل پہل نظر آتی ہے اور لوگوں کی آمد و رفت بکثرت جاری ہے۔ لیکن یہ ہنگامہ کسی تدبیر جنگ سے متعلق نہیں معلوم ہوتا کیونکہ آنے جانے والوں کے لباس ایسے ہیں جو جشن مسرت کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ عورتیں، بچے، مرد، آ جا رہے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں پھولوں کا ہار ہے۔ کوئی شمع لئے جا رہا ہے۔ کوئی رنگ برنگ کے فیتے اڑا رہا ہے۔ اسی جماعت میں چند رہبان بھی ہیں جن میں سے بعض تسبیح لئے ہوئے ہیں اور بعض عود دان۔ خدام کی جماعت طباقوں میں قسم قسم کے کھانے اور شرابیں ادھر سے ادھر لئے جا رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی نہایت مہتم بالشان جشن طرب برپا ہونے والا ہے۔ ہر چند سب کے چہروں سے آثار مسرت ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی

Marfat.com

خوف وکدورت کی علامت بھی نظر آنے لگتی ہے کہ معلوم نہیں جنگ کا نتیجہ کیا ہو۔

آج یہاں تقریب نکاح ہونے والی ہے جس میں کونٹ ٹوروں، کونٹ رینو کی ربیہ کے ساتھ رشتہ ازدواج سے وابستہ کیا جائے گا۔ دولہا ان چند نوجوانوں میں سے تھا جن پر اہل فرنگ نہ صرف بہ لحاظ حسب ونسب بلکہ بہ حیثیت شجاعت ومردانگی بھی فخر کرتے تھے، اور دلہن، اس کونٹ رینو کی بیٹی (ربیہ) تھی جو اپنے دارالامارۃ انطاکیہ میں رہتا تھا اور قلعہ کرک اسی کی حکومت میں شامل تھا۔

بعض کی رائے یہ ہوئی کہ یہ تقریب کرک کے علاوہ کسی اور جگہ عمل میں آئے تاکہ دولہا، دلہن میدان کارزار سے دور رہ کر لطف ومسرت کے دن بسر کرسکیں لیکن کونٹ ٹوروں اس پر راضی نہ ہوا اور اس نے کہا کہ تیغ وتفنگ کی آوازوں سے زیادہ کوئی آواز اس کے لئے باعث مسرت نہیں اور اس لئے وہ اپنی شادی اس ہنگامہ جنگ میں قلعہ کرک کے اندر رہی کرے گا۔

(۳)

غروب آفتاب سے قبل، شہر پناہ کا ایک دروازہ کھلتا ہے خندق پر پل استوار کیا جاتا ہے اور چالیس آدمی اپنے سروں پر طباق لئے ہوئے قلعہ کے اندر سے نکل کر اہل عرب کے لشکر کی طرف بڑھتے ہیں۔ ان کے آگے آگے ایک سوار ہے جو ہاتھ میں سفید جھنڈا لئے ہوئے ہے۔

جس وقت یہ سوار لشکر اسلام میں پہنچتا ہے تو صلاح الدین اسے اپنے خیمہ کے اندر بلا کر آنے کی وجہ دریافت کرتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ :-

اے آقا، مجھے کونٹ ٹوروں کی ماں نے یہ خط دے کر بھیجا ہے اور اپنے بیٹے کی تقریب شادی میں کچھ تحایف روانہ کئے ہیں امید ہے کہ قبول کئے جائیں گے۔

صلاح الدین نے مسکراتے ہوئے وہ خط لے لیا جس میں تحریر تھا۔

اے سلطان عرب! آج ہمارے چھوٹے سے شہر میں جشن طرب برپا ہے اور میرے بیٹے کونٹ ٹوردں کی شادی ہورہی ہے، اس لئے میں نے پسند نہ کیا کہ تم کو اس مسرت

Marfat.com

میں شریک نہ کروں۔

اے صلاح الدین! غالباً وہ زمانہ تم کو یاد ہوگا جب تم ہمارے محلوں میں ایک قیدی کی حیثیت سے رہتے تھے اور اپنی آغوش میں ایک چھوٹی لڑکی اینٹانٹ کو لے کر ادھر ادھر باغوں میں پھرا کرتے تھے۔ وہی اینٹانٹ بڑھ کر جوان ہوئی۔ شادی ہوئی اور ایک لڑکا اس سے پیدا ہوا جو آج اپنی قوم کا سردار ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر تم اسے دیکھو تو تم اس سے بھی ویسی ہی محبت کرو جیسی کہ اس کی ماں سے اس کے بچپن میں کرتے تھے وہ اینٹانٹ میں ہی ہوں اور کونٹ ٹوردں میرا ہی بیٹا ہے۔

اس لئے اس تقریب کی خوشی میں کچھ کھانا اور شراب بھیجتی ہوں تا کہ تمھاری فوج بھی اس مسرت میں ہماری شریک ہو، اور اے سلطان عرب مجھے امید ہے کہ تم اس چھوٹی سی لڑکی کی یاد اپنے دل سے کبھی محو نہ کرو گے جس پر تم نے کبھی اپنی انتہائی محبت و شفقت صرف کی تھی اور اس کی طرف سے یہ حقیر ہدیہ قبول کرو گے۔

جس وقت صلاح الدین یہ خط پڑھ چکا تو بے اختیار اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے اور اس نے سوار سے کہا۔ اپنی ملکہ سے جا کر کہہ دو کہ صلاح الدین کبھی ان ایام کو نہیں بھول سکتا جب وہ اہل فرنگ کے قصور و محلات میں پیاری اینٹانٹ کو اپنی آغوش میں لے کر پھرا کرتا تھا۔ آج تک اس کے دل میں اینٹانٹ کی معصوم تبسم کے نقوش اسی طرح تازہ ہیں اور معلوم نہیں کتنی بار وہ ان ایام کی یاد سے بے قرار ہو گیا ہے۔ میری طرف سے میری دلی دعائیں اس تقریب کے مسعود و مبارک ثابت ہونے کی پہنچا دو اور کہہ دو کہ میں نہایت فخر و مسرت کے ساتھ یہ ہدیات محبت قبول کرتا ہوں اور اپنی فوج کو حکم دیتا ہوں کہ وہ بھی پوری مسرت کے ساتھ اس جشن میں شریک ہو اور اس برج کے پاس بھی نہ جائے جس میں یہ تقریب مسرت آج ادا کی جا رہی ہے۔ میری طرف سے اپنی ملکہ کو سلام پہنچا کر کہو کہ وہ اینٹانٹ کا آج بھی ویسا ہی سچا دوست ہے جیسا کل تھا۔

سوار یہ پیغام لے کر واپس گیا اور ادھر صلاح الدین نے حکم دیا کہ ایک رات کے لئے جنگ ملتوی کر دی جائے۔ چنانچہ وہ رات قلعہ کرک کی عجیب و غریب رات تھی، کہ اندر اہل قلعہ مسرور و نشاط تھے اور باہر دشمن کی فوج۔

Marfat.com

کالیگولا کی خوں آشامیاں

(۱)

کالیگولا ۳۷ء میں تخت روما پر بیٹھا اور ۴۱ء میں ایک رومتہ الاصل سردار کیریاس نے اسے قتل کر کے ایک ایسے خدائی قہر و عذاب کو دفع کیا، جس کی مثال تاریخ عالم میں مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ کالیگولا نے صرف پانچ سال حکومت کی۔ لیکن اس مختصر مدت میں خون ریزی وخوں آشامی، سفا کی درندگی کے ایسے ایسے نقوش اپنے بعد چھوڑ گیا کہ دنیا کی کوئی سلطنت ان کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔

کالی گولا، صورت شکل کے لحاظ سے جیسا حسین اور دلکش انسان تھا ویسا ہی دل کے لحاظ سے وہ مکروہ و قابل نفرت تھا۔ اسے اس وقت تک نیند نہ آتی جب تک دن میں کم از کم ایک بار اپنے ہاتھ کو بے گناہ انسانوں کے خون سے رنگین نہ کرلیتا۔

(۲)

ایک دن حسب معمول خون سے اپنی پیاس بجھانے کے لئے منتظر و آمادہ بیٹھا ہوا ہے کہ دفعتاً اسے کچھ خیال آجاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ ان چالیس امراء اور غلاموں کو اس کے سامنے ذبح کیا جائے، جنہوں نے اس کے خلاف سازش کی تھی۔ یہ سن کر ایک مقربت سردار نے کہا کہ۔ کیا مناسب نہیں کہ ان کی خطائیں معاف کر کے اہل روما کا دل ہاتھ میں لے لیا جائے۔ کالیگولا نے غضب ناک ہو کر کہا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام اہل روما کا ایک سر ہوتا اور

Marfat.com

میں ایک ضرب میں اسے ہمیشہ کے لئے قطع کر کے رکھ دیتا۔

جس وقت کالی گولا اپنی اس خوں آشام تفریح میں مشغول ہوتا، تو باشندگان روما کو یہ جرات نہ ہوتی تھی کہ وہ اس کا ذکر کریں بلکہ صرف یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ، بادشاہ اس وقت سیر وتفریح میں مشغول ہے۔

(۳)

ایک روز کالی گولا، قونصل افرانیوس پر برہم ہوا اور محل کی کھڑکی سے اس کو سڑک پر اٹھا کر پھینک دیا۔ اس کی ہڈیاں چور چور ہو گئیں اور وہ مر گیا۔ لوگوں نے پوچھا اے قیصر! اب کس کو اس کی جگہ قونصل مقرر کیا جائے۔ تو اس نے جواب دیا کہ میں اپنے گھوڑے انساقوس کو اس کی جگہ کو اس قونصل مقرر کرتا ہوں۔

اس قسم کے واقعات کے بعد بادشاہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کی سڑکوں پر تفریح کے لئے نکلتا اور اہل روما کے سروں کو گھوڑے کی ٹاپ سے روندتا ہو چلتا ہوا گزر جاتا، وہ اس منظر کو دیکھ کر قہقہہ مار کر ہنستا اور لوگ یہ کہتے ہوئے وہاں سے بھاگتے کہ بادشاہ اس وقت سیر وتفریح میں مشغول ہے۔

(۴)

ایک رات اس نے اپنی محبوبہ سے نشہ شراب ومحبت کے عالم میں کہا آج میں نے چار سرداران روما کو گرفتار کیا ہے۔ جن کے متعلق مجھ سے کہا گیا تھا کہ وہ میرے خلاف سازش کر رہے تھے۔ میں نے ایک کوڑا چمڑے کا تیار کرایا ہے اور چاہتا ہوں کہ تو اپنے ہاتھ سے تیس تیس کوڑے سب کے سامنے ان کو مارے۔ اس نے کہا کہ اے شہنشاہ اس خیال سے باز آ مجھے اس کام پر مجبور نہ کر کیونکہ اس سے اہل روما کی نفرت اور زیادہ بڑھ جائے گی۔

بادشاہ یہ سن کر ہنسا اور بولا مجھے ان کی نفرت یا محبت کی کوئی پرواہ نہیں میرے لئے اس سے زیادہ مسرت اور کسی امر میں نہیں کہ اہل روما کو میں اپنے سامنے خوف سے کانپتا ہوا دیکھوں۔

آخر کار اس کی محبوبہ نے تیس تیس کوڑے امراء روما کی پشت پر مارے اور لوگ یہ

Marfat.com

دیکھ کر وہاں سے یہ کہتے ہوئے واپس آئے کہ بادشاہ اس وقت سیر وتفریح میں مشغول ہے۔

(۵)

ایک دن اس کی دایہ جونیا آئی جس نے کالی گولا کو اپنی گود میں کھلایا تھا دودھ پلایا تھا۔ اس نے کہا کہ اے میرے بیٹے قیصر، میں چاہتی ہوں کہ تو میری بیٹی اسٹیلا کو مخصوص نظر عنایت سے دیکھے اور اس کے لئے سرداران روما میں سے کوئی شوہر تلاش کر دے، کیونکہ اب وہ جوان ہوگئی ہے۔ جس وقت بادشاہ نے اپنی رضاعی بہن اسٹیلا کے حسن وشباب کو دیکھا تو بدحواس ہوگیا اور اس کی طرف دست ہوس دراز کیا۔ اس لڑکی نے انکار کیا۔ اس کی ماں نے کہا۔ یہ تو کیا کر رہا ہے تجھ پر کہیں آسمان نہ پھٹ پڑے، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا اور لڑکی اور اس کی ماں دونوں نے زہر کھا کر اپنی جانیں دیدیں۔ اس واقعہ کے بعد جب دایہ کا لڑکا بادشاہ کے پاس آیا کہ محاسبہ کرے تو بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کر کے لاش کو سڑک پر پھینکوا دیا جسے اہل روما نے دیکھا اور یہ کہتے ہوئے گزر گئے کہ بادشاہ اس وقت سیر وتفریح میں مشغول ہے۔

(۶)

ایک دن قیصر اپنے تمام حاشیہ نشیں سرداروں کو لے کر سیر وشکار کے لئے نکلا اور بحیرہ نیمی تک پہنچ گیا۔ جسے اہل روما آئینہ ڈیانا کہتے تھے، یعنی اسے جیوپٹر کی بڑی بیٹی ڈیانا (سیر وشکار کی دیوی) سے منسوب کرتے تھے جس کا ہیکل اسی جگہ ساحل پر قائم تھا۔

قیصر معبد ڈیانا پر پہنچا۔ اپنے گھوڑے سے اتر کر اندر گیا اور پجاری سے شراب طلب کی اسی اثناء میں اس کی نگاہ ہیکل کے سب سے بڑے پجاری پر پڑ گئی جو نہایت ضعیف تھا اور عصا کے سہارے سے ایک ایک قدم اٹھاتا تھا۔ قیصر نے پوچھا تیری عمر کیا ہے۔ اس نے کہا کہ سو سال سے متجاوز ہے اور ساٹھ سال سے ڈیانا کی خدمت کر رہا ہوں۔ بادشاہ یہ سن کر ہنسا اور بولا کہ اس کی گردن جدا کر دو کیونکہ روما کے لئے یہ امر باعث عار ونگ ہے کہ ڈیانا کی خدمت ایسے ناکارہ وضعیف انسان کے سپرد کی جائے۔

چنانچہ اس کی گردن کاٹ ڈالی گئی اور امراء باہم دگر سرگوشیاں کرنے لگے کہ

Marfat.com

بادشاہ اس وقت سیر وتفریح میں مشغول ہے۔

(۷)

بادشاہ کو یہ مقام بہت پسند آیا اور اپنے خادم لوسیوس سے کہا کہ میں چند دن یہاں قیام کرنا چاہتا ہوں۔ لوسیوس نے بادشاہ کے اس ارادہ کا ذکر سرداروں سے کیا اور انھوں نے فوراً دو نہایت خوبصورت کشتیاں بحرناپولی سے بحیرہ نیمی میں طلب کرلیں اور بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کشتیوں کی آراستگی میں کوئی دقیقہ کوشش کا نہ اٹھا رکھا جائے۔ چنانچہ تمام شاہانہ اسباب ان میں منتقل کیا گیا۔ بجائے رسیوں کے سونے چاندی کی زنجیریں بنا کر ڈال دی گئیں۔ رنگین فانوس جا بجا معلق کئے گئے۔ اور چراغوں میں بجائے تیل کے عطر ڈالا گیا۔ کشتیوں کے جھروکے عورتوں کے قیام کے لئے مخصوص کئے گئے اور بادشاہ لطف ومسرت سے رہنے لگا۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے بادشاہ نے کہا میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ انسان پانی میں کس طرح ڈوبتا ہے اور دریافت کیا کہ کتنے غلام کشتیوں میں موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ تیس غلام موجود ہیں۔ حکم ہوا کہ ان کو پانی میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ وہ پانی میں پھینک دئے گئے۔ اور اگر کوئی غلام اپنی جان بچانے کے لئے کشتی کا رخ کرتا تھا تو چپوؤں سے اس کو مار مار کر پھر بھگا دیتے تھے اور ہنستے تھے۔ ساحل پر لوگ جمع تھے وہ یہ منظر دیکھ رہے تھے، اور آپس میں کہتے جاتے تھے کہ بادشاہ اس وقت سیر وتفریح میں مشغول ہے۔

(۸)

قیصر کو ایک صبح اطلاع دی گئی کہ روما میں کچھ لوگوں نے بادشاہ کے خلاف سازش کی ہے۔ اس نے دو سرداروں کو متعین کیا کہ فوراً جا کر سازش کرنے والوں کو گرفتار کیا جائے اور اس طرف حکم دیا کہ آج کی رات رقص وسرود میں بسر کی جائے چنانچہ کشتیوں کی تمام کنیزیں جمع کی گئیں اور انھوں نے اپنی اپنی زبانوں اور اپنے اپنے لحن میں مختلف گیت گانے شروع کئے، انھیں نغموں میں ایک نہایت ہی حزیں وملول نغمہ بادشاہ کے کانوں تک پہنچا جو ایک نوعمر کنیز کے لبوں سے نکل رہا تھا بادشاہ نے اس کو قریب بلایا اور وہ کانپتی ہوئی پاس آئی۔

بادشاہ نے کہا ڈر نہیں، مجھے بتا تیرا نام کیا ہے؟

Marfat.com

کنیز:- میرا نام سیفا ہے۔

بادشاہ:- تو کس ملک کی ہے؟

کنیز:- مصر کی ہوں۔

بادشاہ:- تیرا باپ کون تھا؟

کنیز:- میرے باپ کا نام پروکلس تھا وہ روما کے لشکر میں سپاہی تھا اس نے ایک مصری عورت سے شادی کی تھی جب میرے ماں باپ مر گئے تو مجھے گرفتار کر کے بطور ہدیہ کے لئے یہاں لے آئے۔

بادشاہ:- تجھے روما میں کون لایا؟

کنیز:- محافظ دستہ شاہی کا ایک افسر لیبد وس مجھے لایا تھا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ لیبد وس کو بلایا جائے۔ جب وہ سامنے آیا تو خنجروں سے ہلاک کر کے پانی میں ڈال دیا گیا اور دیکھنے والوں نے مسکراتے ہوئے آپس میں کہا کہ آج بادشاہ سیر وتفریح میں مشغول ہے۔

(۹)

بادشاہ نے اس مصری کنیز سے کہا کہ پھر وہی گانا گا جو ابھی تو گا رہی تھی اور دوسری کنیزوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ کنیز کی دلدوز آواز بلند ہوئی۔ اس نے گانا شروع کیا۔

دنیا میں بہت سے سمندر ہیں
لیکن تو سب سے زیادہ خوبصورت ہے
دنیا میں بہت سے دریا ہیں
لیکن تو سب سے زیادہ حسین ہے
میری ماں تیرے کنارے گایا کرتی تھی
میرا بھائی تیرے کنارے کاشت کیا کرتا تھا
اے سب سمندروں سے زیادہ حسین سمندر
اور اے سب دریاؤں سے زیادہ دلکش دریا

Marfat.com

یہ گا کر کنیز خاموش ہوگئی اور قیصر کی آنکھ سے آنسو ڈھلک پڑا۔

بادشاہ نے پوچھا۔اے لڑکی تو نے کس سمندر کا ذکر کیا۔

کنیز:- بحر اسکندریہ

بادشاہ:- اور دریا کونسا ہے۔

کنیز:- دریائے نیل

بادشاہ:- یہ گیت تجھے کس نے سکھایا؟

کنیز:- میری ماں نے!

بادشاہ:- مجھے بھی یہ گیت یاد ہے۔میری دایہ جونیا بھی تیری ماں کی طرح مجھے گود میں لے کر یہی گیت گایا کرتی تھی۔لیکن میں نے جونیا کو ہلاک کر ڈالا۔

یہ کہہ کر بادشاہ پر دفعتاً سکوت طاری ہوا اور چہرہ پر اضمحلال پھر رات کے سکوت میں بادل کی گرج کی طرح دہ چیخ اٹھا کہ آئینہ ڈیانا اب مکدر ہوگیا ہے۔اس لئے اس جگہ کو فوراً چھوڑ دیا جائے،لیکن جانے سے قبل یہاں کوئی یادگار چھوڑنا ضروری ہے۔چنانچہ اس نے حکم دیا کہ سب لوگ کشتیوں سے اتر کر خشکی پر آجائیں اور کشتیوں میں سوراخ کر دیا جائے تا کہ وہ تمام سامان کے ساتھ وہیں غرق ہو جائیں۔

یہ حکم دے کر بادشاہ نے کنیز سے مخاطب ہو کر کہا میں تجھے قصر شاہی میں سب سے زیادہ معزز مرتبہ پر پہنچاؤں گا اور تجھے اپنے باغ کا بہترین پھول بنا کر رکھوں گا۔

یہ سن کر کنیز زار زار رونے لگی، کیونکہ حقیقتاً وہ اس وعدہ انعام سے خوش نہ تھی اور وطن سے دور رہ کر اس کی زندگی نہایت تلخ گزر رہی تھی۔

ٹھیک اسی وقت کہ لوگ کشتیوں سے بھاگ بھاگ کر قیصر کے پیچھے پیچھے ساحل کی طرف جا رہے تھے۔وہ دونوں سردار واپس آئے جو سازش کرنے والوں کو گرفتار کرنے گئے تھے اور عرض کی کہ قیصر کے دشمن گرفتار کر لئے گئے۔بادشاہ نے پوچھا وہ کتنے تھے۔جواب ملا کہ نو مرد ایک عورت۔بادشاہ نے دریافت کیا کہ ان باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ سرداروں نے کہا ان کو ذبح کر دیا گیا۔

Marfat.com

بادشاہ نے کہا۔تم نے خوب کیا،لیکن اہل روما نے یہ دیکھ کر کیا کہا۔؟

سردار نے کہا انھوں نے کہا کہ خدا قیصر کی عمر میں برکت دے۔

قیصر، ساحل پر ایک بلند جگہ بیٹھا ہوا ہے۔اور کشتیوں کے ڈوبنے کا منظر سامنے ہے۔دفعتاً ایک کشتی کی طرف سے آواز آئی کہ،اے حسین ترین سمندر،اے جمیل ترین دریا۔

بادشاہ چونکہ پڑا اور اس نے مصری کنیز کی آواز کو پہچان کر پوچھا۔وہ کہاں ہے:
سب لوگ یہ سن کر خاموش رہے کیونکہ وہ کشتی سے باہر نہ آئی تھی اور ڈوب جانے ہی کے لئے وہاں رہ گئی تھی۔

آہستہ آہستہ کشتیاں ڈوب گئیں اور انھیں کے ساتھ مصری کنیز کا وہ گیت بھی ہمیشہ کے لئے فنا ہو گیا۔جو بادشاہ کے کان میں اب بھی گونج رہا تھا۔

بادشاہ کی آنکھ سے دوسرا آنسو ٹپکا اور لوگ یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ آج بادشاہ سیر وتفریح میں مشغول ہے۔

Marfat.com

ایک شاعر کی الہامی پیشن گوئی

(۱)

ستمبر ۱۹۳۱ء کی اٹھارہ تاریخ ہے۔ طرابلس کے ایک قصبہ میں اطالوی افسران فوج کی ایک جماعت مصروف مشورہ ہے کہ عمر المختار کو جس نے طرابلس میں لواء حریت و استقلال بلند کیا تھا اور جو بعد کو گرفتار ہو کر ان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ کیا سزا دی جائے۔

آخر کار سزا تجویز ہو گئی، حکم سنا دیا گیا۔ اور طرابلسی نوجوان مجمع عام میں بندوق کا نشانہ بن کر اپنے وطن پر قربان ہو گیا۔ یہ واقعہ بظاہر تاریخ کا بہت معمولی واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اندرون طرابلس غربی میں اسی واقعہ کے بعد اطالوی اقتدار پوری طرح قائم ہو سکا۔

(۲)

اچھا اب آپ ولادت مسیح سے چھ صدی قبل کے زمانے میں چلے جائیے۔ جب یونان کا سب بڑا شاعر دکاہن ارسطو زندہ تھا (یہ ارسطو اس ارسطو سے مختلف ہے جو حکیم و فیلسوف کے لقب سے مشہور ہوا)

ملک کے چند نوجوانوں نے مشورہ کیا کہ ہیکل ڈلفی میں جا کر دیوی کی پوجا کریں اور وہاں کاہنوں کے سردار سے التجا کریں کہ وہ مستقبل کے حالات بتائے۔

چنانچہ وہ ہیکل کے سب سے بڑے کاہن کے پاس گئے، جس کا نام ارسطو تھا اور

Marfat.com

جس کی شہرت ایک شاعر و کاہن کی حیثیت سے اس وقت تمام اکناف یونان میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے لوگوں کی التجا سن کر معبد ڈلفی کا رخ کیا۔ اور مراسم عبادت کرنے کے بعد اس پر یہ انکشاف ہوا کہ:-

''اے ارسطو۔ اپنے احباب واعزا۔ اپنے ارادت
مند اور یہی خواہ لوگوں کو جمع کر اور بحری سفر اختیار
کر کے جنوب کی طرف جا اور وہاں جدید یونانی
حکومت کی بنیاد ڈال''

چنانچہ ارسطو معہ اپنے رفقاء کے ایک بڑی کشتی میں سوار ہوا۔ اور اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر راتوں کی تاریکی میں سمندر کے طوفان سے گزرتا ہوا جنوب کی طرف نکل گیا۔ ایک زمانہ تک اسی بیم و رجا کی حالت میں سفر کرنے کے بعد کشتی شمالی افریقہ کے کسی ساحل پر حدود مصر کے قریب پہنچ گئی۔ اور یونانی نوجوانوں کی یہ جماعت وہیں اتر پڑی۔ انھوں نے یہاں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی۔ جس کا نام سیرینا رکھا۔ اور اس طرح گویا جدید سلطنت یونانی کا تخم انھوں نے بو دیا یہ واقعہ ۶۲۱ سال قبل مسیح کا ہے۔

(۳)

اس جماعت نے ارسطو کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے اس کی اطاعت کا حلف اٹھایا۔ اور باتوس اس کا نام رکھا۔ ان لوگوں نے ارسطو سے یہ بھی درخواست کی کہ اب وہ شعر و شاعری ترک کر کے ان کے لئے قوانین وضع کرے۔

لیکن یہ بادشاہ شاعر اس کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہا۔ اور جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے لوگوں کو جمع کر کے کہا۔ کہ

اے عزیزو!'' میں نے ایک خواب دیکھا ہے، اسے سن لو میں نے دیکھا کہ دیوتا ابولون دفعتاً مجھ پر ظاہر ہوا۔ اور میرے ہاتھ میں ایک سبز شاخ دے کر بولا کہ اے ارسطو اب تو جلد مرنے والا ہے۔ اور جس سلطنت کی بنیاد تو نے ڈالی ہے۔ وہ یونانیوں کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اس لئے سب کو جمع کر کے اطلاع دے دو

Marfat.com

کہ حکومت سیرینا ان کے ہاتھ سے نکل کر اہل روما کے پاس چلی جائے گی۔ پھر اس پر ایک شرقی غربی حکومت قابض ہو گی۔ اس کے بعد دوسری شرقی حکومت کے اقتدار میں چلی جائے گی۔ پھر تیسری شرقی حکومت کا تصرف قائم ہو گا اس کے بعد پھر چوتھی شرقی حکومت کا زمانہ آئے گا۔ چنانچہ یہ پیشن گوئی جو خواب میں مجھ کو بتائی گئی ہے، بلا کم کاست تم کو سنائے دیتا ہوں۔''

(۴)

ارسطو کے بعد زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ اہل روما کی فتوحات تمام عالم پر ایک سیلاب کی طرح بڑھنے لگیں اور افریقہ کی سلطنت سیرینا بھی ان کے ہاتھ آ گئی اہل روما کے زمانے میں اس سرزمین نے جس قدر ترقی کی وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

اس کے بعد جب اہل روما کا زوال شروع ہوا تو بازنطینی حکومت نے جو شرق وغرب کے گوشہ میں قائم تھی۔ اس پر قبضہ کیا، لیکن یہ قبضہ زیادہ مدت تک قائم نہ رہ سکا۔ اور عربوں کی فوجوں نے تمام افریقہ، مصر، سیرینا، ٹیونس، الجزائر، مراکش اور اندلس پر پرچم اسلامی لہرا دیا۔ یہ دوسری پیشن گوئی تھی۔ ارسطو کی جو صحیح نکلی۔ عربوں نے اس پر قابض ہو کر اس کا نام قیردان رکھا تھا۔

اس کے بعد جب ترکوں کی حکومت وسیع ہوئی تو عربوں کی جگہ انھوں نے لے لی اور قیردان ولایت عثمانیہ میں شامل ہو گیا۔ یہ تیسری پیشن گوئی تھی جو صحیح ثابت ہوئی۔

اس کے بعد جب ترکوں کی حکومت ضعیف ہوئی تو اطالیہ نے طرابلس الغرب کے نام سے اپنی نو آبادی قائم کرنا شروع کی اور چاہا کہ سیرینا قیردان میں پھر اپنی کھوئی ہوئی حکومت قائم کریں۔ چونکہ دولت عثمانیہ کمزور ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ اطالیہ کی اس خواہش کا مقابلہ نہ کر سکی۔ اور قیردان کو خود وہیں کے باشندوں کے سپرد کر کے واپس آ گئی۔

ہر چند اس کے بعد کامل دس سال تک اہل قیردان نے حکومت اطالیہ کا مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کار وہاں اطالوی اثر قائم ہو ہی گیا۔ اور اس طرح یہ چوتھی پیشن گوئی بھی پوری ہوئی کہ تیسری بار مشرقی حکومت کے بعد پھر اہل روما کی حکومت وہاں قائم ہو گئی۔

Marfat.com

اب صرف آخری پیشن گوئی باقی رہ گئی ہے کہ اہل روما کے پاس پھر یہ سلطنت کسی مشرقی حکومت کے پاس جائے گی۔ اب دیکھئے کہ یہ مشرقی حکومت کون ہے؟

Marfat.com

حسن تائب

(۱)

خادمہ، ملکۂ تیودورا کے حضور میں آئی۔ جھک کر آداب بجالائی اور آگے بڑھ کر ملکہ کے کان میں آہستہ سے کہا۔۔۔۔میکائیل

تیوودرا نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا ''بڑا یا چھوٹا''؟

خادمہ نے جواب دیا ''اے ملکہ عالم! بڑا!۔

ملکہ نے کہا۔بہتر ہے بلاؤ۔۔۔خادمہ چلی گئی۔

ملکہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر چیتے کو جو اس کے قدموں پر پڑا سو رہا تھا۔قریب کے پنجرے میں لے جا کر بند کر دیا۔اور واپس آ کر اس کمرے میں جس کا دریچہ سمندر کی طرف کھلتا تھا۔مخمل وحریر کے گدوں اور تکیوں پر جا کر لیٹ رہی۔

اسی وقت ایک شیدہ قامت نوجوان اندر داخل ہوا۔جس کی آنکھیں نیلگوں تھیں اور بال بھورے۔یہ دوزانو ہوا۔ملکہ نے اپنا خوبصورت ہاتھ آگے بڑھایا اور اس نے اپنے لبوں سے لگایا۔ہنوز یہ رسم ختم نہ ہوئی تھی ملکہ نے اپنی آغوش کھول دی اور آخر کار وہ اظہار شیفتگی جس کی ابتداء ملکہ کے ہاتھوں سے ہوئی تھی۔اس کے سینہ وگردن، شانہ ورخسار تک پہنچنے سے قبل ختم نہ ہو سکا۔

Marfat.com

میکائیل نے انتہائی حزن و ملال کے ساتھ کہا یہ صحیح ہے کہ ملکہ عالم اب میری حاضری کو پسند نہیں فرماتیں اور قصر کے اندر میرا آنا شاق گزرتا ہے۔ اگر یہ غلط نہیں ہے تو کیا میں اس کا سبب معلوم کر سکتا ہوں۔ کیا مجھے بتایا جا سکتا ہے کہ عنایات شاہانہ میں یہ انقلاب کیوں پیدا ہوا۔

تیودورا نے میکائیل کا سر اپنے ہاتھوں پر سنبھال کر کہا۔ اے میکائیل میرے دل میں تیری محبت بدستور قائم ہے۔ لیکن بعض دفعہ واقعات و حالات کچھ ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ ان کا لحاظ کرنا ہی پڑتا ہے۔

تجھے معلوم ہے کہ اس قصر میں داخل ہونے سے قبل۔ سلطنت بازنطینی کی ملکہ بننے سے پہلے ہی میں تجھ سے محبت کرتی تھی۔ اور ملکہ ہونے کے بعد بھی کوشش کر کے میں نے ایسی تدبیریں اختیار کیں کہ تو آزادی کے ساتھ مجھ سے ملتا رہے لیکن اب ایک ایسا واقعہ پیش آیا ہے کہ میں اپنے اور تیرے دونوں کے انجام سے ڈرنے لگی ہوں۔

میکائیل:- وہ کیا حادثہ ہے۔

ملکہ:- چند دن ہوئے تیرا بھائی آیا اور مجھ سے ملنے کی درخواست کی چونکہ اس کا نام بھی میکائیل ہے اس لئے میں نے یہ سمجھ کر کہ یہ تو ہی ہے، اجازت دے دی۔

میکائیل:- (گھبرا کر) پھر کیا ہوا؟

ملکہ:- اس نے مجھ سے اظہار محبت کیا۔

میکائیل:- پھر؟

ملکہ:- میں نے اس سے کہا کہ فوراً یہاں سے نکل جائے۔ لیکن اس نے جاتے ہوئے غضب ناک ہو کر دھمکی دی اور کہا کہ میرے اور تیرے تعلق کو وہ تمام شہر میں مشتہر کرے گا اور بادشاہ سے بھی جا کر کہے گا۔ اس لئے اس واقعہ کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تو اس وقت تک قصر میں آمد و رفت بند کر دے، جب تک ----------

میکائیل:- جب تک؟

ملکہ:- ہاں! جب تک کہ تیرا بھائی اس ارادے سے باز نہ آجائے یا راستہ بالکل

Marfat.com

صاف نہ ہو جائے۔ میکائیل نے یہ سنا اور انتہائی غیظ وغضب کے عالم میں دیوانہ وار وہاں سے نکل کھڑا ہوا۔

(۲)

تیودورا کا باپ جانوروں کا ڈاکٹر تھا اور اس کی ماں کا نام کسی کو معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ وہ کون تھی اور کیا تھی جب اس کا باپ مر گیا تو وہ بہت کمسن تھی دنیا اس پر تنگ ہوئی تو حصول معاش کے لئے اس نے وہ تمام ذرائع اختیار کئے جو ایک خانماں برباد حسین عورت اختیار کر سکتی ہے۔ وہ تماشہ گاہوں میں ناچتی تھی ہوٹلوں میں جا جا کر گاتی تھی، سڑکوں پر، گلیوں میں اپنے پر شباب اعضاء کی نمائش سے لوگوں کو لبھایا کرتی تھی۔ اسی زمانے میں اس کے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس کے انجام سے ڈر کر اس نے اپنی آوارہ زندگی کو ترک کر کے ایک دکان قائم کر لی جہاں وہ عورتوں کے کپڑے وغیرہ سیا کرتی تھی۔ رفتہ رفتہ لوگوں نے اس کے ماضی کو بھلا دیا اور طبقہ امراء کی عورتیں بھی اس کی دکان پر آنے جانے لگیں۔ اتفاق سے اسی دوران میں سلطنت کے دلی عہد (بوستی نیانوس) نے اسے دیکھ لیا اور اس پر مائل ہو گیا۔

دلی عہد کی نسبت کسی اور جگہ ہو چکی تھی اور اپنے مرتبہ کے لحاظ سے بھی وہ تیودورا سے شادی نہ کر سکتا تھا۔ جس کا ماضی اس قدر بدنام تھا لیکن ایک تو دلی عہد خود فطرتاً بہت آزاد طبع واقع ہوا تھا، دوسرے اسی زمانے میں جدید قانون کی رو سے شاہی خاندان کے افراد کو شادی کے مسئلہ میں پوری آزادی دیدی گئی تھی۔ اس لئے تخت نشین ہوتے ہی اس نے تیودورا سے نکاح کر لیا اور اسے بازنطینی سلطنت کی ملکہ بنا دیا۔

کچھ عرصہ تو جاہ وثروت سلطنت وحکومت کے نشہ نے تیودورا کو مدہوش رکھا۔ لیکن جب وہ تھک گئی تو اس کو پھر اپنا دہی دور آزادی یاد آنے لگا اور تمام وہ جذبات جوانی جن کو واقعات نے افسردہ کر دیا تھا۔ از سر نو تازہ ہو گئے چنانچہ اس نے اپنے تمام قدیم عشاق کو آہستہ آہستہ بلانا شروع کیا اور چند دن میں قصر حکومت اچھا خاصا معصیت گاہ بن گیا۔

انھیں عشاق میں دو بھائی میکائیل کبیر، و میکائیل صغیر بھی تھے جو پوشیدہ طور پر ملکہ سے آکر ملا کرتے تھے لیکن ایک کو دوسرے کی آمد کی اطلاع نہ ہوتی تھی ایک دن میکائیل صغیر

Marfat.com

کو کسی طرح معلوم ہو گیا کہ ملکہ اس کے بڑے بھائی سے بھی ملتی ہے۔ اور زیادہ التفات سے ملتی ہے۔ اس لئے وہ نہایت برہمی کے عالم میں ملکہ کے پاس گیا اور کہا کہ۔ اگر میرے بھائی کی آمد و رفت یہاں بند نہ کی گئی تو میں یہ تمام راز دنیا پر افشا کر دوں گا۔

یہ سن کر ملکہ اس وقت تو خاموش ہو گئی لیکن اس نے فیصلہ کر لیا کہ کسی نہ کسی طرح اس کانٹے کو راستہ سے دور کرنا ہے۔

(۳)

ملکہ اپنے مخصوص کمرے میں بیٹھی ہوئی کچھ سوچ رہی تھی کہ خادمہ جو اس کے تمام رازوں سے آگاہ ہے حاضر ہوتی ہے اور میکائیل کے آنے کی اطلاع دیتی ہے۔

ملکہ چونک کر پوچھتی؟ ''بڑا'' اور پھر خادمہ کے چہرے سے جواب کو پڑھ کر مسکرا کر کہتی ہے۔ ہاں بلا لاؤ۔ میں تو انتظار کر رہی تھی۔

میکائیل آیا اور ملکہ کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہا۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اس وقت تک مچھلیاں اس کے جسم کو کھا چکی ہوں گی۔

ملکہ نے گھبرا کر پوچھا کیا واقعی تو نے اسے قتل کر دیا؟

میکائیل نے کہا ہاں قتل کر دیا اور اس کے جسم کو دریا میں ڈال دیا،

یہ سن کر ملکہ نے اپنی آغوش کھول دی اور دونوں کے لب ایک دوسرے سے مل گئے۔ اس حال میں کہ ان کے جسم سے آگ کی سی حرارت پیدا ہو رہی تھی۔

اس وقت کہ دونوں ریشم کے نرم نرم گدوں پر لیٹے ہوئے ہیجان نفس کی انتہائی کیفیات میں ڈوبے ہوئے تھے، ملکہ کی نگاہ میکائیل کی ہتھیلی پر پہنچ گئی اور اس نے خیال کیا کہ اس پر خون کا دھبہ موجود ہے۔ اس کے بعد اس نے میکائیل کی دوسری ہتھیلی کو دیکھا، چہرہ کو دیکھا، گردن کو دیکھا اور ہر جگہ اسے خون کے بڑے بڑے دھبے نظر آنے لگے۔

اس وقت تک تیودورا خدا معلوم کتنے جرائم کی مرتکب ہو چکی تھی۔ لیکن یہ اس کی زندگی کا پہلا واقعہ تھا کہ اس کے ضمیر نے اس کے جرم کو اس طرح پیش کیا ہو۔ گزشتہ زندگی کے تمام واقعات ایک ایک کر کے اس کے سامنے آ رہے تھے۔ اور وہ محسوس کر رہی تھی کہ کوئی

Marfat.com

آواز اس کو ملامت کر رہی ہے اور اس کا دل کانپا جا رہا ہے۔

(۴)

کامل چھ ماہ گزر گئے ہیں کہ ہزاروں معمار باسفورس کے ساحل پر ایک عظیم الشان عمارت کی تکمیل میں رات دن مصروف نظر آتے ہیں۔ یہ عمارت ملکہ تیودورا کے حکم سے تعمیر ہو رہی ہے جس میں ۵۰۰ آدمیوں کے قیام کا انتظام کیا گیا ہے۔ جس وقت یہ مکمل ہو گئی تو ملکہ نے تمام ملک میں اعلان کیا کہ جو عورتیں گناہوں سے تائب ہو کر عصمت و عفت کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں وہ آئیں اور اس عمارت میں قیام کریں چنانچہ اس نے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ایسی عورتیں اس مکان میں جمع کرنا شروع کیں اور کوشش کر کے ان کی شادیاں شرفاء شہر اور امراء دربار سے کر دیں۔

اس عمارت کا نام اس نے ''دارالتوبہ'' رکھا تھا۔ اس کی نگرانی میکائیل کے سپرد تھی جو خود بھی تائب ہو کر مرتاض زندگی بسر کرنے لگا تھا۔

بادشاہ یوستی نیانوس، بازنطینی تخت حکومت پر ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک متمکن رہا لیکن اس ۳۸ سال کی مدت میں وہ اس راز سے بالکل ناواقف رہا کہ ملکہ نے دارالتوبہ کیوں قائم کیا تھا۔

Marfat.com

دنیا کا ایک انتہائی بدنصیب شہر

(۱)

یوں تو دنیا میں بہت سے شہر اور ملک ایسے ہیں جن کے لئے انسانوں نے باہم جنگ وخونریزی سے کام لیا۔ لیکن اس باب میں زامورہ کو جو تاریخی خصوصیت حاصل ہے وہ شاید ہی دنیا کے کسی مقام کو حاصل ہوئی ہو۔

اس بدنصیب شہر کا محاصرہ کتنی دفعہ ہوا۔ کتنی مرتبہ اس کی گلیوں میں انسانی خون پانی کی طرح بہایا گیا اور کتنی بار اس کی فضا لاشوں کے ڈھیر سے متعفن ہوئی اس کا جواب دینا مشکل ہے۔ مختصر یوں سمجھ لیجئے کہ بیس مرتبہ تو اہل عرب نے حملہ کر کے جلالقہ کے قبضہ سے اسے نکالا۔ اور بیس ہی مرتبہ جلالقہ نے عربوں سے اس کو چھینا۔ یہاں تک کہ آج تاریخ میں اس کا نام۔ آتش وآہن، کے حرفوں سے لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کی مسماریاں و بربادیاں اب بھی ان واقعات کو دہرا رہی ہیں اور وہاں کے آثار اور ویران قلعے ان تمام دردناک داستانوں کی زندہ تصویریں ہیں۔

عرب یہاں فاتحانہ داخل ہوئے۔ لیکن انونزد ہسپانوی نے پھر ۷۴۸ء میں اسے چھین لیا۔ اس کے بعد ۸۱۳ء میں دوبارہ اہل عرب قابض ہوئے اور پھر یہ مقام ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۹۳۹ء میں عبدالرحمٰن ناصر نے پھر واپس لیا مگر اہل ہسپانیہ دوبارہ اس پر قابض

Marfat.com

ہو گئے۔ الغرض اسی طرح بارہا عرب کا قبضہ یہاں ہوا اور ہر بار ۹۶۳ء اور ۹۸۴ء میں ان کو یہاں سے ہٹنا پڑا۔ یہاں تک کہ عہد فرڈینانڈ دادل میں جو لقب ''کبیر'' سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ مقام مستقلاً حکومت اسپین میں داخل ہو گیا اور ۱۰۶۱ء میں اس نے یہ شہر اپنی حسین و محبوب بیٹی ڈونیا اوراکا کو ہدیہ میں دے دیا۔

لیکن چونکہ اس بدنصیب شہر کی قسمت ہی میں بربادی و خونریزی لکھی ہوئی تھی اور اس سے قبل عرب و جلالقہ وغیرہ کے خدا معلوم کتنے بچے کتنے بوڑھے اور کتنی عورتیں یہاں ذبح کی جا چکی تھیں۔ اس لئے یہاں کے خونریز و خوں آشام دیوتا نے اس مرتبہ بھی وہی قربانی طلب کی اور جب ۱۰۶۵ء میں فرڈینانڈ مر گیا تو اوراکا کے بھائی نے اس شہر پر قابض ہونے کے لئے جنگ شروع کر دی یعنی اگر اس سے قبل عرب و اہل اسپین باہم دست و گریبان نظر آتے تھے۔ تو اب خود اہل ہسپانیہ آپس ہی میں اس بدبخت شہر کے لئے خوں ریزی پر آمادہ ہو گئے۔

اس وقت زامورہ، جلالقہ اور عرب کی ملی ہوئی آبادی پر مشتمل تھا اور ان دونوں کے تعلقات باہم اس قدر اچھے ہو گئے تھے کہ کوئی امتیاز نسل و مذہب کا باقی نہ رہا تھا۔ اور ان لوگوں میں زاموری ہونے کی نسبت اس قدر قوی ہو گئی تھی کہ وہ اس کے سامنے کسی اور فرق و امتیاز کو دیکھتے ہی نہ تھے۔ اسی لئے جب کوئی لشکر زامورہ پر حملہ آور ہوتا تھا تو تمام آبادی، بلا تفریق مذہب و نسل متحد ہو جاتی تھی۔ اور کوشش کرتی تھی کہ قتل و خونریزی تک نوبت نہ پہنچے۔

اس لئے جس وقت فرڈیناندو کے بعد اس کا بیٹا تخت نشین ہوا تو اس نے زامورہ کی طرف جو اس کی بہن کے قبضہ میں تھا فوجیں روانہ کیں اور حکم دیا کہ شہر کا محاصرہ اس وقت تک برابر جاری رکھا جائے۔ جب تک شہر کے دروازے نہ کھول دیئے جائیں۔ اور قلعہ پر قبضہ نہ ہو جائے۔ اہل زامورہ حاکم شہر کے پاس گئے اور اس سے التجا کی کہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ دروازے کھول دئے جائیں اور بھائی بہن کی جنگ میں غریب اہل شہر کو قتل و ذبح کی مصیبت میں نہ مبتلا کیا جائے۔ لیکن حاکم شہر نے ان کی التجاؤں پر توجہ نہیں کی پورے عزم کے ساتھ مقابلہ کا ارادہ کر لیا۔

Marfat.com

(۲)

فریقین کے لشکر کو میدان جنگ میں چھوڑ یئے اور زامورہ کی فصیل و خندق کے گرد جو انسانی خون بہ رہا ہے اس سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر کے لئے شہر کے اندر آیئے اور دیکھئے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔

ایک مکان سے جو گلی میں واقع ہے نہایت ہی دردناک آواز آ رہی ہے۔ لیکن اس طرح جیسے کوئی تکلیف کو برداشت کرتے کرتے مجبور ہو جانے پر بھی پوری آزادی سے فریاد نہ کر سکے۔

یہ مکان محمد بن عبداللہ اموی کا ہے اور یہ آواز اسی کے خاندان میں سے کسی فرد کی ہے۔

کسی وقت یہ خاندان بھی بڑا خاندان تھا اور محمد بن عبداللہ جب جنگ کے لئے باہر نکلتا تھا تو کم از کم بیس کی تعداد میں اس کے بیٹے پوتے وغیرہ گھوڑوں پر سوار اس کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ اور دس بارہ عورتیں ہم رکاب ہوتی تھیں تا کہ زخمیوں کی تیمارداری کریں۔ آخر کار محمد بن عبداللہ ایک جنگ میں کام آ گیا اور رفتہ رفتہ اس کے بیٹے پوتے بھی اسی طرح ختم ہو گئے۔ اب اس گھر میں ایک چہل سالہ عورت جو محمد بن عبداللہ کی نواسی ہے۔ سکونت پذیر ہے۔ اس کی ایک لڑکی فاطمہ ہے جس کی عمر دس سال کی ہے اور ایک لڑکا ہے جو عمر کے آٹھویں سال میں ہے فاطمہ کا باپ ایک بار جو شکار کے لئے باہر نکلا تو واپس نہیں آیا۔ غالباً ڈاکوؤں نے اسے مار ڈالا۔ اسی وقت سے اس خاندان کی تباہیاں شروع ہوئیں۔ خیر فقر و فاقہ کی مصیبت تو تھی ہی قدرت نے صحت بھی ان کی چھین لی اور ماں بیٹے دونوں صاحب فراش ہو کر حرکت سے مجبور ہو گئے۔ فاطمہ ہنوز اٹھ بیٹھ سکتی تھی اور حیران تھی کہ اس فقر و فاقہ کی بلا کو کس طرح سے دور کرے اور اپنی بیمار ماں اور دم توڑنے والے بھائی کیلئے کہاں سے کھانے کا انتظام کرے۔

ایک رات معصوم فاطمہ باہر نکلی اور شہر پناہ سے گزر کر محاصرہ کرنے والی فوج کے

Marfat.com

کیمپ میں داخل ہوگئی۔ جب وہ سپہ سالار کے خیمہ کے قریب پہنچی تو سنتری نے اسے روک کر پوچھا کہ وہ کہاں جانا چاہتی ہے؟

اس نے جواب دیا کہ میں سپہ سالار سے ملنا چاہتی ہوں کیونکہ ایک نہایت ضروری بات مجھے اس سے کہنا ہے۔

یہ سپہ سالار روڈرج بیوار تھا جو تاریخ اسپین میں غیر معمولی شہرت رکھتا تھا۔ اور جو اپنی شجاعت واقدام کی وجہ سے اہل عرب میں بھی سید کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ سنتری نے یہ سن کر اسے جانے کی اجازت دیدی اور چند منٹ میں وہ ایک شخص کے سامنے پہنچ گئی جس کے چہرے پر سوائے داڑھی کے اور کوئی چیز نظر ہی نہ آتی تھی۔ اس نے لڑکی کو تھوڑی دیر تک خاموشی کے ساتھ دیکھا اور پھر بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بھی دیر تک وہ فاطمہ کو دیکھتا رہا اور پھر پوچھا کہ:- کیا چاہتی ہے؟''

فاطمہ نے کہا۔ ''میں ایک عرب کی بیٹی اور ایک عرب کی پوتی ہوں اور شہر زامورہ ہی کی روشنی میں میں نے آنکھ کھولی اور یہیں پرورش پائی۔ میرا خاندان اس زمانے سے مقیم ہے جب عبدالرحمٰن ناصر نے یہاں فاتحانہ داخل ہوکر اسلامی جھنڈا نصب کیا تھا اور آج تک محمد بن عبداللہ اموی اپنے مورث اول کے دین اور اس کی تعلیمات سے ہمارے خاندان کے کسی فرد نے انحراف نہیں کیا۔ اس خاندان کا ایک ایک فرد زامورہ کی حفاظت وحمایت میں فنا ہو چکا ہے۔ اور اب سوائے میرے جسے آپ اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں یا ایک صاحب فراش ۴۰ سال عورت کو جو میری ماں ہے اور ایک آٹھ سال کا لڑکا جو میرا بھائی اور قریب الموت ہے۔ کوئی اور شخص خاندان میں باقی نہیں رہا۔ ہم لوگ اب ننگے ہیں، بھوکے ہین، بیمار ولاچار ہیں اور شاید صرف چند دن کے مہمان، لیکن اے سردار میں آپ سے روٹی طلب کرنے نہیں آئی۔ کپڑے کا سوال کرنے نہیں آئی کیونکہ دست سوال دراز کرنے سے بہتر یہ ہے کہ انسان مرجائے۔ بلکہ میں آپ سے ایک چیز طلب کرنے آئی ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو شہر سے نکل جانے کی اجازت دے دی جائے اور اہل لشکر کو ہدایت کردی جائے کہ وہ ہمارے ساتھ مزاحم نہ ہوں۔ میں اس عنایت کے عوض میں آپ کو ایک زمرد کا ٹکڑا دوں گی جو اب تنہا یادگار

Marfat.com

ہمارے خاندان کے زمانہ ثروت کی باقی رہ گیا ہے۔ آپ یہ زمرد قبول کیجئے اور اس کے عوض مجھے ایک گھوڑا دیجئے تا کہ اس پر اپنی بیمار ماں اور صاحب فراش بھائی کو بٹھا کر لے جاؤں۔''

یہ سن کر سردار کچھ دیر خاموش رہا اور پھر ہاتھ بڑھا کر بولا کہ۔ لاؤ زمرد مجھے دو۔ تمھاری خواہش پوری کر دی جائے گی۔'' فاطمہ نے اپنی مٹھی کھول کر زمرد کا ٹکڑا سردار کو دیا اور بولی کہ۔'' لو یہ تمھارے گھوڑے کی قیمت ہے، میں کسی ہسپانوی کا احسان لینا گوارا نہیں کرتی۔''

(۳)

فاطمہ اپنی ماں اور بھائی کو گھوڑے پر سوار کر کے خود بھی پیدل ساتھ چل رہی ہے۔ اور تین سوار ہسپانوی لشکر کے مخاطب کے لئے ساتھ ہیں۔ جب لشکر کے حدود سے یہ مختصر سا قافلہ گزر گیا اور مزاحمت کا اندیشہ باقی نہ رہا یہ لوگ ایک جگہ رکے اور ان تین سواروں میں سے ایک سوار آگے بڑھ کر فاطمہ سے مخاطب ہوا کہ۔'' اے لڑکی تو نے ایک گھوڑا خرید کر اپنی سواری قبول نہ کی اور پیدل چلنا ہی گوارا کیا۔ اب ہم تم جدا ہو رہے ہیں۔ میں ایک التجا تجھ سے کرتا ہوں۔ امید ہے کہ تو قبول کرے گی۔''

یہ کہہ کر سوار نے نقاب چہرے سے اٹھائی تو فاطمہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ یہ تو خوسپہ سالار ہے جس سے اس نے گفتگو کی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے زمرد کا ٹکڑا فاطمہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ:۔'' اس کو اپنے ہی پاس رکھو کیونکہ یہ تمھارے خاندان کی عزیز یادگار ہے۔ اور میں بھی اس یادگار کا احترام کرتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اہل عرب جو مجھے سید کے لقب سے یاد کرتے ہیں واقعی خود بھی سردار و سید ہیں اور ان کی یادگار کا احترام مجھ پر بھی واجب ہے۔''

فاطمہ نے آنکھوں سے آنسو ٹپکاتے ہوئے زمرد واپس لیا اور بولی کہ:۔

'' اے سردار واقعہ ہے کہ جنھوں نے تجھے سید کا لقب دیا انھوں نے غلطی نہیں کی۔ تو واقعی اسی کا مستحق ہے۔''

یہ کہہ کر فاطمہ نے اپنا راستہ اختیار کیا اور زامورہ کو آگ اور خون سے کھیلنے کے لئے ہمیشہ کے واسطے اپنے پیچھے چھوڑ گئی۔

Marfat.com

وصل بعد وصال

(۱)

نومبر ۱۸۴۸ء کی آٹھویں تاریخ ہے اور امیر عبدالقادر جزائری معہ اپنی بیویوں اور لڑکیوں، اعوان و انصار کے شہر امبوزا کے اندر ایک عالی شان قصر کے اندر فروکش ہیں جسے حکومت فرانس نے ان کے قیام کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

امیر عبدالقادر جزائری وہی وطن پرست و غیور امیر تھا جس نے اپنے ملک اور اپنے آباو اجداد کی روایات شجاعت کی حمایت میں ایک زمانہ تک فرانسیسی فوجوں سے جنگ کی اور اگر دس بار خود شکست کھائی تو پانچ مرتبہ دشمن سے بھی اپنی تلوار کا لوہا منوا چھوڑا۔ لیکن فرانس کی زبردست حکومت و منظم فوج سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا، آخر کار اہل فرانس بلاد غربی میں ساحل سے لے کر ریگستانوں تک وسیع حصہ زمین پر قابض ہو گئے اور ۲۸ اگست ۱۸۴۸ء کی شام کو امیر عبدالقادر اپنی تلوار، دشمن کے حوالے کرنے پر مجبور ہو ہی گیا۔ ہر چند عساکر فرانس کے جنرل نے امیر موصوف سے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر وہ اپنے آپ کو حوالے کر دیں گے تو ان کو اجازت دے دی جائے گی وہ شرقی دیار عرب میں جہاں چاہے چلے جائیں۔ لیکن حکومت فرانس اس عہد پر قائم نہ رہی اور انھیں فرانس بھیج دیا جہاں وہ قصر امبوزا میں ایک قیدی کی حیثیت سے رکھے گئے۔ یہاں یہ ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۲ء تک رہے اور ۱۸۵۲ء میں جب انقلابی دور فرانس میں شروع ہوا تو امیر عبدالقادر دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی۔

Marfat.com

ان لوگوں میں سے جنھوں نے امیر عبدالقادر کا ساتھ دیا تھا اور جوان کے ساتھ امبوزا میں نظر بند تھے ایک شخص عبدالسمیع مغربی بھی تھا۔ اس نے جس طرح امیر کا ساتھ ان کے ایام کامیابی میں دیا تھا۔ اسی طرح ادبار میں بھی دیا اور امیر کی محبت ترک کرنا کسی طرح گوارا نہ کیا۔ امیر بھی اس سے محبت کرتے تھے اور ان کو پوری طرح احساس تھا کہ اس نے محض ان کی محبت میں اپنے وطن اور اہل وعیال سب کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ عبدالسمیع، امیر سے کہا کرتا کہ "اے میرے آقا، میں نے اپنے قلب کے دو ٹکڑے کر لئے ہیں ایک خدا کے لئے وقف ہے۔ اور دوسرا آپ کے لئے۔" لیکن اسے خبر نہ تھی کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے جب اسے اپنے قلب کے تین حصے کرنا پڑیں گے اور ایک کسی اور ہستی کے لئے وقف کرنا ہوگا۔

یہ ہستی ایک نوجوان فرانسیسی لڑکی کی تھی جس کا نام السی فونتان تھا۔ یہ لڑکی ایک خادمہ کی حیثیت سے امیر کے قصر میں کام کرتی تھی اور یہیں دونوں کے درمیان پیمان محبت استوار ہو گیا تھا اور اس نے بھی اپنے محبوب کے ساتھ اسیری کی زندگی اختیار کر لی تھی۔

اتفاق سے ایک دن یہ لڑکی اپنے والدین واعزہ سے ملنے گھر گئی تو انھوں نے اس کو قید کر لیا اور پھر نہ جانے دیا۔ کیونکہ ان کو اس کے تعلق خاطر کا حال معلوم ہو گیا تھا اور وہ کسی طرح گوارہ نہ کر سکتے تھے کہ وہ ایک غیر مذہب وغیر ملک کے انسان سے وابستگی پیدا کرے۔ انھوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ۔ "ہم کو تیری موت گوارا ہے لیکن غیر کفو میں شادی کرنا کسی طرح منظور نہیں" اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی عہد کیا کہ وہ امیر اور عبدالسمیع دونوں سے اس کا انتقام لیں گے۔

ہفتوں گذر گئے اور وہ لڑکی قصر تک واپس نہ آسکی۔ عبدالسمیع کا تردد بڑھتا جارہا تھا اور حیران تھا کہ اس کی غیر حاضری کا سبب کیا قرار دے۔ آخر کار اس نے دوسری لڑکیوں سے تحقیق حال کی اور جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی محبوبہ مقید ہے اور ہر وقت ملول وحزیں رہتی ہے تو اس کی تکلیفیں اور بڑھ گئیں۔

Marfat.com

(۲)

نومبر ۱۸۵۱ء کی پانچویں تاریخ صبح کو جب اہل قصر کی آنکھ کھلی تو سنا کہ پائیں باغ کی سمت سے فریاد وزاری کی آواز آرہی ہے۔ سب لوگ دوڑ پڑے اور دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی رات کے لباس میں لوٹتی ہوئی چلی آرہی ہے اس حال میں کہ اس کے سینہ اور پہلو سے خون جاری ہے۔ لوگ اس کو فوراً قصر کے اندر لے آئے اور علاج میں مصروف ہو گئے۔ یہ لڑکی زخموں کی تکلیف سے بیتاب تھی۔ درد سے تڑپ رہی تھی، لیکن عبدالسمیع کا نام ہر وقت اس کی زبان پر تھا لوگ حیران تھے کہ یہ کیا قصہ ہے ابھی تک عبدالسمیع کو بالکل علم نہ تھا کہ کون لڑکی کس حال میں قصر کے اندر آئی ہے جب عبدالسمیع نے یہ خبر سنی تو وہ بھی محض تماشائی کی حیثیت سے اس کو دیکھنے گیا، مگر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ تو اس کی محبوبہ تھی جس کے لئے وہ ہر وقت مضطرب رہا کرتا تھا اور جس کے دفعتاً غائب ہو جانے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی تھی وہ بے اختیار اس سے لپٹ گیا اور دیوانوں کی طرح اس کا مجروح سینہ اور غم آلود چہرہ چومنے لگا۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ جب جوش کم ہوا تو عبدالسمیع نے بھی محسوس کیا کہ وہ مشرقی روایات وتہذیب سے ہٹا جارہا ہے اور اس لئے اس نے آہستگی سے لڑکی کا سر تکیہ پر رکھ دیا اور خاموش الگ کھڑا ہو گیا۔

جب اس کے ساتھیوں نے پوچھا کہ "تمھاری شناسائی اس لڑکی سے کیونکر ہوئی اور اس بے تکلفی و بے حجابی کے کیا معنی ہیں۔" تو اس نے کہا کہ میں امیر کے روبرو تمام واقعات بیان کروں گا اور اگر مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے تو امیر ہی کے حضور میں سزا کو قبول کروں گا۔"

(۳)

جب امیر عبدالقادر کو اطلاع ہوئی تو حکم دیا کہ دونوں سامنے لائے جائیں چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی اور ان دونوں نے اپنی داستان محبت کو شروع سے آخر تک دہرایا لڑکی نے گھر میں قید کر لئے جانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ اے امیر آج میں نے گھر سے بھاگ نکلنے کا ارادہ کر ہی لیا۔ خدا معلوم میرے بھائی کو کس طرح خبر ہو گئی اور اس نے مجھے

Marfat.com

راستہ میں پکڑ کر اصرار کیا کہ پھر گھر واپس جاؤں، لیکن جب میں کسی طرح راضی نہ ہوئی تو اس نے اپنا خنجر نکال کر میرے پہلو اور سینہ میں پیوست کر دیا۔ میں گر پڑی اور مجھے مردہ سمجھ کر بھاگ گیا۔

لڑکی نے یہ کہا اور دفعتاً اس کی گردن شانہ کی طرف ڈھلکنے لگی۔ حتیٰ کہ چند لمحوں کے اندر وہ زمین پر گر پڑی اس حال میں کہ اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ اور اس کا جسم سرد ہو گیا تھا۔

امیر عبدالقادر نے حکومت سے اس لڑکی کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت حاصل کر کے اسے قصر کے جوار میں سبز سایہ دار درختوں کے نیچے مدفون کر دیا اور دیر تک اس واقعہ سے متاثر رہا۔

(۴)

۱۱ ستمبر کی صبح کو امیر عبدالقادر معہ اپنے ساتھیوں کے امبوزا سے کوچ کی تیاریاں کر رہے ہیں کیونکہ حکومت فرانس نے ان کو آزاد کر دیا ہے اور اجازت دیدی ہے کہ جہاں جی چاہے چلے جائیں۔ امیر جب اہتمام سفر سے فارغ ہو کر اپنے ساتھیوں کا جائزہ لینے لگا تو معلوم ہوا کہ عبدالسمیع ان میں موجود نہیں ہے۔

امیر نے جستجو کی تو دیکھا کہ عبدالسمیع اپنے کمرے میں مردہ پڑا ہوا ہے اور ایک تحریر اس کے سینے پر رکھی ہوئی ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ:-

اے امیر میں البس قونتان کو تنہا چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ اس لئے جایئے تو مجھے اس کے پاس دفن کر کے جایئے۔

(۵)

چنانچہ آج بھی فرانس کے شہر امبوزا میں اگر کوئی سیاح جائے اور مسلمانوں کے قبرستان کی سیر کرے تو دیکھ سکتا ہے کہ ایک گوشہ میں چند درختوں کے نیچے ایک قبر زرد پتھر کی پائی جاتی ہے جس کے سرہانے سنگ مرمر کی تختی نصب ہے۔ یہی ہے البس قونتان اور

Marfat.com

عبدالسمیع کی قبر جہاں وہ کبھی نہ جدا ہونے کے لئے ہمیشہ کے واسطے ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔

Marfat.com

تاجدار رقاصہ

(۱)

آج قصر فرعون، دلہن کی طرح سجا ہوا ہے اور جوق در جوق تماشائی ہر چہار طرف سے کھنچ کھنچ کر چلے آ رہے ہیں۔ فوج کے مسلح سپاہی با قاعدہ دروازوں پر کھڑے ہوئے نگرانی کر رہے ہیں۔ موسیقی کی آوازیں مختلف خوشبوؤں کے ساتھ لپٹی ہوئی اندر سے آ کر باہر کے تماشائیوں کے کانوں تک پہنچ رہی ہیں۔ جب کوئی کاہن یا سردار اندر داخل ہوتا ہے تو لوگوں کی صفیں پھٹ جاتی ہیں اور ان پر ہر طرف سے پھول برسائے جاتے ہیں۔ آج فرعون نے جشن طرب برپا کیا ہے اور اپنے ملک کے تمام اکابر کو دعوت شرکت دی ہے۔

فرعون، امنحوتب چہارم اپنے طلائی جڑاؤ تخت پر پوری شان فرعونیت کے ساتھ جلوہ گر ہے، چاروں طرف امراء حلقہ کئے ہوئے ہیں، رامشگر، رقص و سرود میں مصروف ہیں۔ اور ہر طرف، فرعون زندہ باد کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔

فرعون کے پہلو میں اس کی ماں ملکہ یتی بیٹھی ہوئی ہے جو امنحوتب ثالث کی بیوی تھی۔ امنحوتب ثالث، فراعنہ، مصر میں نہایت ہی بہادر قوی فرعون گزرا ہے اس کے متعلق مشہور تھا کہ اس نے اپنی زندگی میں کوئی تیر ایسا نہیں چلایا جو نشانہ پر جا کر بھرپور نہ بیٹھا ہو۔ میدان جنگ میں اس کی شجاعت بجلی کا سا کام کرتی تھی، اور جب شکار کو جاتا تھا تو صحرا کا صحرا

Marfat.com

درندوں سے خالی ہو جاتا تھا۔ اس نے دس سال کے عرصہ میں علاوہ بہت سے درندوں کے ایک سو بارہ شیر اپنی تلوار سے ہلاک کئے۔ اس کا بیٹا امنحوتب چہارم بھی اپنے باپ کی طرح فتح ممالک کا شایق تھا، لیکن اس کا طریق کار جدا تھا اس کے اسلحہ کچھ اور تھے اس کا باپ تو تیر و تبر۔ تیغ و خنجر۔ نیزہ و کمان سے کام لے کر دشمنوں کو مغلوب کرتا تھا۔ لیکن اس نے نئے دین اور نئے عقائد کا اجراء کر کے لوگوں کی روح کو مفتوح کرنا چاہا اس نے کاہنوں کے اقدار اور خدائے آمون کے پرانے معاہدوں کو ہٹا کر نئے ہیکلوں کی بنیاد ڈالی اور اسی وقت سے اس کا نام اخناتون ہو گیا۔

لیکن اس وقت جو جشن اس نے ترتیب دیا اس کا تعلق کسی مذہبی رسم سے نہ تھا بلکہ فرمانروائے سوریا و شرقہ کے ایلچی کی پذیرائی کے لئے تھا،

امنحوتب کی ماں ملکہ یتی نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کے لئے اپنے ہی باج گزار بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی بیٹی کو تلاش کرے اور چونکہ شاہ سوریا کی بیٹی حسن و جمال کے لحاظ سے اس وقت آشوب زمانہ بنی ہوئی تھی، اس لئے اس نے وہیں پیام دیا اور اس وقت وہیں کا ایلچی ہدایا وغیرہ لے کر آیا تھا تا کہ رسم نسبت ادا کی جائے اور شاہ سوریا کی بیٹی تادو۔ اخناتون کے رشتہ ازدواج میں آ کر ملکہ مصر بنے۔

(۲)

شاہ سوریا کے ایلچی نے اپنے بادشاہ کا مکتوب پیش کیا اور وہ ہدایا سامنے گذارے جو اخناتون کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اخناتون نے ان کو نہایت مسرت کیساتھ قبول کیا اور افسر تشریفات کو حکم دیا کہ جلسہ رقص شروع کیا جائے۔

اس حکم کے ملتے ہی مصر کی بہترین رقص کرنے والی لڑکیاں جو اپنے حسن جمال اور فن دلربائی کے لحاظ سے نظیر نہ رکھتی تھیں۔ دس دس کی ٹولی میں سامنے آئیں اور اپنی سحر کاریوں سے ہر ہر شخص کو مبہوت بنانا شروع کیا۔ جب ان سب کا رقص ختم ہو گیا تو معلوم ہوا کہ ایک رقاصہ باقی رہ گئی ہے جو تنہا بغیر کسی کی معیت کے اپنے فن کی نمائش کرنا چاہتی ہے۔ فرعون نے حکم دیا کہ حاضر کی جائے۔

Marfat.com

وہ اندر داخل ہوئی اور اس ادا سے گویا کہ وہ وادی نیل کی سب سے زیادہ لچکدار ناگن تھی۔ اس نے ناچنا شروع کیا مگر اس انداز سے گویا کہ وہ اپنی ہر ہر حرکت رقصیہ سے کائنات کو الٹ دینا چاہتی ہے۔ اس کی آواز میں اس کی آنکھوں میں اس کے جسم کی ہر ہر جنبش میں، ایک ایسا ملکوتی سحر پنہاں تھا کہ لوگ یہ محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ کسی اور دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ رقص ختم ہوا تو اخناتون نے ایک عالم مسرت میں حکم دیا کہ اس کو سامنے لایا جائے۔ وہ ڈری کہ کہیں اس کے رقص کا الٹا اثر تو نہیں ہوا کیونکہ فراعنہ کی بہت سی داستانیں وہ سن چکی تھی، اور متعدد مثالیں اس کے سامنے ایسی تھیں کہ سب سے زیادہ خونریزیاں انھوں نے اسی وقت کیں جب ان کے چہرے مسکرا رہے تھے اور آنکھوں سے مسرت ٹپک رہی تھی وہ سامنے گئی اس طرح ڈرتی ہوئی، کانپتی ہوئی گویا کہ وہ شاخ بید تھی جس سے بادصرصر گزر جائے۔

اخناتون نے کہا اور قریب آ۔ اس کو یقین ہو گیا کہ آج خیر نہیں۔ وہ آگے بڑھی لیکن بالکل اس طرح جیسے کوئی جسم بے جان کو پکڑ کر آگے بڑھا دے۔

اخناتون نے کہا اور قریب آ۔ وہ آگے بڑھی۔ یہاں تک کہ فرعون کے چہرے سے اس کے چہرے کا فاصلہ ایک بالشت سے زیادہ نہ تھا۔

فرعون نے پوچھا۔ میں نے تجھے اس سے قبل قصر کے ارباب نشاط میں نہیں دیکھا تو ابھی آئی ہے۔

رقاصہ۔ اے مالک مجھے یہاں آئے ہوئے کئی مہینے ہو گئے۔

فرعون۔ کیا رقص تجھے بہت محبوب ہے۔

رقاصہ۔ اے آقا، جنون کی حد تک۔

فرعون۔ کیا تو شرفاء مصر کے کسی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

رقاصہ۔ ہاں! اے آقا۔

فرعون۔ تیرا نام کیا ہے۔

رقاصہ۔ نفرتیتی۔

Marfat.com

فرعون۔ کس قدر پیارا نام ہے۔نفرتیتی

دربار میں سکوت کامل طاری تھا کہ فرعون اٹھا اس نے رقاصہ کے دونوں گالوں پر ہاتھ رکھے اور اس کو اپنے سے اور زیادہ قریب کھینچ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ اے نفرتیتی تیرے اس خوبصورت سر پر مصر کا تاج کس قدر بھلا معلوم ہوگا۔

یہ سنتے ہی رقاصہ کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہو گئے اور فرعون نے اس کے بالوں کی لٹوں کو چھوتے ہوئے پھر کہا۔ اے نفرتیتی ! تیرے اس خوبصورت سر پر مصر کا تاج کس قدر بھلا معلوم ہوگا۔

(۳)

ملکہ تیتی یہ حالات معلوم کر کے بہت فکر مند ہوئی اور اس نے اپنے بیٹے کو تنہائی میں بلا کر سمجھایا کہ اس طرز عمل سے شاہ سوریا کو سخت تکلیف پہنچے گی اور نقض عہد مناسب نہیں، کاہنوں نے کہا کہ اگر نفرتیتی سے شادی کا ارادہ کیا تو ملک پر بڑی بڑی مصیبتیں نازل ہوں گئی۔ کاہنوں کے سردار نے کہا کہ وہ رسم نکاح کو ادا نہ کرے گا۔ لیکن ان سب کا جواب اخناتون کے پاس صرف یہی تھا کہ نفرتیتی کے خوبصورت سر پر مصر کا تاج کتنا بھلا معلوم ہوگا۔

ایک مہینہ کے بعد سرزمین مصر نے ایک اور منظر جشن طرب کا دیکھا۔ جلوس راستہ سے گزر رہا ہے۔ فوجی دستے مسلح سوار چاروں طرف حفاظت پر مامور ہیں اور شاہ سوریا کی بیٹی زریں رتھ پر سوار قصر فرعون کی طرف جا رہی ہے۔

اخناتوں نے پورے شاہانہ اہتمام کے ساتھ اپنی بیوی کا خیر مقدم کیا، لیکن اس کی صورت دیکھنے سے انکار کر دیا۔ ہفتوں پر ہفتے گزر گئے۔ لیکن اخناتون کسی طرح اس پر راضی نہ ہوا کہ وہ شاہ سوریا کی بیٹی سے خلوت میں ملے۔ آخر کار ملکہ تیی نے مجبور ہو کر اسے شاہ سوریا کے پاس اس انعام کے ساتھ واپس کر دیا کہ فرعون بیمار ہے اور اس کی بیماری تعلق ازدواج کے منافی ہے۔

ٹھیک اس وقت جبکہ تادوزا اپنے باپ کے سامنے سوریا میں اپنی تمام داستان درد دہرا رہی تھی مصر میں ہنگامہ جشن برپا تھا اور نفرتیتی مصر کا تاج زیب سر کئے ہوئے اخناتون کے

Marfat.com

پہلو میں حکمرانی کر رہی تھی۔

(۴)

امنحوتب، جس نے انقلاب دینی کے بعد اپنا نام اخناتون رکھ لیا تھا۔ ۳۰ سال کی عمر تک زندہ رہا اور نفرتیتی سے سات لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن میں سے دوسری لڑکی ایک سردار سے بیاہی گئی جس کا نام توتو تھا اور جو بعد کو توت عنخ آمون کے نام سے مشہور ہوا۔

یہی وہ فرعون تھا جس کا مقبرہ چند سال ہوئے دریافت ہوا اور عرصہ تک اخبارات میں موضوع بحث رہا۔

Marfat.com

ہندوستان کا ایک کاہن نجومی

(۱)

یہ وہ زمانہ ہے جب ہندوستان کے ہر گوشہ میں بدامنی و بے اعتمادی کی وباء پھیلی ہوئی ہے۔ وطن و ملک کی محبت کی جگہ خودغرضی ونفسانیت نے لے لی ہے۔ ہر چہار طرف نفاق وعناد کی آگ مشتعل ہے ایک رئیس دوسرے رئیس کو ایک راجہ دوسرے راجہ کو کھائے جا رہا ہے۔ گوشت سے ناخن جدا ہو رہا ہے اور غریب و مظلوم آبادی آگ اور خون سے گزر رہی ہے۔

انھیں امراء میں ایک امیر نانا صاحب کے نام سے مشہور ہے جو اپنے محلوں میں (اس کا اصل نام داندو پنتھ تھا اور باجی راؤ پیشوا کا متبنی تھا۔ نانا صاحب برٹش گورنمنٹ کا مخالف تھا۔ کیونکہ ۸ لاکھ سالانہ کی پنشن جس کے دینے کا وعدہ سر جان مالکم نے باجی راؤ سے کیا تھا روک دی گئی تھی۔ نانا صاحب نے اس عناد کا بدلہ برٹش گورنمنٹ سے اس طرح لیا کہ کانپور میں بہت سی انگریز عورتوں اور ان کے بچوں کو قتل کر ڈالا۔ بغاوت کے فرو ہونے کے بعد نانا صاحب بھی دوسرے مفروروں کے ساتھ نیپال کی طرف بھاگ گیا۔ اور پھر پتہ نہیں چلا کہ اس کا کیا حشر ہوا۔) اپنے محلوں میں داد عیش دے رہا ہے اور باپ کی چھوڑی ہوئی دولت کی بدولت تمام دنیاوی لذتوں کا مالک بنا ہوا ہے اور اس کو مطلق پروا نہیں کہ غریب رعایا پر کیا ظلم ہو رہا ہے۔ کس کس طرح اس کو ستایا جا رہا ہے اور ملک میں فقر و فاقہ نے نوع انسانی کے کثیر افراد کو کس حال تک پہنچا دیا ہے۔ اگر لوگ انگریزوں کے پاس شکوہ و شکایت لے کر جاتے ہیں تو وہ اپنے

Marfat.com

کان بند کر لیتے ہیں۔ اور اگر نانا صاحب سے فریاد کرتے ہیں تو وہ کوڑوں سے خبر لیتے ہیں۔ آخر کار یہ حالت اسی جگہ پہنچ کر ختم نہیں ہوگئی۔ بلکہ اس میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ اور انگریزوں نے اعلانیہ اپنی مخالفت کا اظہار کر کے تیغ وتفنگ کے ذریعہ سے اپنا تسلط قائم کر لیا۔ حالت یہ تھی کہ اگر کوئی ذرا بھی سرتابی کرتا تھا فوراً تہ تیغ کر دیا جاتا تھا اور ایسے آدمیوں کو جن کی طرف سے ضعیف سا امکان بھی مخالفت کا تھا۔ چن چن کے قید و بند میں ڈالا جا رہا تھا۔

نانا صاحب کے قصر میں ایک بیس سالہ حسین نوجوان لڑکی تھی جسے نانا صاحب کے باپ نے پرورش کیا تھا۔ نانا صاحب بھی اس سے بہت محبت کرتا تھا اس لڑکی نے ہر چند اسی قصر ظلم و استبداد میں پرورش پائی تھی۔ لیکن قدرت نے اسے عجیب طرح کا دردمند دل عطا کیا تھا اور وہ رعایا کی دردناک حالت دیکھ کر بہت کڑھا کرتی تھی۔ اگر کبھی وہ نانا صاحب سے اس کا ذکر کرتی اور اس کو لوگوں کی تباہ حالت کی طرف توجہ دلاتی تو وہ جواب دیا کرتا کہ:۔

''میں زندگی کی جس راہ سے گزر رہا ہوں اس کا حال تجھے نہیں معلوم لیکن تو عنقریب دیکھے گی کہ نانا صاحب خائن نہیں ہے جیسا کہ لوگ اسے سمجھتے ہیں اور نہ وہ انگریزوں کا کاسہ لیس بننا چاہتا ہے۔ جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے۔''

نانا صاحب ۱۸۲۵ء میں پیدا ہوا تھا اور زمانے کا سرد و گرم کافی دیکھ چکا تھا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ رعایا کا کیا حال ہے۔ وہ اچھی طرح واقف تھا کہ غریب ہندوستان اپنے سرمایہ دار مالک کے لئے کیونکر اپنے آپ کو قربان کر دیتا ہے۔ اور اس نے عہد کیا تھا کہ اپنی قوم کو اس عذاب سے ضرور نجات دلائے گا۔

اتفاق سے اسی زمانے میں ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ غدر شروع ہوا اور یکے بعد دیگرے ہندوستان کے تمام حصوں میں آگ مشتعل ہوگئی۔ نانا صاحب نے بھی اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنے خواب آزادی کی تعبیر ڈھونڈھنا چاہی۔ لیکن اس نے بجائے اعلان بغاوت کے خود اپنی ہی قوم کے لوگوں کو ستانا شروع کیا! اور انگریزوں کی اعانت کی تا کہ وہ اور نہ پامال کریں۔ اس میں نانا صاحب کا کیا راز مستور تھا؟ اس نے کیا تدبیر سوچی تھی؟ اس کا علم کسی کو نہ تھا۔

Marfat.com

(۲)

شہر کی سڑکوں پر آرائشی جھنڈیاں اڑ رہی ہیں پھولوں سے دروازے آراستہ کئے جا رہے ہیں اور ایک بڑے میدان میں کسی جلسہ کا اہتمام ہو رہا ہے۔

کوئی بڑا انگریزی افسر آنے والا ہے۔ اور نانا صاحب کے حکم سے تمام مخلوق اس کی پذیرائی کے لئے میدان میں جمع ہو رہی ہے۔

وقت معینہ پر انگریز افسر آیا۔ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ نانا صاحب نے اس کا استقبال کیا اور بلند چبوترے پر اس کو بٹھا دیا۔ نانا صاحب داہنی طرف بیٹھا ہوا تھا اور وہ لڑکی بائیں جانب۔ فوج چاروں طرف احاطہ کئے ہوئے تھی۔ انگریز افسر کھڑا ہوا اور یوں مخاطب ہوا۔

''حاضرین! ہم آج تمھاری سرزمین میں فاتحانہ داخل ہوئے ہیں اور جس جس نے سرکشی کی ہے اس کو پوری سزا دے چکے ہیں۔ لیکن آج میں یہاں تمھارے نانا صاحب کے بلاوے پر آیا ہوں جو ہمارا دوست و حلیف ہے اس لئے بتاؤ کہ تم صلح کے خواہشمند ہو یا جنگ کے۔۔۔ تاکہ دوستانہ ہاتھ بڑھائیں اگر تم امن کے طالب ہو۔۔۔ یا آگ اور خون برسائیں اگر جنگ چاہتے ہو۔''

یہ سننے کے بعد مجمع میں ہل چل پیدا ہو گئی اور چاروں طرف سے برہمی کے آثار نمودار ہونے لگے۔۔۔ انگریز افسر نے یہ سمجھ کر کہ اس نے لوگوں کو ڈرانے میں غالباً احتیاط سے کام نہیں لیا، اپنی تقریر کا رخ بدلنا چاہا، لیکن نانا صاحب فوراً کھڑا ہو گیا اور اس نے قوم کو مخاطب کر کے کہا:۔

تم لوگ بزدل ہو، ذلیل ہو، بے غیرت ہو۔ افسوس ہے کہ غیروں کی حکومت کا جواء تمھاری گردن پر پڑا ہوا ہے اور تم اس لعنت کے طوق پر مطمئن معلوم ہوتے ہو۔ اگر کچھ بھی شرم کا احساس ہے تو اپنی آوازیں بلند کرو اور مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

لوگوں نے یہ سنا اور ایک آواز ہو کر جواب دیا۔۔۔ ''تو خائن ہے تو نمک حرام ہے اور ہم تیرا ساتھ دینے کے لئے آمادہ نہیں۔"

Marfat.com

مجمع کی حالت اب ایسی تھی کہ شاید وہ نانا صاحب پر حملہ کر کے فنا کر دیتا لیکن عین اسی وقت ایک ضعیف العمر انسان اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے ہوئے دفعتاً کھڑا ہوا۔۔۔ یہ ایک نجومی تھا جس کا نام لوگوں کو معلوم تھا نہ وطن سے واقفیت تھی۔ یہ گاؤں گاؤں پھرا کرتا تھا اور عبادت و ریاضت روحانی کی تعلیم لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ نانا صاحب کی ربیبہ (لڑکی) اس کی بڑی عزت کرتی تھی اور یہ بھی اس سے بہت محبت کرتا تھا۔

لڑکی نے انگریز افسر سے کہا۔ "اس بوڑھے کو کہنے دو جو کچھ کہنا چاہتا ہے۔" افسر یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ اور بڈھے نجومی نے یوں خطاب کیا:۔

اے عزیز! ''کامل پچاس سال ہوئے کہ میں صحراؤں، پہاڑوں اور جنگلوں میں پھر رہا ہوں۔ تم دیکھتے ہو کہ میری انگلیاں اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہیں جیسے کسی طائر کا سینہ تیروں سے چھلنی ہو جائے۔ ایک زمانہ مجھ پر اس حال میں گزر گیا کہ سیلاب میرے اوپر سے گزر رہے تھے اور میں اپنی بڑھی ہوئی تشنگی بجھانے کے لئے ایک قطرہ بھی ان سے حاصل نہ کرتا تھا۔۔۔ سالہا سال میں نے اپنی زندگی کے اس طرح بسر کر دئے ہیں کہ تپتے ہوئے صحرا میں میرے عریاں جسم پر گرم آفتاب کی شعاعیں پڑ پڑ کر میرے عروق کے اندر خون کو خشک کرتی چلی جا رہی ہیں اور میں نے سایہ کی تلاش میں ایک برگ خشک کی بھی جستجو نہیں کی۔۔ پھر یہ بھی سن لو کہ کامل دس سال میں نے جنگلوں میں اس طرح صرف کر دئے ہیں کہ جب بہت بھوکا ہوتا تھا تو درختوں کی چھال چاٹ لیتا تھا اور جب بہت پیاس لگتی تھی تو رات کے آنسوؤں سے جنھیں تم شبنم کہتے ہو تسکین کر لیتا تھا درندوں نے مجھ سے وحشت ترک کر دی تھی اور چڑیاں میرے الجھے ہوئے بالوں میں آ کر بسیرا کیا کرتی تھیں۔۔۔۔۔''

نانا صاحب ہاتھ میں کوڑا لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور ارادہ کیا کہ اسے خاموش کر دے لیکن انگریز افسر نے کہا کہ نہیں اس کو اپنی تقریر ختم کر لینے دو۔

بڈھے نجومی نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

''یاد رکھو کہ دنیا کی کوئی سختی مجھے نہیں ڈرا سکتی۔ کسی ضرب کا مجھ پر اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ میرا جسم تو پتھر ہو گیا ہے اور اس پر چوٹوں کا اتنا ہی اثر ہو گا جیسے پتھر کی چٹانوں سے ہوا

Marfat.com

گزر جائے۔۔۔ ہاں تو ایک طویل زمانہ میں نے ایسی فضا میں بسر کر دیا جس کی تاریکی نہایت شدید اور جس کا سکون حد درجہ خوفناک تھا۔ میں اس تاریکی میں گھرا ہوا تھا اس سیاہ چادر نے میری بصارت و بصیرت دونوں پر پردہ ڈال رکھا تھا کہ دفعتاً ایک دن یہ پردہ پھٹا اور ایک آسمانی کڑک نے مجھ کو بیدار کر کے کہا کہ اٹھ کھڑا ہو اور چل۔ معرکہ کا دن آ گیا ہے۔ چل اور اپنے راستے میں ان سرخ بیجوں کو بکھیرتا جا جو تیری مٹھی میں بند ہیں۔ چل۔ اپنی کرخت راگنیوں کو فضا میں بلند کر اور پکار پکار کر سب کو بلا اور کہہ کہ آؤ ان خونیں کھیتوں کو کاٹیں۔ اے کاہل و ناعاقبت اندیش کسانو! دن طلوع ہو گیا ہے اور آفتاب اپنے خنجر لے کر بلند ہو چلا ہے۔ آؤ۔ چلو، بڑھو اور ان سرخ کھیتوں کو کاٹنا شروع کرو۔

یہ کہہ کر اس نے انگریز افسر اور ان کی سرخ پوش فوجوں کی طرف اشارہ کیا۔ نانا صاحب یہ سنتے ہی چیخ اٹھا۔ ''اے میرے دوست تو نے بالکل صحیح کہا۔ کھیتی کاٹنے کا وقت آ گیا ہے''۔۔ ایک گھنٹہ نہ گزرا تھا کہ انگریزی افسر مع اپنی فوج کے قید خانہ میں پڑا ہوا تھا۔ اور جوق در جوق جماعتیں جنگ کے لئے آمادہ ہو کر چلی آ رہی تھیں۔

(۳)

اس واقعہ سے تو تاریخ کے صفحات خالی ہیں۔ لیکن اس کے بعد کا حال سب کو معلوم ہے کہ کامل دو سال تک نانا صاحب نے انگریزوں سے جنگ کی اور جب وہ کانپور میں پوری بے رحمی کے ساتھ اس سرخ کھیتی کو کاٹ چکا تو ۱۸۵۹ء میں اپنی اہلیہ اور احباب و اعوان کے ساتھ کسی طرف کو نکل گیا۔ انگریزوں نے یہ خبر مشہور کی کہ نانا صاحب مارا گیا اور عنقریب اس کا سر دہلی کے بازاروں میں گشت کرایا جائے گا۔ لیکن اس کی تکمیل کبھی نہیں ہوئی اور آج تک کسی کو نہیں معلوم کہ نانا صاحب کو آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔

Marfat.com

حسن کی شہر آشوبیاں

(۱)

شام کا وقت ہے ہلکی ہلکی تاریکی افق سے بڑھ رہی ہے۔ اور ان چڑیوں کی طرح جن کو بسیرا لینے کے لئے دیر ہوگئی ہو، ماہی گیر اپنی اپنی کشتیوں کے بادبان جلدی جلدی لپیٹ رہے ہیں۔

ساحل اسکندریہ پر آخری کشتی آہستہ آہستہ پہنچی ہے۔ ایک آدمی سیاہ لبادہ میں لپٹا ہوا خاموشی سے اترتا ہے اور ایک عورت کو ہاتھ کا سہارا دیتے ہوئے نیچے اتارتا ہے۔۔۔ ہم نے اس کو عورت کہا۔ حالانکہ اس کے چھریرے نازک جسم اور ہلکے ہلکے قدموں کو دیکھتے ہوئے اسے کمسن لڑکی کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔

سترہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ اور وہ کونسی عورت ہے جسے اس عمر میں ''لڑکی'' سے زیادہ کسی اور لفظ سے منسوب کیا جا سکے، لیکن کلیو پیٹرا جو اس وقت کی نہایت شایستہ و ترقی یافتہ قوم کی فرد تھی اور جو ادب و انشا و فنون لطیفہ میں مہارت تامہ حاصل کر چکی تھی۔ اپنے دل و دماغ کے لحاظ سے اسی عمر میں، پوری عورت، ہو چکی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ ٹولمی کی لڑکی کو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ وہ ٹولمی جس نے اندرونی بغاوتوں اور بیرونی حملوں کے وقت بھی بانسری اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑی اور جس نے ملک کی ہر تباہی کا خیر مقدم تازہ جام شراب سے کیا۔۔۔ ظاہر ہے کہ وہ لڑکی جس کی پرورش ایسی عیش کوش فضا میں ہوئی ہو، جس کا

Marfat.com

ماحول صرف شباب وشراب کی بدمستیاں رہا ہو، وہ سترہ سال کی عمر میں کیا کچھ نہ ہوگئی ہوگی۔

یہ وہ زمانہ ہے جب کلیوپیٹرا کو اس کے بھائی نے جلاوطن کر کے تھیباڈ میں نظر بند کر دیا تھا۔ اور سیزر، اسکندریہ میں موجود تھا۔ یوں تو کلیوپیٹرا ہر وقت اسی ادھیڑ بن میں لگی رہتی تھی۔ کہ کیونکر اپنے بھائی سے انتقام لے کر، مصر کے تخت وتاج پر قابض ہو۔ لیکن سیزر کی آمد سے اس کو اپنی کامیابی کی امیدیں زیادہ قوی ہوگئی تھیں اور اس لئے وہ اپنے ایک خاص شخص اپالودورس کی مدد سے خفیہ طور پر ساحل اسکندریہ تک پہنچ گئی تا کہ سیزر کی امداد سے اپنی کھوئی ہوئی حکومت مصر پھر حاصل کر سکے۔

کلیوپیٹرا، ساحل اسکندریہ تک تو تمام مصائب برداشت کرنے کے بعد پہنچ گئی تھی۔ لیکن اب بڑا اہم سوال یہ تھا کہ سیزر تک کیونکر پہنچ سکے۔ کیونکہ مصری سپاہیوں اور جاسوسوں سے اس وقت اسکندریہ کی ایک ایک گلی معمور تھی اور کلوپیٹرا جانتی تھی کہ اگر ذرا بھی کسی کو پتہ چل گیا تو اس کی گرفتاری یقینی ہے۔

اپالوڈورس نے جو بہت ذہین تھا۔ آخر کار ایک تدبیر نکالی اور کلیوپیٹرا کے نازک و لچکیلے جسم کو قالینوں میں لپیٹ کر اپنے قوی شانوں پر رکھا اور قصر نیزر کی طرف روانہ ہوگیا۔

جب اپالوڈورس، قصر کے دروازے پر پہنچا تو حاجیوں اور دربانوں نے اس کو روکا۔ لیکن جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ شخص قالینوں کا تاجر ہے اور سیزر کے سامنے اپنا مال پیش کرنا چاہتا ہے تو کوئی تعرض نہ کیا گیا اور وہ آزادی کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔

(۲)

ہر چند سیزر، اب جوان نہ تھا اور زندگی میں ایک انسان کو جتنی مسرتیں اور لذتیں میسر آسکتی ہیں۔ ان سب سے وہ لطف اندوز ہو چکا تھا۔ لیکن احساس نشاط ہنوز اس میں باقی تھا۔ اور یہی وہ خصوصیت تھی جس پر اعتماد کر کے کلیوپیٹرا اس کے پاس آئی تھی۔

جس وقت اپالوڈورس نے کلیوپیٹرا کو قالینوں کے اندر سے نکالا تو اس کی حالت ایسی تھی جیسے کسی وحشی ہرن کو آزاد کر دیا جائے اور وہ تھوڑی دیر تک گھبرایا ہوا ادھر ادھر دیکھتا رہے۔ اس نے اپنے چھوٹے سے نقری آئینہ میں جو کمر کی طلائی زنجیروں سے لٹکا ہوا تھا اپنی

Marfat.com

صورت دیکھی معلوم ہوا کہ نہ آنکھوں میں سرمہ کی تحریر کا کہیں پتہ ہے اور نہ گالوں میں غازہ کی سرخی کا لباس بھی حد درجہ بے ترتیب ہے۔ اور بال بھی الجھے ہوئے شانوں پر بکھرے ہوئے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد اس کا احساس حسن پھر قوی ہو گیا اور وہ اسی سادگی حسن و شباب کو لئے ہوئے سیزر سے ملنے اور اس کو مغلوب کرنے کے لئے آگے بڑھی۔

وہ آگے بڑھتی جاتی تھی اور سیزر اس کے لچکیلے جسم کی جنبش اور اس کی دلکش سبک رفتاری کی نزاکت کو نہایت حریصانہ نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ وہ قریب آئی تو سیزر نے اس کی ابروؤں کے خوبصورت خم کو دیکھا۔ اس کی مست و مخمور آنکھوں سے نکلنے والے جادو کو دیکھا۔ اس کے باریک پنکھڑی کی طرح باریک نتھنوں کو دیکھا، اور ایک دوسرے سے جدا رہنے والے گداز لبوں کو دیکھا۔ اس کے جسم کے نرم کندن کو دیکھا اور ایک ایسے جذبہ کے ساتھ جو اس وقت تک کبھی اس کے دل میں پیدا نہ ہوا تھا بے اختیار کہہ اٹھا کہ، اے کلیوپیٹرا، بول میں تیرے لئے کیا کر سکتا ہوں۔

کلیوپیٹرا نے جو یونانی، شامی، مصری اور لاطینی زبانوں کی ماہر تھی سیزر کو اس کی ملکی زبان میں جواب دیتے ہوئے بھائی کے مظالم بیان کئے اور یہ التجا پیش کی کہ مصر کا تاج و تخت حاصل کرنے میں اس کی مدد کی جائے۔

ظاہر ہے کہ سیزر جو ہمیشہ سے عورت کے حسن و شباب کا غلام رہا تھا۔ کلیوپیٹرا کی کسی خواہش کو رد نہ کر سکتا تھا۔ اور وہ فوراً اس کے فرمان کی تعمیل کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن حالات اس قدر عجلت کے مقتضی نہ تھے کیونکہ وہ اسکندریہ صرف سیاحانہ طور پر آیا تھا۔ اور اس کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ مصری سپاہ کا مقابلہ کر سکتا۔

کلیوپیٹرا نے اس کو سمجھایا اور کہا کہ "اگر یہ پس و پیش کمئ افواج کی وجہ سے ہے تو فی الحال میری حکومت کا صرف اعلان کر دیا جائے اور جب روم سے فوج آ جائے تو میرے بھائی کو تخت سے اتار کر میرے سپرد کر دیا جائے۔"

اس طرف جب ٹولمی دوازدہم کو معلوم ہوا کہ اس کی بہن قید سے نکل کر سیزر کے پاس پہنچ گئی ہے تو اس نے اچلیس کی قیادت میں ایک زبردست فوج اسکندریہ کی طرف روانہ

Marfat.com

کی اور رومی سپاہ کے ایک دستے کو جو وہاں موجود تھا تہ تیغ کرا دیا۔۔۔ یہ تھی ابتداء اس جنگ کی جو کامل دو سال تک مصری و رومی سپاہ کے درمیان جاری رہی اور جس نے ہزاروں انسانوں کا خون بہانے کے بعد اسکندریہ کے مشہور کتب خانے کو بھی جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔

سیزر تازہ رومی افواج کے انتظار میں قصر بروینم کے اندر محصور ہے اور کلو پیٹرا ابھی سرزمین مصر پر لڑائی کی آگ روشن کر کے سیزر کے ساتھ ہی قصر کے اندر مقیم ہے۔

بروشیم، اسکندریہ کا وہ مشہور محل تھا جس کی بنیاد سکندر اعظم نے ڈالی تھی اور جس میں اس کے جانشینوں نے برابر اضافہ کر کے اس کو ایک نہایت ہی مستحکم قلعہ اور نہایت ہی جمیل قصر کی صورت دیدی تھی، اس کے بڑے بڑے مرمری ایوان جو یونانی و مصری تعمیر کی نازک ترین صناعیوں کا نمونہ تھے۔ اس کے زرین در و دیوار، مطلا بام و سقف، صیقل شدہ آئینہ کے حوض، بلور کے ترشے ہوئے فوارے۔ وسیع قطعات چمن، یوں تو سیزر کے لئے ہمیشہ جاذب نظر تھے۔ لیکن یہ حقیقت کلیو پیٹرا کے آنے کے بعد ہی اس پر کھلی کہ ان تمام چیزوں میں کبھی کبھی جان بھی پڑ جایا کرتی ہے اور جس وقت ان مناظر میں یوں جان پڑ جاتی ہے تو پھر ایک انسان کے لئے تمام کائنات کو بھلا دینا کس قدر آسان ہو جاتا ہے۔

واقعی سیزر اس وقت تمام دنیا کو حرف غلط سمجھ رہا تھا اور کلیو پیٹرا کی معیت میں جو اسے مجسم ''عطریت'' نظر آتی تھی۔ ایک ایسی زندگی بسر کر رہا تھا جو اس سے قبل اس نے کبھی بسر نہیں کی تھی اور جسے وہ قدرت کا انتہائی انعام سمجھتا تھا۔

کامل چھ مہینے سیزر کو اس ''خلوت کدۂ فردوس'' میں زندگی بسر کرتے گزر گئے ہیں اور اسے مطلق ہوش نہیں کہ قصر بروشیم کے باہر کیا ہنگامہ برپا ہے۔ اور مصری افواج نے اس کے سپاہیوں کو کس قدر پریشان کر دیا ہے۔

ایک دن صبح کو تختہ گلاب میں بیٹھا ہوا وہ کلیو پیٹرا کے بالوں کی عطریت کا لطف اٹھا رہا تھا۔ کہ اس کو افواج روم کی آمد کی اطلاع ملی اور اس کا عسکری احساس دفعتاً بیدار ہو گیا۔ وہ اٹھ بیٹھا اور بولا کہ۔ اے کلیو پیٹرا، اب وقت آ گیا ہے۔ میں تیرے احسانات کے اعتراف میں مصر کا تاج و تخت تیرے قدموں میں ڈال دوں۔ اس لئے مجھے اجازت دے کہ چند دن

Marfat.com

کے لئے تجھ سے جدا ہو کر پھر انھیں تلواروں کے سائے میں پناہ لوں، جو سیزر کو ملکہ مصر کے التفات کا زیادہ اہل بنا سکتی ہیں۔

جس وقت روم کے سوار، گال کی پیادہ فوج۔ شلیشیا اور موڈس کے جہاز سامان رسد سے لدے ہوئے ساحل اسکندریہ پر پہنچے تو سیزر بھی جو چھ ماہ سے قلعہ بند تھا۔ باہر نکل آیا اور جنگ میں مصروف ہو گیا۔

اس میں شک نہیں کہ مصری فوج جو اچیلس کی سیادت میں برسر پیکار تھی بہت قوی تھی۔ لیکن روم کی منظم سپاہ اور سیزر کی کوہ شکن جرات کا کیا مقابلہ کر سکتی تھی۔ آخر کار اسے شکست ہوئی۔ کلیو پیٹرا کا بھائی مارا گیا اور سیزر نے اسکندریہ کی کنجیاں کلیو پیٹرا کے قدموں میں ڈال کر اس کو ایک بار ملکہ مصر تسلیم کرا ہی دیا۔

یقیناً یہ وقت کلیو پیٹرا کی انتہائی مسرت کا وقت تھا اور اس کو وہ چیز حاصل ہو گئی تھی جس کے لئے وہ تڑپ رہی تھی۔ مگر وہ اس حقیقت سے بھی بیخبر نہ تھی کہ جس قوت سے یہ سلطنت حاصل کی گئی ہے اسی قوت سے قائم بھی رہ سکتی ہے اور اس لئے وہ چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح سیزر کو ہمیشہ کے لئے اپنا بنا لے۔

ادھر چونکہ سیزر کی واپسی کے لئے روم نہ صرف یہ کہ بیتاب تھا بلکہ اس کی طویل غیر حاضری سے برہم بھی ہو چلا تھا۔ اس لئے اس کو جلد سے جلد لوٹ جانا چاہئے تھا۔ کلیو پیٹرا نے بہت کوشش کی اور اپنے حسن و جمال کا ہر نا آزمودہ سحر اس نے آزما دیکھا لیکن چونکہ اس وقت سیزر میں جذبہ وطنیت پھر ایکبار عود کر آیا تھا۔ اس لئے وہ کامیاب نہ ہوئی اور سیزر واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔

جب سیزر روانہ ہوا تو کلیو پیٹرا بھی اس کو جزیرہ اسیس تک پہنچانے کے لئے ساتھ ہو گئی اور کافی حصہ وقت کا لطف و نشاط میں بسر کرنے کے بعد جب جدائی کا وقت قریب آیا تو اس نے با چشم پرنم سیزر سے کہا کہ۔ کم از کم اتنا انتظار تو اور کرو کہ تمھاری امانت جو میں اپنے شکم کے اندر لئے ہوئے ہوں، وہ تمھاری آغوش میں سونپ سکوں۔

یہ ایک ایسی خبر تھی جس نے سیزر کو پھر اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ کیونکہ اس کی تین

Marfat.com

بیویوں میں سے کسی کے اولاد نہ تھی۔ اور وہ اس کا متمنی تھا کہ دنیا میں اپنے بعد کوئی وارث دولت وحکومت کا چھوڑ جائے۔ چنانچہ وہ پھر ٹھہر گیا۔ اس کے تیرہ دن بعد جب سرداران روم سیزر سے اس کی واپسی کے لئے الحاح وزاری کرتے کرتے تھک گئے تھے اور مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو دفعتاً یہ خبر معلوم ہوئی کہ ولادت ہوگئی ہے اور ولادت بھی لڑکے کی۔ سیزر خوشی سے اچھل پڑا اور کلیو پیٹرا کو ایک موقعہ مل گیا کہ وہ اس سے نکاح کر لینے پر اصرار کرے۔

سیزر خود بھی یہی چاہتا تھا کہ ہمیشہ کے لئے کلیو پیٹرا کو اپنے لئے مخصوص کر لے لیکن وہ مجبور تھا۔ کیونکہ اس کی بیوی موجود تھی اور علاوہ اس کے قانون رومہ کی رو سے وہ کسی اجنبی عورت کو اپنے نکاح میں نہ لا سکتا تھا۔ کلیو پیٹرا اس سے کہا کرتی کہ قانون سیزر کے لئے نہیں ہے جو خود قانون بنانے اور توڑنے کے لئے پیدا ہوا ہے۔ لیکن سیزر اس کو ٹال جاتا۔ اس بار بھی اس نے اس مسئلہ کو نظر انداز کرنا چاہا لیکن اس میں کامیاب نہ ہوا۔ اور دبی زبان سے وعدہ کر کے اپنے ملک کی طرف روانہ ہو گیا۔

(۳)

چونکہ سیزر کی غیر حاضری سے دشمنوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اس لئے سلطنت رومہ اس وقت سخت خطرے میں مبتلا تھی۔ اور پمپائی کی فوجیں برابر بڑھتی آ رہی تھیں۔ کلیو پیٹرا کی آغوش سے جدا ہوتے ہی سیزر کے فاتحانہ عزائم پھر عود کر آئے اور بجائے اپنے وطن واپس جانے کے وہ سیدھا ایشیا کوچک کی طرف روانہ ہوا اور وہاں دشمن کے بیڑے کو تباہ کر کے اس نے کیسیس پر حملہ کیا۔ فرناسس کو شکست دی اور افریقہ پہنچ کر تھاپس کی مہم سر کی اور اس طرح بیشمار دولت، بے اندازہ مال غنیمت لے کر وہ روم واپس آیا۔ جہاں اس کی پذیرائی ایسے تزک واحتشام سے کی گئی کہ سرزمین رومہ نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔۔ سیزر نے عوام کے لئے خزانہ کو وقف عام کر دیا اور کامل چالیس دن تک جوش مسرت کی یہ کیفیت برپا رہی کہ لوگوں کو تن بدن کا ہوش باقی نہ رہا۔ جب جشن سے فراغت ہوئی تو دربار منعقد کیا گیا جہاں پانٹف اعظم کا خطاب دے کر اس کی کرسی سب سے بلند مقام پر رکھی گئی اور معبد جیوپیٹر میں اس کا مجسمہ قائم کر کے اس پر دیوتا کا لفظ کندہ کیا گیا۔

Marfat.com

اسکندریہ کی یہ حالت البتہ قابل اطمینان نہ تھی اور باوجود کہ سیزر وہاں فوج چھوڑ آیا تھا۔ کبھی کبھی بغاوت کے آثار پیدا ہو جاتے تھے اور لوگوں کی بے چینیاں بڑھ رہی تھیں۔ کلیوپیٹرا پر عوام کی طرف سے یہ الزام قائم کیا جاتا تھا کہ وہ ایک اجنبی شخص کو مصر پر مسلط کرنا چاہتی ہے، جو ان کے ملکی، مذہبی اور قومی روایات کے بالکل خلاف تھا۔ اور چونکہ کلیوپیٹرا کا تسلط اچھی طرح قائم نہ ہو چکا تھا اس لئے وہ سازش کرنے والوں کو پکڑ کر قید و بند میں بھی ڈال سکتی تھی، اتفاق سے اسی زمانہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ سیزر نے مہم افریقہ کے دوران میں ملکہ یونونیا سے تعلق پیدا کر لیا۔ اس خبر نے ایک طرف تو اہل مصر کو اور زیادہ جری بنا دیا کیونکہ اس سے ان کو یقین ہو چلا کہ اب سیزر، کلیوپیٹرا کی حمایت نہ کرے گا اور دوسری طرف خود کلیوپیٹرا کو بہت اضطراب پیدا ہو گیا کہ کہیں سیزر ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

اس دوران میں سیزر اور کلیوپیٹرا کے درمیان باہم مراسلت قائم رہی، اور ہمیشہ سیزر اس کو اپنی محبت و وفاداری کا یقین دلاتا رہا، لیکن کلیوپیٹرا اس کو محسوس کرتی تھی کہ اگر یہ مفارقت چند دن اور اسی طرح قائم رہی تو اس کا اثر بالکل مٹ جائے گا۔ اور پھر مصر پر حکومت کرنا محال ہو جائے گا۔ اس نے کئی بار سیزر کو لکھا کہ وہ روم آنا چاہتی ہے۔ لیکن سیزر ااس خیال سے کہ اہل روما اس کو کبھی پسند نہ کریں گے۔ ہمیشہ ٹالتا رہا آخر کار جب کلیوپیٹرا بالکل مجبور ہو گئی تو اس کے ذہین دماغ نے ایک تدبیر نکال ہی لی اور اس نے سیزر کو لکھا کو جو دوستانہ معاہدہ اتحاد روما اور مصر کے درمیان ہوا ہے اور جس کی بعض شرائط معرض بحث میں ہیں ان کو طے کرنے کے لئے وہ خود آنے والی ہے۔ حقیقتاً یہ ایک ایسا بہانہ تھا جس کے خلاف نہ سیزر کچھ کہہ سکتا تھا نہ اہل روما کو اعتراض کی گنجائش تھی۔ اس لئے سیزر نے اجازت دے دی اور کلیوپیٹرا روانہ ہو گئی۔

(۴)

جون کا مہینہ ہے اور روما کا موسم بہار پورے شباب پر، دربار کی عظیم الشان عمارت کھچا کھچ آدمیوں سے بھری ہوئی ہے اور سڑکوں پر ہر جگہ لوگوں کا ہجوم تبادلۂ خیال میں مصروف نظر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلیوپیٹرا دربار کی رقاصہ ہے۔ جو ہر وقت طلائی زیور

Marfat.com

اور موتیوں سے آراستہ رہتی ہے۔ بعض نہایت سنجیدگی سے یہ خیال قائم کئے ہوئے ہیں کہ وہ کوئی ساحرہ ہے۔ کاہنہ ہے، جو ہر شخص کو مسحور و مرعوب کر لیتی ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس کی آغوش میں ہر وقت ایک ناگن کھیلتی رہتی ہے اور جس کو چاہے ڈسوا دیتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کا حسن بہت غیر معمولی ہے۔ اور بعض اس کو قبیح ترین شکل و صورت والی عورت سمجھتے ہیں۔ الغرض اہل رومہ، کلیو پیٹرا کے دیکھنے کے لئے بیتاب ہیں۔ اور چاروں طرف ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں۔

جلوس میں سب سے پہلے حبشی غلاموں کا ایک دستہ نظر آتا ہے۔ جن کے کانوں میں سونے کی بڑی بڑی بالیاں جھول رہی ہیں۔ اس کے بعد خواجہ سراؤں کی ایک جماعت سامنے سے گزرتی ہے جو لمبی عبائیں پہنے ہوئے ہیں، پھر امراء و وزراء کی قطار نظر آتی ہے ان کے پیچھے کاہنوں اور نجومیوں کی جماعت گزرتی ہے۔ جن کی لمبی لمبی مخروطی شکل کی ٹوپیوں کو دیکھ کر اہل رومہ حیرت کر رہے ہیں اور پھر پجاریوں کا گروہ سامنے آتا ہے جو شیر کی کھال اپنے جسم پر لپیٹے ہوئے ہیں۔

جب یہ سب یکے بعد دیگرے گزر جاتے ہیں تو چمکیلے نیزوں اور سیاہ ڈھالوں کے جھرمٹ میں ملکہ مصر کی زریں پالکی نظر آتی ہے۔ چاروں طرف سناٹا چھا جاتا ہے اور ہر شخص کلیو پیٹرا کو دیکھنے للتا ہے جو اپنی آغوش میں چھوٹے سیزر کو لئے ہوئے مسکرا رہی ہے۔۔۔ اس کے سر پر ایک طلائی تاج تھا جس کی پشت سے ایک طلائی ناگن جھانک رہی تھی۔ آنکھوں میں سرمہ کی تحریر اس کی آنکھوں کے سحر آگینی کو اور زیادہ نمایاں کر رہی تھی۔ غازہ کی سرخی سے اس کے چہرے کی ملاحت پر ایک خاص صندلی رنگ پیدا ہو رہا تھا اور لباس اتنا باریک تھا کہ اس کے سینہ و شانہ کا شہاب نگاہوں میں کھبا جا رہا تھا۔

الغرض اس شان و اہتمام کے ساتھ کلیو پیٹرا۔ رومہ کی سڑکوں پر سے گزرتی ہوئی اس قصر تک پہنچی جو سیزر نے دریائے ٹیبر کے ساحل پر حال ہی میں تعمیر کرایا تھا۔

(۵)

کلیو پیٹرا کو روم آئے ہوئے ایک ماہ سے زیادہ زمانہ گزر گیا ہے اور جشن و مسرت

Marfat.com

کی جتنی صورتیں ممکن ہیں سب اختیار کی جارہی ہیں، پر تکلف دعوتیں ہیں، اور رقص وسرود کے جلسے۔ مردانہ کھیلوں کی نمائشیں ہین اور علمی مجالس کے مظاہرے، لیکن باوجود اس کے کہ کلیوپیٹرا یہاں کے ذہین اور علمی طبقہ کو اپنی ذہانت وقابلیت سے مسخر کر چکی ہے، باوجود اس کے کہ سیزر کے شاہانہ اقتدار و جبروت کی حمایت حاصل ہے۔ وہ اس کو اچھی طرح محسوس کرتی ہے کہ ایک جماعت ایسی بھی موجود ہے جو نہ صرف اسے بلکہ سیزر کو بھی قہر وغضب کی نگاہوں سے دیکھ رہی ہے اور معلوم نہیں کس وقت یہ آگ بھڑک کر چاروں طرف مشتعل ہو جائے۔

(۶)

جشن لیوپر کیلیا، پورے انہماک کے ساتھ منایا جارہا ہے۔ سیزر، صدر کی حیثیت سے بیٹھا ہوا ہے اور کلیوپیٹرا اس کے پہلو میں طلائی کرسی پر متمکن ہے۔

جس وقت قربانیاں ختم ہو جاتی ہیں اور میدان خون سے کافی رنگین نظر آنے لگتا ہے تو مارک انطانی جو سیزر کا سب سے زیادہ معتمد علمیہ افسر ہے۔ زریں تاج لئے ہوئے اٹھتا ہے اور سیزر کے سر پر رکھ دینا چاہتا ہے۔ سیزر انکار کرتا ہے لیکن کلیوپیٹرا۔۔۔۔ جو اصل محرک اس تجویز کی تھی پھر اصرار کرتی ہے اور جب انطانی دوبارہ تاج لے کر بڑھتا ہے تو سیزر پھر انکار کرتا ہے۔ کیونکہ سیزر چاہتا تھا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے اور مخالفین اس سے فائدہ اٹھا کر ملک میں برہمی پیدا کر دیں گے۔۔۔ بعض لوگوں نے سیزر کے اس طرز عمل کو دیکھ کر اظہار مسرت کیا اور بعض جو اس کے مخالف تھے۔ انھوں نے سرگوشیاں شروع کر دیں کہ یہ سب مکروفریب ہے اور آج نہیں تو کل ضرور یہ اپنی ملوکیت کا اعلان کر دے گا۔

(۷)

صبح کا وقت ہے اور سیزر دارالامراء جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ کلیوپیٹرا کہتی ہے کہ آج اس قدر جلد جانے کی کیا ضرورت ہے لیکن وہ نہیں مانتا اور کام کی اہمیت کا ذکر کر کے کیسیس کے ساتھ ہو لیتا ہے جسے بروٹس نے بلانے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بروٹس اس کے دشمنوں میں سے ہے۔ وہ واقف تھا کہ مخالف جماعت کی سازشیں بڑھتی جارہی ہیں۔ لیکن اس نے اپنے اقبال وخوش بختی پر اعتماد کر کے کسی بات کی پرواہ نہیں کی اور دارالامراء کی

Marfat.com

طرف روانہ ہو گیا لیکن اس کا اندر داخل ہونا تھا کہ دفعتاً ایک شور پیدا ہوا اور پھر آناً فاناً شہر کے ایک ایک گوشہ میں یہ وحشت ناک خبر پھیل گئی کہ سیزر مارڈالا گیا۔

Marfat.com

ہیکل عشتروت پر ذبح حسن و جمال

(۱)

آہ، آہ، آہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

کاہن اعظم ''آرام'' اپنے حجرہ میں ساکت و مطمئن بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً اس آواز نے اسے چونکا دیا۔ یہ اس کی بیٹی ''زامورہ'' کی آواز تھی۔

وہ گھبرا کر حجرے سے باہر نکلا اور دوڑتا ہوا ''ہیکل عشتروت'' کے اس حصہ کی طرف گیا جہاں سے یہ آواز آرہی تھی۔۔۔ ''زامورہ'' ہیکل کے سامنے سر بسجود رو رہی تھی اور اپنے ان ہاتھوں سے، جو دیوی۔ ''عشتروت'' کے مرمریں قدموں کی طرح سفید و خوبصورت تھے۔ معبد کے زینوں کو چھو چھو کر بے تابانہ کراہ رہی تھی۔

''آرام'' نے اپنی محبوب بیٹی کو اٹھایا اور اس کے سر کو چوم کر پوچھنا چاہا کہ یہ اضطراب کیوں ہے، لیکن اس کا گریہ بدستور جاری تھا۔ اور دیوی سے مخاطب ہو کر وہ برابر یہی کہتی جا رہی تھی کہ اے محبت و انتقام کی دیوی۔ ''میں وہی کروں گی جو تیرا حکم ہے سر مو تیرے فرمان سے انحراف نہ کروں گی''

''آرام'' کچھ دیر تک اسی حال میں اس کو دیکھتا رہا اور پھر پوچھا کہ ''اے بیٹی اس گریہ وزاری کا کیا سبب ہے؟''

''زامورہ'' نے آنسو پونچھتے ہوئے ایک ایسے چہرے کے ساتھ جس کی شفاف

Marfat.com

جلد سے خون اس طرح جھلک رہا تھا گویا کہ کسی ساغر بلور میں رنگ شباب بھر دیا گیا ہے۔

جواب دیا:-

''اے میرے محترم باپ! تو نے مجھے اپنے بھتیجے ''حارام'' کے ساتھ نامزد کر دیا ہے اور تو چاہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو اس کی آغوش میں سونپ دوں لیکن باور کر کہ جس وقت سے میں نے تیرا یہ فیصلہ سنا ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے چین نہیں ملا اور حیران ہوں کہ کیونکر میں تیری مرضی پر چل سکوں گی جبکہ میرا دل اس کی طرف کسی طرح مائل ہی نہیں۔ پھر اے میرے مقدس باپ! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ صرف مجھی کو اس تعلق سے اختلاف نہیں بلکہ دیوی عشتر وت، بھی اس کو پسند نہیں کرتی جس کا تو خادم ہے''

وہ اس قدر کہہ کر خاموش ہو گئی کیونکہ اسے یقین تھا کہ اس کا باپ یہ سن کر سخت برہم ہو گا۔ لیکن جب اس کا خیال غلط نکلا اور کاہن اعظم اسی طرح شفقت و محبت کی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تو اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

''تو معبدہ عشتر وت کے خادم اور معابد ''میلوس'' میں سرزمین فنقیا کے سب سے بڑے کاہن ہونے کی حیثیت سے واقف ہے کہ جب کوئی مصیبت انسان پر نازل ہو تو دیوی۔ عشتر وت سے مدد چاہنا ضروری ہے۔''

آرام نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ بیشک، عشتر وت دیوی سے زیادہ صاحب الرائے کوئی دیوی نہیں۔ زامورہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:-

اے میرے محترم باپ، میں نے ہمیشہ تیری اس نصیحت پر عمل کیا اور اس مرتبہ بھی جب کامل تین راتیں کرب و اضطراب میں بسر ہو گئی ہیں تو میں نے یہی مناسب سمجھا کہ دیوی۔ عشتر وت سے فریاد کروں اور اس کے ارادہ و حکم کو معلوم کر کے اس پر کاربند ہوں۔

آرام نے کہا۔ ''اے میری بیٹی! سچ بتا۔ کیا دیوی نے تیری فریاد کو سنا۔ کیا اس نے کوئی جواب دیا۔؟''

زامورہ بولی۔ ہاں سنا اور جواب دیا۔ ۔۔ رات میں نے دیکھا کہ دیوی، عشتر وت ایک ہالہ نور میں میرے سامنے نمودار ہوئی اور بولی کہ اے زامورہ اپنی قوم میں

Marfat.com

سے تو کسی کو اپنا شوہر نہ بنا، کیونکہ تو یا تو سکندر۔ مقدونی کی آغوش میں جائے گی یا پھر میرے ہیکل پر اپنی قربانی پیش کرے گی۔

یہ کہہ کر زامورہ خاموش ہو گئی اوز اپنے باپ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ لیکن جب وہ خاموش رہا تو اس نے پھر اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ:۔

''اے باپ! تو نے سن لیا جو دیوی ''عشتروت'' نے حکم دیا ہے۔ اور کیا اس کا یہ فرمان میرے لئے واجب العمل نہیں''

کاہن اعظم نے اپنا سر اٹھایا اور بیٹی کی پیشانی کو بوسہ دے کر کہا کہ ''بیشک واجب العمل ہے اور اس وقت سے تو صرف دیوی ''عشتروت'' کی ملکیت ہے۔ تو معبد میں داخل ہو جا اور اس وقت تک باہر نہ نکل جب تک سکندر مقدونی اس ہیکل کے اند، تجھے اپنی آغوش کی زینت نہ بنائے۔''

زامورہ نے اپنے باپ کے ہاتھوں کو چوم کر کہا:۔

''اے باپ، دیوی کے آخری فقرے یہ بھی تھے تو اسی ہیکل میں قیام کر یہاں تک کہ فاتح اعظم آ کر تجھے اپنی بیوی بنائے لیکن یہ یاد رکھ کہ اگر وہ اس سے قبل مر گیا اور تجھے اس کا مردہ دیکھنا پڑا تو اسی دن تجھ کو میرے ہیکل پر اپنی قربانی چڑھانا پڑے گی۔''

(۲)

۳۲۴ سال قبل مسیح کا زمانہ ہے۔

اسکندریہ مقدونی، دیار ہند سے ارض فارس کی طرف واپس آیا ہے، نئے ملکوں اور نئی قوموں کو مفتوح و مغلوب کرنے کی مسرت میں دس ہیکل یونانی دیوتاؤں کے تیار کرا چکا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ کم از کم ایک سال کے لئے اپنی فوجوں کو آرام دے تا کہ پھر وہ زیادہ جوش قوت کے ساتھ کام کر سکیں۔ خود بھی سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے لئے گوشۂ امن و عافیت کا طلبگار ہے کہ دفعتاً بیمار پڑتا ہے اور بارہ دن کے اندر وہ حقیقی سکون اس کو نصیب ہو جاتا ہے جس کے بعد پھر کسی اضطراب سے واسطہ نہیں پڑتا۔

فوجیں چاروں طرف احاطہ کئے ہوئے ہیں، حکماء اطباء کا ہجوم ہے، دعا اور دوا

Marfat.com

سبھی کچھ ہو رہا ہے لیکن اس کی حالت کسی طرح نہیں سنبھلتی۔ ضعف بڑھ رہا ہے۔ نبض ساقط ہو رہی ہے۔ اور عین عالم شباب میں جبکہ اس کی عمر صرف ۳۳ سال کی تھی۔ تیرہ سال کی حکمرانی و ملک گیری کے بعد دم توڑ رہا ہے۔

آخری الفاظ وصیت اس کی زبان سے یہ نکلتے ہیں۔

''میری لاش کو فینقیا میں بیلوس کی طرف لے جایا جائے۔ دریائے اڈونیس کے مقدس پانی سے اس کو غسل دیا جائے اور پھر دس دن تک لوگوں کی زیارت کے لئے اس کو کھلا ہوا چھوڑ کر مصر لے جا کر جوار آمون میں دفن کر دیا جائے۔

(۳)

ارباب فن نے پورے دو سال تابوت اور اس گاڑی کی تیاری میں صرف کر دیے جس کے ذریعہ سے سکندر کی لاش کو اس کے مدفن تک لے جانا تھا، اور ۳۳۳ء قبل مسیح میں براہ فینقیا بابل سے مصر کی طرف روانگی ہوئی۔

اس دن کی صبح جب سکندر کی لاش فینقیا پہنچنے والی تھے عجب ہنگامہ کی صبح تھی، گوشہ گوشہ میں بہ آواز دہل اعلان کیا جا رہا تھا کہ دار کو مغلوب کرنے والے اور دیار ہند کو فتح کرنے والے سکندر مقدونی کا جنازہ حدود فینقیا میں پہنچ گیا ہے اور ۴۷ بیل اس گاڑی کو کھینچ رہے ہیں جس پر اس کا تابوت رکھا ہوا ہے۔

لوگ، پہاڑوں سے، وادیوں سے، تمام قریہ و بلاد سے جوق در جوق چلے آ رہے تھے اور اپنے ہاتھوں میں نہر اڈونیس کے مقدس پانی کے ظروف لئے ہوئے تھے۔ تاکہ اس کی لاش پر چھڑک کر ثواب حاصل کریں۔

جنازہ بلند دیواروں کے سایہ سے گزرتا ہوا کوہستانی راستہ سے اس مقام پر پہنچا۔ جہاں دریا کے مقدس پانی سے اس کو غسل دیا جانا تھا اور پھر وہاں سے ہیکل عشتروت میں لایا گیا۔ جہاں دس دن تک لوگوں کی زیارت کے لئے اس کو کھلا ہوا رکھنا تھا۔

مصر کا بادشاہ ملک بطلیموس ایک جرار فوج کے ساتھ استقبال کے لئے آیا تاکہ لاش کو پورے احترام کے ساتھ مصر تک لے جائے۔ اور فنیقیا کے تمام کاہن، امراء پرنم آنکھوں

Marfat.com

کے ساتھ اکٹھے ہوئے تا کہ فاتح اعظم کی لاش کے سامنے اپنی محبت کے آخری، آنسو پیش کر سکیں۔ اس طرح معابد تموز عشتروت کی حسین کاہن زادیاں اپنے اپنے حجروں سے باہر نکل سر آ گئیں کہ دنیا کے اس جلیل القدر بادشاہ کی لاش کو دیکھ سکیں جس کے بازوؤں میں دیوتاؤں کی قوت موجود تھی۔ انھیں میں ایک زامورہ بھی تھی۔ جو ایک بیوہ کے پورے سوگ کے ساتھ آنسو بہاتی ہوئی تابوت کی زیارت کے لئے جا رہی تھی۔

(۴)

چونکہ زامورہ کے متعلق دیوی عشتروت کی بشارت کا علم ساری دنیا کو ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ جگہ محبوبۂ سکندر کے نام سے مشہور ہو گئی تھی۔

زامورہ نے انتظار کا یہ زمانہ انتہائی خشوع و خضوع میں بسر کیا، وہ روزانہ صبح کو پہاڑ کی چوٹی پر جا کر پھول جمع کرتی تا کہ معبد تموز پر لا کر چڑھائے اور اس کے بعد سارا وقت ہیکل کے اندر بخور روشن کرنے اور التجا و دعا میں صرف کر دیتی وہ دیوی کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاتی اور اپنے بلور جیسے عریاں سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کرتی کہ ''اے دیوی وہ ساعت کب آئے گی جب سکندر مجھے آغوش میں لے گا''؟

دیوی ان التجاؤں کا کوئی جواب نہ دیتی۔ لیکن آخر کار ایک دن اس نے اپنا سنگین سکوت توڑا اور زامورہ سے کہا کہ ''سکندر کی لاش سرزمین فراعنہ میں دفن ہونے کے لئے اس طرف سے گزرنے والی ہے۔ اس لئے جس دن تیری نگاہ اس کی لاش پر پڑے گی، میں تجھ سے تیری قربانی چاہوں گی، کیا تو اس کے لئے تیار نہیں؟''

زامورہ نے منہ کے بل گر کر روتے ہوئے کہا کہ ''اے دیوی! میں تیار ہوں کیونکہ جب سکندر کی آغوش میسر نہ آئے تو پھر تیرے سنگین پہلو سے زیادہ راحت اور کہاں مل سکتی ہے۔''

(۵)

کاہن اعظم نے زامورہ سے کہا ''اے بیٹی، کیا واقعی دیوی عشتروت کی یہی مرضی ہے۔ تجھے دھوکا تو نہیں ہوا۔''

Marfat.com

زامورہ نے جواب دیا۔ ''اے باپ، مجھے دھوکا بالکل نہیں ہوا۔ میں نے اس کا یہ فرمان صاف اور صریح الفاظ میں سنا ہے۔ میں آج سکندر کی لاش دیکھ چکی ہوں۔ اس لئے دیوی کے حکم کی تعمیل ہونی چاہئے۔ کیا کاہن عشتروت ہونے کی حیثیت سے تجھے اس میں پس وپیش کرنا چاہئے۔''

زامورہ نے یہ کہا اور اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ کر قربان گاہ عشتروت پر لے جا کر اس طلائی خنجر کی طرف اشارہ کیا جو اسی رسم ذبح وقتل ادا کرنے کے لئے مخصوص تھا۔

کاہن مضطرب تھا، اس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ حیران تھا کہ اپنی جمیل نوجوان بیٹی کے گرم خون کو کیونکر اپنی نگاہوں کے سامنے بہتا ہوا دیکھے گا۔۔۔ زامورہ نے خنجر اٹھایا اور اس کا قبضہ باپ کی طرف کر کے کہا کہ ''اے باپ جلدی کر، مبادا دیوی خفا ہو جائے۔''

معبد کے تمام کاہن اور کاہن زادیاں جمع ہیں اور ایک آواز سے عبادت کے گیت گا گا کر اس التجا میں مصروف ہیں کہ ''اے محبت کی دیوی طاہر ومقدس قربانی کو قبول کر کے ملک کے کھیتوں کو ہرا بھرا کر دے۔ جہازوں کے لئے موافق ہوائیں چلا، تاجروں کے تھیلے لولو و مرجان سے بھر دے۔ لڑکیوں کے لئے اچھے شوہر اور لڑکوں کے لئے اچھی بیویاں فراہم کر، ملک کو امن وسکون سے آشنا اور دشمنوں کو تباہ وبرباد۔۔۔''

یہ شور وہنگامہ، ہنوز برپا تھا کہ کاہن اعظم ''آرام'' کا داہنا ہاتھ بلند ہوا اور ہر چند حاضرین نے خنجر کی تڑپ کو دیکھا۔ لیکن اس چیخ کو نہ سنا جو بے اختیارانہ زامورہ کے منہ سے نکل گئی تھی۔ اس کا سینہ شق تھا اور خنجر کی نوک اس دل سے پار ہو چکی تھی جو اتنے دنوں سے اس چانس کے لئے تڑپ رہا تھا۔

Marfat.com

تشنہ کوثر

(۱)

خمارویہ بن احمد طولون سخت پریشان ہے اور حکم دیتا ہے کہ ابن یعقوب کو طلب کیا جائے، ابن یعقوب قبطی طبیب ہے۔ اور اپنے علم وحذاقت کے لحاظ سے خاص شہرت کا مالک ہے۔

ابن یعقوب حاضر ہوتا ہے اور خمارویہ اس سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:۔

اے ابن یعقوب، میں بہت درماندہ ومضطرب ہوں اور اب اپنی تمام امیدوں کا مرکز تجھ کو قرار دے کر، تیری مدد چاہتا ہوں۔ تجھے معلوم ہے کہ میں کوثر سے کتنی محبت کرتا ہوں اور اس کی بیماری نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔ پھر تیری حذاقت کس دن کام آئے گی اور سوا تیرے اس ملک میں کون ہے جو اس کے مرض کا علاج کر سکے۔

کوثر تیری ہی طرح نصرانی مذہب رکھتی تھی، لیکن جب اس کا باپ اسلام لایا تو وہ بھی مسلمان ہوئی اور میرے حبالۂ عقد میں آئی۔ اب میں اس کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشان ہوں اور اگر کوئی شخص اس کو صحیح وتندرست کر سکے تو میں بڑی سے بڑی دولت پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔

یہ سن کر ابن یعقوب نے کہا۔ ''جو کچھ میرے امکان میں ہے اس سے دریغ نہ کروں گا۔ اور اپنی ساری کوششیں اس کی صحت یابی کے لئے صرف کر دوں گا۔''

Marfat.com

(۲)

خمارویہ، اپنے باپ ابن طولون کی وفات پر ۲۷۰ھ میں مصر کے تخت پر بیٹھا اور اپنے باپ کی طرح نہایت اچھا حکمران ثابت ہوا۔ اس نے امور مملکت پر خاص توجہ صرف کی۔ حدود سلطنت وسیع کئے اور اقطار میں طولونی حکومت کا آوازہ بلند کر دیا۔۔۔ مصر کے اندر کثرت سے مساجد تعمیر کیں۔ رعایا کی راحت و آسائش کا خاص خیال رکھا اور شاہانہ جاہ وجلال میں بھی بہت کچھ اضافہ کیا۔ خمارویہ ایک جری سپاہی۔ ایک صاحب جبروت ایک قدر شناس فرمانروا تھا اور وہ بلا لحاظ ملت و مذہب فضل و کمال کرنے والا تھا۔

ایک دن اس کو معلوم ہوا کہ فوج میں ایک سپاہی ہے جو ابن طولون کے زمانے میں اسلام لایا تھا اور ایک لڑکی رکھتا ہے جو حسن و جمال اور بلندی کے لحاظ سے مصر بھر میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ چنانچہ اس نے سپاہی کو طلب کیا اور پیام دے کر اس کی لڑکی کوثر سے نکاح کر لیا۔

جب کوثر محل شاہی میں داخل ہوئی اور خمارویہ نے اس کے حسن و جمال کو قریب سے دیکھا تو اس کا شیفتہ ہو گیا۔ لیکن چونکہ قصر شاہی، مصر و شام، دگر جستان کی نہایت حسین و جمیل عورتوں سے بھرا ہوا تھا، اور خمارویہ کبھی کبھی ان کی طرف بھی ملتفت ہو جاتا تھا۔ اس لئے کوثر اپنے محبوب شوہر کے اس طرز عمل پر کڑھتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ گھلنے لگی ورد ماغ پر بھی ایسا اثر ا ہوا۔ کہ ایک دن سب نے جان لیا کہ وہ دیوانی ہو گئی ہے۔

(۳)

خمارویہ اور ابن یعقوب طبیب کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس کو کچھ زمانہ ہو گیا ہے اور خمارویہ اپنی محبوب بیوی کے پاس سے ایک لمحے کے لئے جدا نہیں ہوتا۔

ایک دن ابن یعقوب آیا اور بولا کہ "ملکہ کے علاج کے لئے خاص اہتمام کی ضرورت ہے۔ اگر بادشاہ ایک شفاخانہ خصوصیت کے ساتھ پاگلوں کے علاج کے لئے قائم کرنے پر راضی ہو تو ممکن ہے ملکہ شفایاب ہو جائے۔"

یہ سنتے ہی خمارویہ نے پایہ تخت میں نہایت وسیع پیمانے پر ایک عمارت اس غرض

Marfat.com

کے لئے تیار کرائی ۔کوثر اس شفاخانہ میں داخل کی گئی اور وہاں سے شفا پا کر قصر میں واپس آئی ۔ یہ مورخین کی غلطی ہے کہ اس شفاخانہ کی تعمیر کو احمد بن طولون کی طرف منسوب کرتے ہیں

ظاہر ہے کہ خمارویہ کی محبت کا کیا عالم ہوگا۔اس نے سوائے کوثر کے تمام عورتوں سے بات کرنا ترک کردی اور دونوں محبت کی فردوسی زندگی کرنے لگے۔

بظاہر یہ نہایت معمولی واقعہ تھا، لیکن اندر ہی اندر نہایت ہولناک مستقبل تیار کر رہا تھا۔ کیونکہ محل کی وہ تمام عورتیں جو خمارویہ کی نگاہ سے اتر گئی تھیں، کوثر اور خمارویہ دونوں سے جلنے لگیں اور انھوں نے در پردہ امراء افسران فوج سے مل کر ان کی ہلاکت وتباہی کی سازشیں شروع کر دیں۔

(۴)

رجب ۲۷۹ھ کی انیسویں تاریخ ہے، عباسی خلیفہ المعتضد باللہ تخت نشین ہوتا ہے اور لوگوں سے اس کی خلافت پر بیت لی جارہی ہے۔۔۔خمارویہ بھی اپنی طرف سے کچھ قیمتی ہدایا خلیفہ کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہے اور اپنے ایک مخلص دوست حسین بن عبداللہ کو (جو ابن الخصاص کی کنیت سے مشہور تھا۔) اس خدمت کے لئے منتخب کرتا ہے۔

ابن الخصاص نہایت ہوشیار شخص تھا۔ اس نے سوچنا شروع کیا کہ کیونکر اس خدمت سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ خمارویہ کی لڑکی ۔۔۔''قطر الندی'' بے انتہا حسین وجمیل ہے اور اس نے فیصلہ کرلیا کہ خلیفہ کے پاس پہنچ کر اس کا ذکر کرے گا تا کہ وہ اپنے بیٹے علی سے اس کی شادی کر کے طولونی فتنہ سے ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو جائے۔

چند دن کے بعد ابن الخصاص ہدایا لے کر روانہ ہوا۔ اور منزلیں طے کر کے خلیفہ عباسی کے حضور میں پہنچ گیا۔۔۔خلیفہ نے نہایت مسرت سے ان قیمتی ہدایا کو قبول کیا اور ابن الخصاص سے گفتگو کرنے کے لئے تخلیہ کر دیا گیا۔

ابن الخصاص نے مصر کا حال بیان کرتے ہوئے خمارویہ کی لڑکی ''قطر الندی'' کے حسن وجمال کا بھی ذکر کیا اور کہا اگر ولیعہد خلافت (علی) کے ساتھ اس کی شادی ہو جائے تو بہت مناسب ہے۔ خلیفہ نے کہا ''میں نے اور لوگوں سے بھی اس لڑکی کے حسن وجمال کا ذکر

Marfat.com

سنا ہے اور میں خمارد یہ سے خود اپنے لئے اس کی خواہش کروں گا۔

یہ کہہ کر اس نے دس ہزار دینار ابن الخصاص کو دیئے۔ اور حکم دیا کہ جلد سے جلد مصر جا کر خمارد یہ تک یہ پیام پہنچا دیا جائے۔

(۵)

ایک سال گزرا اور دوسرا بھی۔

محرم ۲۸۲ء میں ایک شاندار جلوس بغداد کی گلیوں میں داخل ہوتا ہے۔ جس کے وسط میں خمارد یہ کی لڑکی ''قطر الندی'' زریں محمل پر سوار نظر آتی ہے۔ اور ابن الخصاص آگے آگے ہے۔

قطر الندی، خلیفہ عباسی کے محل میں داخل ہو جاتی ہے اور ابن الخصاص بیش قیمت ہدایا کے ساتھ مصر واپس کیا جاتا ہے۔

(۶)

''قطر الندی'' کی روانگی کے بعد خمارد یہ نے ارادہ کیا کہ تبدیلئ آب و ہوا کے لئے قصر و حکومت کو چھوڑ کر چند دنوں کے لئے دمشق چلا جائے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ حرم کی تمام عورتیں کوثر کی جلو میں ساتھ ساتھ چلیں۔ خمارد یہ نے ایک شیر پال رکھا تھا جو اس کے ساتھ ہر وقت قصر میں رہا کرتا تھا۔ یہ کبود آنکھوں والا شیر بہت خوبصورت تھا۔ اور اپنے مالک سے حد درجہ مانوس تھا۔ خمارد یہ کا اعتقاد تھا کہ جب تک یہ شیر میرے پاس ہے کوئی دشمن مجھ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔

روانگی سے قبل اس کی ایک حرم نے جو کوثر کی شدید دشمن تھی۔ خمارد یہ سے کہا۔

اے آقا! لوگ کہتے ہیں کہ آپ بزدل ہیں اور اس واسطے اپنی حفاظت کے لئے ہر وقت شیر کو اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔ مجھ سے لوگوں نے بیان کیا تو میں نے کہا کہ یہ غلط ہے اور دیکھ لینا اب کے سفر میں شیر ساتھ نہ جائے گا۔

خمارد یہ نے جواب دیا کہ ''تم نے خوب جواب دیا۔ بے شک میں شیر کو ساتھ نہ لے جاؤں گا تا کہ لوگ مجھے بزدل نہ سمجھیں''

Marfat.com

چنانچہ وہ شیر کو وہیں مصر میں چھوڑ کر دمشق روانہ ہو گیا۔

(۷)

دمشق پہنچنے کے بعد محل کی عورتوں کو اپنی سازش کی تکمیل کا کافی موقعہ مل گیا اور بعض افسران فوج اور خادموں کی مدد سے اس کو ذبح کرا دیا۔ یہ واقعہ ذیقعدہ ۲۸۳ء کا ہے۔ یعنی اسی مہینہ کا جب اس کی لڑکی قطر الندی کے ساتھ خلیفہ المعتضد باللہ نے شادی کی تھی۔

۳ ذی الحجہ کو خلیفہ تک اس واقعہ کی خبر پہنچی اور اس نے بیس آدمیوں و جو اس جرم میں شریک تھے تہہ تیغ کرا دیا۔۔ انھیں میں ایک شخص ابوالجیش بھی تھا اس سے فارغ ہونے کے بعد خلیفہ نے ابن الخصاص کو خط بھیجا اور اسے مصر طلب کیا۔

قطر الندی کو جب اپنے باپ کے قتل کئے جانے کا حال معلوم ہوا تو بہت روئی اور التجا کی کہ کوثر کو یہاں بلا لیا جائے۔ کیونکہ وہ اس کے باپ کی بہت محبوب بیوی تھی۔

خلیفہ نے پوچھا کہ ''تم یہ کیوں چاہتی ہو۔'' قطر الندی نے جواب دیا کہ مصر میں تنہا وہی ایک عورت ایسی تھی جس کو مجھ سے بہت محبت تھی اور جب میری ماں کا انتقال ہوا تو اس نے اپنے بچوں کی طرح مجھے رکھا اور نہایت شفقت سے پیش آئی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر وہ وہاں چھوڑ دی گئی تو لوگ اس کو بہت پریشان کریں گے بلکہ ہلاک کر ڈالیں گے۔''

خلیفہ نے ابن الخصاص کو دمشق بھیجا تا کہ کوثر کو اپنے ساتھ لے آئے۔ یہاں پہنچ کر اس نے ایک عجیب رنگ دیکھا۔ محل کے اندر عجیب ہنگامہ برپا تھا اور کوثر غائب تھی۔ ایک بڑھیا سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ۔۔۔ خمارویہ کے قتل کے بعد ہی چلی گئی تھی۔ اور دمشق کے ایک لکڑہارا کے مکان میں اس نے پناہ لی تھی۔''

ابن الخصاص اس کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ کوثر بے شک وہاں آ کر ٹھہری تھی لیکن تین دن ہوئے کہ دفعتاً غائب ہو گئی۔

ابن الخصاص نے خیال کیا کہ اگر وہ کوثر کو لے کر بغداد نہ گیا تو ممکن ہے کہ خلیفہ اس کو بھی سازش میں شریک سمجھے۔ اس لئے اس نے شہر کا کونہ کونہ چھان مارا اور آخر کار چوتھے دن دیکھا گیا کہ دریا میں ایک عورت کی لاش خس و خاشاک میں الجھی ہوئی پڑی ہے۔ وہ عورت کوثر تھی۔

Marfat.com

انطانی اور کاہنۂ مصر

(۱)

روم کی ہزیمت خوردہ فوجیں ساحل فعیقیا تک واپس آ گئی ہیں اور بحرابیض کے سفید ریتلے ساحل پر خیمہ ڈالے پڑی ہوئی ہیں۔ اہل لشکر اپنی گذشتہ شکست وناکامی کی وجہ سے ملول ہیں اور مستقبل کے متعلق فکرمند۔

ان کا سردار انطانی، لشکر کے ہنگامہ اور سپاہ کے شوروغوغا سے گھبرا کر اپنے رفیق ہتیو مصری کے ساتھ قریب کی اس پہاڑی کی طرف جا رہا ہے۔ جس کی بلندی اس سے قبل خدا جانے کتنی شکست خوردہ فوجوں اور کتنے فاتح لشکروں کو اپنے دامن سے گزرتی ہوئی دیکھ چکی ہے۔ اس پہاڑی کے ایک طرف سمندر ہے اور دوسری طرف وہ دریا جو آج ''دریائے کلب'' کے نام سے مشہور ہے لیکن اس کو دلیقوس کہتے تھے۔

اب سے چند ماہ قبل انطانی اپنی فوجیں لے کر اسی پہاڑی کے نیچے سے گذرا تھا تاکہ وسط ایشیا پر حملہ کر کے وہاں کے ممالک کو اپنا اور اپنی حلیف کلیو پیٹرا ملکۂ مصر کا مطیع بنائے، لیکن ارمینا، فارس اور مابین النہرین نے ایسی پامردی سے مقابلہ کیا کہ انطانی شکست کھا کر پھر بحرابیض تک واپس آ گیا اور یہاں مصری فوجوں کی کمک کا انتظار کرنے لگا۔ انطانی کی ہزیمت وناکامی کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب وہ اس مہم پر روانہ ہوا تو پچاس ہزار سے زیادہ سپاہ اس کے ساتھ تھی اور جب واپس آیا تو صرف دس ہزار رہ گئی تھی اور اب

Marfat.com

بھوک و پیاس کی حالت میں بحرابیض کے ساحل پر پڑی کراہ رہی تھی۔

انطائی پہاڑ پر چڑھ رہا تھا اور جب تھک جاتا تو کسی چٹان پر بیٹھ جاتا اور دونوں ہاتھوں پر ٹھوڑی کو رکھ کر دور سمندر کی طرف دیکھنے لگتا کہ شاید افق بعید میں مصری جہازوں کے بادبان نظر آجائیں۔ کبھی اس کی نگاہیں دھوکا بھی دے جاتیں اور جن چیزوں کو وہ بادبان سمجھتا وہ صرف سمندر کی چڑیوں کا جھنڈ ثابت ہوتیں۔

انطائی اسی فکر و تردد کے عالم میں ایک چٹان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک کوے کی آواز سے چونک پڑا۔ اس نے سر اٹھا کر اپنے رفیق کو ڈھونڈھا جو اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا، لیکن اس وقت وہ چند قدم دور آگے کھڑا ہوا سامنے کی ایک چٹان کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

انطائی اٹھا اور اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور وہ بھی ان نقوش کو غور سے دیکھنے لگا جو چٹان پر نظر آتے تھے۔

یہاں اس وادی میں، اس دریا کے کنارے، اس وسیع و بسیط سمندر کے سامنے اور انھیں مہیب چٹانوں کے پاس سے خدا جانے کتنے لشکر انطائی سے پہلے گزر چکے تھے۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کتنے فاتحانہ انداز سے سر بلند گزرے اور کتنے شکست خوردہ سرنگوں۔ وہ بڑے بڑے زلزلہ افگن سردار۔ وہ بڑے بڑے جسم پر رعشہ طاری کر دینے والے سپہ سالار۔ جنھوں نے ساری دنیا میں اپنی جرات و بہادری کا سکہ قائم کر رکھا تھا۔ آج ابدیت کے بحر ذخار میں ڈوب کر فنا ہو چکے ہیں اور ان کی نشانیوں میں سے اب سوائے برباد شدہ زمینوں، تباہ و ویران بستیوں اور سنسان خرابوں کے کچھ نظر نہیں آتا۔ ان چٹانوں پر انھیں فاتحین عالم کے نام منقوش تھے۔ اور جس چٹان کے پاس انطائی اور اس کا رفیق کھڑا ہوا تھا۔ اس پر رمیسس ثانی فرعون مصر کا نام کندہ تھا۔ انطائی نے اپنا سر اظہار احترام میں جھکایا اور بولا ''کہ کسے خبر ہے کہ میری یادگار ان چٹانوں پر کیا ہوگی۔ ایک فاتح سپہ سالار کی سی یا ہزیمت خوردہ نکبت زدہ انسان کی سی ۔۔۔'' وہ یہ کہتا ہوا دوسری چٹان کی طرف بڑھا اور پھر تیسری چٹان کی جانب۔ ان پر سلمانصر اور سنجاریب (شاہان اشوریا) کے نام منقوش تھے۔ جو سات صدی پیشتر ادھر سے گزرے تھے۔ ان کا نام دیکھ کر انطائی ماضی کی تاریخ میں غرق ہو گیا۔ اور

Marfat.com

اسی کے ساتھ خود اپنی زندگی کے تمام ایام ایک ایک کر کے اسے یاد آنے لگے۔ سب سے پہلا وہ دن جب مصر کی نوجوان ساحر ملکہ (کلیوپیٹرا) سے اس کی نگاہیں دو چار ہوئی تھیں۔ پھر وہ دن جب محبت کا اولین شعلہ اس کے سینہ میں بھڑکا۔ اس کے بعد وہ دن جب اس نے اسکندریہ میں کلیوپیٹرا کے ملکہ مصر و قبرص اور فرمابردائے افریقہ و سوریا ہونے کا اعلان کیا اور سب سے آخر میں وہ دن جب سلطنت روما نے اس کو ملت فروش اور غدار وطن قرار دے کر اس کے استیصال کا فیصلہ کیا۔ وہ انھیں خیالات میں محو تھا کہ کسی کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا کہ ایک بڑھیا عورت لکڑی کے سہارے سے آہستہ آہستہ اوپر کی طرف چڑھتی آ رہی ہے۔ جب وہ انطانی کے قریب پہنچی تو ٹھہر گئی اور تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد دفعتاً ایک قہقہہ لگایا اور بولی:-

''اے انطانی، تو اس ویران و وحشتناک مقام پر کیوں آیا ہے۔ کیا روما کو تباہ کرنے اور شرق و غرب میں جنگ کی تباہیاں پھیلانے کے بعد یہاں اسلئے آیا ہے کہ سانپوں کو ان کی بانبیوں سے نکال کر پریشان کرے۔ گدھوں کے گھونسلوں میں آگ لگا کر انھیں آشیاں برباد کرے۔ بھیڑیوں اور لومڑیوں کے بھٹ کھود کر ان کو آزار پہنچائے۔ کیا دنیا میں اب کوئی انسان تیرے ظلم کا نشانہ بننے کے لئے باقی نہیں رہا۔''

انطانی حیران تھا کہ یہ کون عورت ہے جو اس طرح بیباکانہ گفتگو کر رہی ہے۔ اس نے اپنے رفیق کی طرف مخاطب ہو کر کہا:-

''اے ہتیو، یہ بڑھیا کون ہے؟ کیا تم پہنچانتے ہو؟۔''

''نہیں! میں اس سے بالکل ناواقف ہوں۔''

یہ سن کر بڑھیا غصہ سے لال پیلا ہو گئی اور چیخ کر بولی کہ۔ ''اے کمینے۔ اے منافق! ادھر دیکھ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ تو مجھے نہیں پہچانتا۔ اے ذلیل کتے! کیا میں وہ دن بھول سکتی ہوں جب تو نے میرے اکلوتے بیٹے کو اس سردار سے قتل کرا کے میری دنیا کو ویران کر دیا۔''

یہ سن کر انطانی کی حیرانی کی انتہا نہ رہی اس نے پوچھا۔

Marfat.com

''اے بڑھیا تو کون ہے۔ تیرا بیٹا کون تھا اور تو میرے رفیق پر کیوں یہ الزام قائم کرتی ہے۔''

بڑھیا نے کہنا شروع کیا۔''اے انطانی! مجھے تجھ سے کوئی شکایت نہیں۔ کیونکہ تجھے دھوکا دیا گیا تھا۔ میں اس مکار سے مخاطب ہوں جسے تو اپنا رفیق کہتا ہے ادھر میرے پاس آ اور اپنے رفیق کے کمینہ پن کی داستان تو بھی سن لے، میں ایک کاہنہ ہوں اور مسلسل چالیس سال سے ہیکلوں اور معبدوں میں گھوم پھر کر زندگی بسر کر رہی ہوں۔ مصر دفینقیا کا کوئی مقام ایسا نہیں۔ جہاں کے لوگ مجھے نہ جانتے ہوں اور میری پیشن گوئیوں کو غلط باور کرتے ہوں۔ میرا ایک بیٹا تھا۔ اکلوتا بیٹا جسے میں اپنے علم کے اسرار سیکھا رہی تھی وہ تمام راز جو صدیوں سے سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں اس کو بتا رہی تھی۔ ناگہاں اس کی نگاہ ایک نوجوان لڑکی پر پڑی اور وہ اس سے محبت کرنے لگا۔ یہ لڑکی بھی اس سے مالوف ہوگئی، اور دونوں میں نکاح کا عہد و پیمان ہوگیا۔ یہ دونوں لطف و مسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک اور شخص اس لڑکی کا نہیں بلکہ اس کی دولت کا خواہاں پیدا ہوگیا اور میرے بیٹے کی ہلاکت کا سبب بنا۔ وہ شخص یہی تیرا رفیق ہے، جو میرے سامنے اور تیرے پہلو میں کھڑا ہوا ہے۔۔''

انطانی نے ہتیو کی طرف دیکھ کر پوچھا۔''کیا یہ صحیح ہے۔'' لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

بڑھیا نے کہا۔''اے انطانی کیا اس کا یہ سکوت اس امر کا ثبوت نہیں کہ جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ بالکل صحیح ہے اور اس میں تردید کا حوصلہ نہیں۔''

بڑھیا نے جواب دیا۔''اس کے بعد یہ ہوا کہ اسکندریہ میں یہ تیرے پاس پہنچا، اور مخبری کی کہ مصریوں کی ایک جماعت تیرے خلاف سازش کر رہی ہے۔''

انطانی بولا۔''یہ صحیح ہے لیکن وہ سازش کرنے والے میرے ہاتھ نہیں آئے۔''

بڑھیا نے پھر کہنا شروع کیا۔''ہاتھ کیا آتے جبکہ حقیقت کچھ نہ تھی اور یہ دغاباز صرف اس لئے جھوٹ بول رہا تھا کہ میرے بیٹے کو تیرے ہاتھ سے ہلاک کرا کے اس لڑکی کو حاصل کرے۔ پھر کیا تجھے یاد نہیں کہ اسی سازش کے الزام اور ملکہ سے محبت کرنے کے جرم

Marfat.com

میں تو نے میرے جوان بیٹے کے قتل کا حکم دیا۔ وہ چیخ چیخ کر اپنی بے گناہی کا اعلان کر رہا تھا۔ لیکن کوئی سننے والا نہ تھا۔ وہ آسمان و زمین کو گواہ بنا کر کہہ رہا تھا۔ یہ مکار، منافق تجھے ابھار رہا تھا۔ یہ کہہ کر کہ وہ سازش میں شریک ہے تیرے دل میں ہیجان پیدا کر رہا تھا یہ یقین دلا کر کہ وہ ملکہ سے محبت کرتا ہے اور ملکہ اس سے۔ درانحالیکہ میرے بیٹے نے سوائے اس ایک لڑکی کے کسی اور سے محبت کی ہی نہیں اور آخر کار اسی کی محبت میں اس نے جان دے دی۔

پھر جس وقت تو نے قتل کا حکم دیا میں وہیں تھی۔ جس وقت جلاد کی تلوار نے میرے بیگناہ بیٹے کے سر کو تن سے جدا کیا میں وہیں موجود تھی۔ کیا تو سمجھ سکتا ہے کہ مجھ پر اس وقت کیا گزر رہی تھی تو کیا سمجھ سکتا ہے۔ تیرا بیٹا اگر کبھی تیرے سامنے اس طرح ذبح کیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ اولاد کی محبت کیا چیز ہے اور دنیا میں ان ماں باپ کے غم سے زیادہ زہر آلود غم کسی کا نہیں جن کے اکلوتے بیٹے نے ان کے سامنے دم توڑا ہو:۔

اس واقعہ کے بعد میں یہاں چلی آئی اور یہاں کے تاریک غاروں میں درندوں کے پاس حشرات کے ساتھ رہنا اختیار کیا اور اے انطانی یقین کر کہ شقاوت میں وہ انسان سے کم عدل و انصاف میں اس سے زیادہ ہیں۔ خیر! یہ تو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ لیکن اے انطانی اب کاہنہ مصر کی وہ باتیں بھی سن لے جو تجھ سے متعلق ہیں۔

ملکہ کلیو پیٹرا جسے تو عورت سمجھتا ہے حقیقتاً خدا کا عذاب ہے، اور ممکن نہیں کہ ایک شخص اس سے چھو جانے کے بعد قسمت کے کوڑھ میں مبتلا ہونے سے بچ جائے کیا تجھے پامپیس کا حال معلوم نہیں، کیا تو سیزر کے حشر سے ناواقف ہے اور کیا اس سے بے خبر ہے کہ ۔۔۔۔ اس کی وجہ سے کتنے ملک ویران ہو گئے اور کتنی جانیں ہلاک۔ پھر ہوشیار ہو جا کہ آج کے بعد سے تجھے بھی کوئی مسرت و راحت نصیب نہیں ہو گی، اور اس حال میں تجھے مرنا ہے کہ نہ تیرے دوست تیرے پاس ہوں گے نہ اہل وطن، نہ تیرے عزیز تجھ سے قریب ہوں گے اور نہ تیری وہ محبوب ملکہ جس کی محبت میں تو نے اپنے وطن سے غداری کرنے میں بھی دریغ نہ کیا۔ تیری لاش پڑی ہو گی اور اس پر کوئی آنسو بہانے والا نہ ہو گا۔ تو تڑپ رہا ہو گا اور کوئی ایک ہاتھ بھی تجھے سنبھالنے کے لئے آگے نہ بڑھے گا۔"

Marfat.com

یہ کہہ کر اس نے اپنے لباس کے اندر سے چھپا ہوا خنجر نکالا اور خونخوار شیرنی کی طرح ہیتو کی طرف جھپٹ کر اس کے سینے میں ایسی سختی سے پیوست کر دیا کہ سانس لینے کی بھی مہلت نہ دی۔ خنجر اس کے دل کے اندر ڈوب گیا تھا۔ سینے سے خون کی دھار جاری تھی اور بڑھیا ایسی خوش تھی گویا دنیا کی دولت اس کے پاس آ گئی ہے۔

اس نے مبہوت و متحیر انطانی سے مخاطب ہو کر کہا:۔

''مجھے گمان بھی نہ تھا کہ کبھی میں اپنے بیٹے کے قاتل سے انتقام لے سکوں گی اس لئے اے انطانی میں تیری شکر گزار ہوں کہ اپنے ساتھ تو اس کو بھی لے آیا اور اس طرح میری زندگی کا تنہا مقصود پورا ہو کر رہا۔ اچھا اے ناعاقبت اندیش اندھے عاشق۔ اب میں تجھ سے رخصت ہوتی ہوں۔ اس خائن کی لاش کو یہیں چھوڑ جانا کیونکہ آج رات میں نے یہاں کے بھیڑیوں اور گدھوں کو دعوت دی ہے اور جو کچھ میں نے تیرے متعلق کہا ہے اسے بھی یاد رکھنا کیونکہ ممکن ہے پھر میں تجھ سے نہ مل سکوں۔''

یہ کہہ کر بڑھیا وہاں سے دفعتاً غائب ہو گئی اور انطانی اسی طرح مبہوت و متحیر کھڑا رہا۔

(۲)

پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا اس سے ہر تاریخ داں واقف ہے۔ انطانی پر بعد کو ایک وقت آیا کہ اس نے خودکشی کرنا چاہی لیکن اس کی شجاعت نے اجازت نہ دی، اس جنگ کے دوران میں اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیا، لیکن اس نے قبول نہ کیا۔ اور پھر جب وہ مرا تو اس حال میں کہ نہ کوئی دوست پاس تھا نہ عزیز اور نہ کوئی رونے والا تھا، نہ اٹھانے والا۔ یہاں تک کہ کلیوپیٹرا بھی اس سے دور تھی۔ یہ واقعہ ۳۰ء قبل مسیح کا۔

Marfat.com

ایک سپاہی کا عہد

(۱)

یہ دسویں مرتبہ ہے کہ اہل عرب طرابلس کا قلعہ فتح کرنا چاہتے ہیں۔

چاروں طرف سے قلعہ گھیر لیا گیا ہے۔ اور نہایت سختی سے جنگ جاری ہے۔ محصورین بھی کچھ کمزور نہیں، برابر کا جواب دے رہے ہیں۔ آخر کار اہل عرب نے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ فی الحال پیچھے ہٹ جانا چاہئے۔ تا کہ پھر نئی قوت سے حملہ کیا جائے۔

یہ واقعہ ۵۸۱ھ یا ۱۱۵۵ء کا ہے۔ یوسف صلاح الدین ایوبی نے اس بات کی قسم کھالی ہے کہ دو سال کے اندر اندر وہ اپنے ممالک فرنگیوں سے واپس لے لیگا اور شیلم پر جسے صلیب پرستوں نے دوبارہ حاصل کر لیا تھا اسلامی علم نصب کر کے چین لے گا۔

سلطان نے یہ طے کیا کہ سب سے پہلے تمام طاقت طرابلس کی طرف صرف کرنا چاہئے کیونکہ اور شلیم تک پہنچنے کا دروازہ یہی تھا اور مغرب کے سارے بیڑے اسی طرف سے ہو کر گزرتے تھے۔ اس لئے اگر یہ فتح ہو گیا تو تمام بیرونی امداد کا خاتمہ ہو جائے گا اور فرنگی زیر ہو جائیں گے۔

اس وقت طرابلس کا حاکم اور فرنگیوں کا قائد ایک نہایت جری شخص تھا۔ جسے مسلمان ''قومس تولوزی'' اور یہودی ''ریمون پنجم'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔۔۔ الغرض

Marfat.com

عربوں اور فرنگیوں کے درمیان نہایت سخت خونریزی جاری تھی اور کسی کو پتہ نہیں تھا کہ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا۔

ٹھیک اسی زمانے میں، لانبے لانبے، گھنے سرد کے جنگل میں ایک راہب رہتا تھا جس نے رات بسر کرنے کے لئے بھدی اور مضبوط چٹانوں کے اندر ایک چھونپڑی ڈال لی تھی۔ وہ دن رات اسی میں پڑا رہتا تھا۔ وہ ہر وقت کسی سوچ میں رہتا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اسے غیر معمولی آلام و مصائب سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس کے متعلق کسی کو کچھ علم نہ تھا۔ وہاں کے قرب و جوار کے رہنے والے اسے ''فقیر'' کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اور خدا رسیدہ بزرگ سمجھتے تھے۔ انھیں اس کے گذشتہ حالات معلوم کرنے کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کے پاس کی تمام آبادیوں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ ہر جگہ اسی کا ذکر لوگوں کی زبانوں پر تھا لوگ اسے بہت بڑا ولی سمجھتے تھے۔ بلا تفریق مذہب سب اس کے پاس جاتے ہاتھوں کو چومتے اور دعائیں طلب کرتے۔ لوگوں کا جوش عقیدت اس حد تک بڑا ہوا تھا کہ وہ اس ''سعادت'' کے حصول میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور شب و روز اس کی خدمت میں مصروف رہتے۔

زائرین میں ایک جوان اور خوبصورت لڑکی بھی تھی۔ لانبا قد۔ کشادہ پیشانی سڈول جسم، بڑی بڑی غزالی آنکھیں۔ غرض وہ تمام چیزیں جو حسن کے مفہوم کو متحسین کر سکتی ہیں اسے حاصل تھیں وہ ہفتہ میں ایک مرتبہ آتی، اور اس کے ساتھ ''ریمون دی تونور'' کا ایک سوار بھی ہمیشہ ساتھ رہتا۔

یہ کون ہے؟ اس کا اس گوشہ نشیں راہب سے کیا تعلق ہے؟ کسی کو معلوم نہ تھا۔ لوگوں کو جو معلوم ہو سکا وہ صرف یہ تھا کہ اس کا نام ''میری ٹریز'' تھا وہ ایک روز تنہا طرابلس کے حاکم ''کونٹ ریمون دی تولوز'' کے پاس گئی اور کہا کہ میرے باپ جنگ صلیبی میں کام آچکے ہیں اب چونکہ میرے خاندان میں کوئی نہیں رہا اس لئے محل میں رہنے کی اجازت فرمائی جائے۔ تاکہ ان عورتوں کے ساتھ جو اس میں رہتی ہیں اپنا غم غلط کر سکوں۔''

اس نے یہ بھی ظاہر کیا کہ۔ ''میں فرانس کے ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتی

Marfat.com

ہوں، میں اس مقدس سرزمین میں اپنے والد کے ساتھ ایک نذر پوری کرنے آئی تھی اور ارادہ تھا کہ بیت المقدس کے فریضہ حج کو پورا کر کے وطن واپس جاؤں گی۔ لیکن والد نے چاہا کہ وہ بھی جنگ میں حصہ لیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں گھر سے بے گھر ہو گئی۔''

کونٹ ایمون بہت مہربانی سے پیش آیا اور اس نے محل میں رہنے کی اجازت دیدی۔ یہ ۱۱۷۵ء کا واقعہ ہے۔ اس روز سے یہ محل میں رہنے لگی۔ لیکن کونت کی اجازت سے یہ ہفتہ میں ایک بار خاص سوار کے ساتھ راہب سے ملنے ضرور جاتی تھی۔

اسی حال میں دس سال گزر گئے ہفتہ میں ایک مرتبہ وہ لڑکی راہب کے پاس جاتی اور کونٹ بھی کبھی کبھی ساتھ جاتا۔ دسمبر ۱۱۸۵ء کی ایک صبح، کونٹ ریمون دی لوز، کے قصر کے پاس ایک نوجوان لبنان کا آیا اور اس نے وزیر طرابلس سے یہ کہہ کر ملنے کی خواہش کی کہ وہ راہب کے پاس سے پیغام لایا ہے۔

جب باریابی کی اجازت ملی تو اس نے راہب کی طرف سے سلام کے بعد کہا کہ ''مقدس راہب نے جو ہم سب کے نزدیک نہایت ہی محترم اور بزرگ ہستی ہے۔ مجھے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اس کی ایک خواہش آپ تک پہنچادوں اس کی آرزو ہے کہ آپ اسی وقت ''میری ٹریز'' کے ساتھ تشریف لائیں۔ کیونکہ اگر آپ صبح تشریف لائے تو آپ سے غالباً ملاقات نہ ہو سکے گی۔''

اس گفتگو کو سن کر کاؤنٹ نہایت اضطراب و پریشانی کی حالت میں اٹھا، لڑکی کو آواز دی، اور فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر راہب کی اقامت گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

راہب کی حالت بہت زیادہ سقیم تھی۔ ضعف کا یہ عالم تھا کہ گفتگو کرنا مشکل تھا۔ اس نے لڑکی کے زانو پر سر ڈال دیا اور کاؤنٹ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آہستہ آہستہ یوں گفتگو شروع کی:۔

''میرے محترم! وقت کا تقاضا ہے کہ میں اپنی حقیقت سے آپ کو مطلع کروں اور ان تمام رازوں سے جو میری زندگی سے متعلق ہیں آپ کو آگاہ کردوں کیونکہ اب میرا آخری وقت ہے۔ موت سر پر آچکی ہے۔۔۔۔۔ چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ سانس پھولنے

Marfat.com

لگی، حلق سوکھ گیا'' تھوڑی دیر تک چپ چاپ رہا اور پھر طاقت کو مجتمع کر کے سلسلہ کلام جاری کیا۔۔۔۔۔کونٹ! ہنری دی مونفور کی باتیں جو اس وقت تم سے گفتگو کر رہا ہے ذرا غور سے سنو۔

ریمون دی تو نور نے تعجب سے اس کے جملہ کو دھرایا۔

''ہنری دی مونفور!؟''

''ہاں!۔۔۔۔۔ہنری دی مونفوز۔۔۔۔۔آپ کو متعجب نہ ہونا چاہئے۔

تمام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ بہادر فرانسیسی جو اپنی لڑکی کے ساتھ اس مقدس زمین کی زیارت کی غرض سے آیا تھا، جنگ میں کام آ گیا۔ جس نے اپنی زندگی سے مایوس ہو کر قصداً اپنے نفس کو خطرے میں ڈالا تھا۔۔۔۔۔۔''

''ہاں!۔۔۔۔۔ہم لوگوں کا ایسا ہی خیال ہے۔۔۔۔۔''

''مگر تم لوگ حقیقت سے واقف نہیں ہو۔۔۔۔۔ہنری دی مونفور مرا نہیں ہے جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے بلکہ وہ ابھی تک زندہ ہے اور وہ اس وقت تم سے گفتگو کر رہا ہے۔ ۔۔۔۔۔میری تمام باتوں کو غور سے سنو تا کہ اس واقعہ کو اپنے بعد دوسروں تک منتقل کر سکو۔۔۔۔۔''

راہب نے چند منٹ خاموش رہ کر پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا

''ہم لوگ قدس سے واپس ہو کر ساحل لبنان کی طرف جا رہے تھے۔ ہمارا قافلہ بیس مرد اور تین عورتوں پر مشتمل تھا۔ انھیں میں میری یہ لڑکی بھی تھی۔۔۔۔۔ہم لوگ نہایت اطمینان کے ساتھ نہایت تیزی سے آگے قدم بڑھائے چلے جا رہے تھے کہ ایک گھنی جھاڑی میں دشمن کے گروہ سے مڈبھیڑ ہو گئی جو پہلے سے چھپے ہوئے بیٹھے تھے۔ اثناء قتال میں میری نگاہ ایک ایسے شخص پر پڑی جو گھائل ہو کر گر پڑا تھا اور ہم میں ایک شخص اس کا کام تمام کرنا چاہتا تھا۔ میں فوراً آگے بڑھا اور اس ارادے سے اس کو باز رکھا اور مجروح سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم اطمینان رکھو! جب تک میں یہاں موجود ہوں کوئی تمھیں ہلاک نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔جنگ بہت جلد ختم ہو گئی۔ ہمیں شکست ہوئی، اور دشمن ہمیں گرفتار کر کے اپنے

Marfat.com

سردار کے پاس لے چلے۔

''تم اس کے نام سے واقف ہو؟''

''امیر غالب الشہابی۔۔۔۔عربی النسل ہے حال ہی میں ''وادی تیم'' میں آیا ہے، سلطان کے ملک کا۔۔۔۔۔''

''میں اس امیر سے خوب واقف ہوں۔نہایت بہادر اور شجاع ہے۔''

''ہاں اس نے اپنی بہادری اور شجاعت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیا ہے۔''

''اپنا واقعہ پورا کیجئے۔''

''ہم لوگوں کو امیر کے پاس لایا گیا۔۔۔۔۔۔یہ امیر وہی تھا جس کی جان میں نے جنگ کے سلسلے میں بچائی تھی۔۔۔۔۔!''

''پھر تم نے اس سے کچھ کہا نہیں؟''

قبل اس کے کہ میں کچھ کہوں اس کی نگاہ مجھ پر پڑ گئی۔اس نے فوراً حکم دیا کہ بیڑیاں کاٹ دی جائیں اور مجھے آزاد کر دیا جائے۔

اس وقت میں اس بہادر کے سامنے تھا جس نے بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھاڑ دئے تھے۔لوگ اس کے نام سے کانپتے تھے۔میں نے اس سے کہا۔میرے محترم آپ نے مجھے اس لئے آزاد کیا ہے کہ میں نے اثناء جنگ میں آپ کی جان بچائی تھی۔لیکن میں آپ کی اس عنایت کے بجائے اپنی ایک دوسری خواہش کی تکمیل چاہتا ہوں امید ہے کہ مجھے رہا کر کے جس وسعت قلبی کا اظہار کیا گیا ہے اس معاملہ میں بھی اسی سے کام لیا جائے گا۔میں چاہتا ہوں کہ میرے بجائے میری لڑکی کو آزاد کر دیا جائے جو ان قیدیوں میں شامل ہے۔اور اس کی بیڑیاں مجھے پہنا دی جائیں۔''

''اس نے کیا جواب دیا؟''

''میری طرف اس نے گھور کر دیکھا۔اس کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے اور اس نے انتہائی غصے کی حالت میں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔'' تم اپنی لڑکی کے ساتھ جا سکتے ہو۔۔۔۔''میں نے ہاتھ بڑھایا، اس نے مصافحہ کیا اور کہا کہ تم جا سکتے ہو۔''

Marfat.com

میں نے کہا۔ ''میں نے صرف آپ کی جان بچائی تھی۔ لیکن آپ نے اس کے بدلہ میں دو نعمتوں سے سرفراز کیا یعنی غلامی اور قید سے دو جانوں کو آزاد کیا۔ کیا مجھے اس بات کا موقع دیا جائے گا کہ میں اس احسان کا عوض پیش کر سکوں؟

اس نے جواب دیا۔ ''کہ اگر تمھاری یہ خواہش ہے تو بہترین عوض یہ ہو سکتا ہے کہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جنگ سے باز آ جاؤ۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟''

''میں نے اس کا وعدہ کر لیا۔''

''کیا تم نے ایسا ہی کیا؟'' کونٹ نے پوچھا۔

ہاں میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ میں نے وعدہ کر لیا اور اسے میں کسی طرح توڑ نہیں سکتا تھا۔ اس وقت سے میں نے تہیہ کر لیا کہ اپنی بقیہ زندگی ان پہاڑوں میں بسر کر دوں گا تا کہ جنگ سے بالکل علیحدہ رہوں۔''

''اور تمھاری لڑکی۔۔۔۔۔؟''

''میری لڑکی!؟۔۔۔۔۔۔کیا آپ نے ابھی تک نہیں پہچانا؟۔۔۔۔۔۔اس نے آپ کے یہاں پناہ لی ہے اور تقریباً دس سال سے آپ کے قصر میں مقیم ہے!''

کیا میری ٹریز؟

''ہاں! میری ٹریز!!۔۔۔۔۔۔یہی میری لڑکی ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنا نام کسی کو نہیں بتلایا اور نہ اس کا اظہار کیا، وہ راہب جس کی ہر ہفتہ وہ زیارت کرتی ہے فی الواقع اس کا باپ ''ہنری دی مونفور'' ہے۔

لڑکی یہ تمام باتیں بیٹھی سنتی رہی، بالآخر وفور غم سے بیتاب ہو کر باپ کی گردن میں باہیں ڈال کر رونے لگی۔ فقیر نے کانپتے ہاتھوں سے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''بیٹی! اب میں اس عالم سے کوچ کر رہا ہوں۔ لیکن میرا ضمیر مطمئن ہے مجھے خوشی ہے کہ مجھے اب تمھاری طرف سے کوئی فکر نہیں رہی۔۔۔۔۔ میں تمھیں نہایت ہی وسیع النظر، عالی ہمت، اور شریف شخص کے حوالے کر کے جا رہا ہوں تم یقیناً اپنے باپ کو کھو رہی ہو لیکن تم ''ریمون دی تو نور'' کو اپنے باپ سے زیادہ مہربان، اپنے بھائی سے زیادہ خیر خواہ اور اپنے

Marfat.com

اعزہ واقارب سے زیادہ خیر خواہ پاؤ گی، وہ تمھاری ہر طرح سے مدد کرے گا۔ اس کے بعد وہ کونٹ کی طرف متوجہ ہوا، اور اپنے بستر سے کچھ میلے کچیلے کاغذ نکالے اور انھیں دیتے ہوئے بولا۔

''آپ انھیں حفاظت سے رکھیئے۔ ان سے میری بیٹی کا حق وراثت ثابت ہوگا ان کے ذریعہ وہ اپنے حق کی مستحق ثابت ہوگی اور۔۔۔۔۔''

راہب اس حد تک پہنچا تھا کہ آواز بالکل بند ہوگئی۔ چہرہ زرد پڑ گیا، ایک مرتبہ انگڑائی لی۔ حسرت بھری نگاہوں سے ایک مرتبہ اپنی بیٹی کو دیکھا اور ایک ہچکی کے ساتھ ختم ہو گیا۔

(۲)

اس کے بعد راہب (ہنری دی مونفور) کو کفنا کر اسی غار میں دفن کر دیا گیا اور ہر چہار جانب درخت لگا دئے گئے تا کہ ان کے ذریعہ اس کی حفاظت ہو سکے۔

۱۱۸۷ء میں میری ٹریز سرو کے اس جنگل میں آئی تا کہ اپنے وطن فرانس جانے سے قبل ایک مرتبہ اپنے باپ کی زیارت کر سکے۔

ٹھیک اسی روز جس دن وہ لڑکی اپنے باپ کی زیارت کرنے گئی ہوئی تھی سلطان صلاح الدین اپنے عزم کے مطابق دو سال کے اندر اندر فاتح کی حیثیت سے اور شلیم میں داخل ہو رہا تھا۔

یہ ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) کا واقعہ ہے۔

Marfat.com

تاریخ مذہب کا ایک خونیں ورق

(۱)

شارلکان یا کارتوس پنجم، ہسپانیہ کا ایک بادشاہ اپنی مملکت کی غیر معمولی وسعت پر بہت نازاں تھا۔ اور اس کا یہ کہنا غلط نہ تھا کہ میری سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا لیکن اسے اپنی زندگی میں جو غیر معمولی کارناموں سے پر نظر آتی تھی۔ بہت زیادہ مشکلات سے دو چار ہونا پڑا۔ وہ اپنی ساری عمر میں ایک رات بھی آرام سے نہ سو سکا، اس کی زندگی کروٹ ہی بدلتے بدلتے ختم ہوگئی، وہ اپنے وسیع ملک کی حفاظت کرتے کرتے اکتا گیا۔ یہاں تک کہ آخر کار فرمانروائی اس کے لئے وبال جان ہوگئی اور وہ نہایت خوشی کے ساتھ حکومت سے دست بردار ہوگیا وہ اب سکون و اطمینان کا طالب تھا اور یہ جنس بازار سلطنت میں بالکل عنقا ہے۔ چنانچہ جس وقت اس نے حکومت سے دست برداری اختیار کی تو گرجاؤں میں اس کے لئے دعائیں مانگی گئیں کہ خدا اس کے گناہوں کو معاف کردے۔ یہ ۱۵۵۵ء کا واقعہ ہے۔

شارلکان نے بڑے بڑے معرکوں میں شرکت کی تھی۔ کئی بار خود دست بدست دشمنوں سے لڑا تھا۔ وہ فرنسوان اول شاہ فرانس، سلطان سلیمان قانونی فرمانروائے حکومت عثمانی اور ان کے علاوہ دوسرے بادشاہوں سے بھی بنرد آزما ہوا تھا اور اس نے ان تمام جنگوں میں اپنے کو نہایت شجاع اور غیر معمولی بردبار مدبر اور جری ثابت کر دکھایا تھا۔ اسے

Marfat.com

کنیسہ کیتھولک کے مخالفین سے بھی سخت جنگ کرنی پڑی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے ان تمام لوگوں کو جنھوں نے پاپائے روم اور اس کی تعلیمات کی مخالفت کی تھی شہر بدر کر دیا۔

محکمۂ تفتیش جسے شارلکان نے قائم کیا تھا۔ تاریخ کنیسہ میں نہایت بدنما داغ شمار کیا جاتا ہے اور یہ داغ اس بادشاہ کے نام اور اس کے ملک سے کسی طرح نہیں مٹایا جا سکتا۔

شارلکان حکومت سے علیحدہ ہونے کے تین سال بعد ۱۸۵۸ء میں انتقال کر گیا اور اسکے بعد تخت و تاج کا مالک اس کا لڑکا فلپ دوم قرار پایا۔ فلپ انصرام حکومت میں اپنے باپ سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اور اس نے بھی اپنے باپ کے اتباع میں مخالفین کنیسہ کے اخراج وقتل کو برابر جاری رکھا۔

ان دونوں متعصب اور ظالم بادشاہوں کے دور حکومت میں ہسپانیہ سخت دردناک حوادث کا مرکز بنا ہوا تھا اور اس زمانے میں ایسے ایسے واقعات رونما ہوئے جنھیں سننے کے بعد شقی سے شقی انسان بھی بغیر آنسو بہائے نہیں رہ سکتا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ''لوتھر'' جرمنی میں اصلاح مذہب عیسوی کی طرف متوجہ تھا۔ اور قدیم عقاید سے پھیر کر لوگوں کو اپنے جدید مذہب کی طرف دعوت دے رہا تھا۔ اول اول تو حکومت نے کوئی خاص توجہ اس طرف نہیں کی۔ لیکن جب لوگ جوق در جوق اس مسلک میں شامل ہونے لگے تو قدامت پرست اہل روما اس خطرناک تحریک سے چیخ اٹھے اور انھوں نے یک زبان ہو کر ''لوتھر'' اور اس کے متبعین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر کے یورپ کے مسیحی بادشاہوں سے امداد کی درخواست کی۔

شارلکان نے فوراً اس دعوت کو قبول کر لیا اور ہر ممکن طریقہ سے اس کے استیصال پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ شارلکان کے محکمہ تفتیش نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیے اور متہمین کو جلاوطنی اور آگ میں ڈالنے کی سزا دی جانے لگی۔ یہاں تک کہ ہسپانیہ کے ہر گلی کوچہ سے دردناک صدائیں بلند ہونے لگیں۔

(۲)

ڈاکٹر ''کازالا'' جو ہسپانیہ کے دارالسلطنت مڈریڈ میں قصر شاہی کے بالکل قریب

Marfat.com

رہتا تھا اور وہاں کے کنیسہ کا کاہن تھا ''لوتھر'' کا مسلک اختیار کرنے کے لئے روانہ ہوا اور جب وہاں سے واپس آیا تو پوشیدہ طور پر اس جدید مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ ڈاکٹر کازالا کا خیال تھا کہ۔ لوتھر جو کچھ کہہ رہا ہے بالکل حق ہے۔ اور اس کے مخالفین صریح غلطی پر ہیں۔

ڈاکٹر مذکور نے واپسی کے بعد ''بلد الولید'' میں اقامت اختیار کی، کیونکہ وہاں اس کی ایک اچھی خاصی جماعت قائم ہو چکی تھی اس نے اس کا نام ''لوتھر'' رکھا۔

اس اثناء میں شارلکان کا انتقال ہو گیا۔ تخت پر اس کا لڑکا فلپ ثانی بیٹھا۔ اس نے مخالفین کنیسہ کی نگرانی کی طرف اور زیادہ توجہ کی، اور آخر کار اس کے جاسوس اس جگہ کو معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے جہاں ڈاکٹر کازالا اپنے متبعین کے ساتھ آیا کرتا تھا۔ ایک رات کو فوج نے اس مکان کا اچانک محاصرہ کر لیا اور تیس آدمی گرفتار کر کے محکمہ تفتیش کے حوالے کر دئے گئے۔

ڈاکٹر کازالا مع اپنی بہن اور بھائی کے بھاگا۔ مگر فوج برابر پیچھا کرتی رہی اور جامعہ قرطبہ تک پہنچی جہاں ڈاکٹر کازالا نے اس خیال سے پناہ لی تھی کہ شاید یہاں تک حکومت کے افراد نہیں پہنچ سکتے ڈاکٹر کے بھائی بہن قصر حمرا میں جان بچانے کی غرض سے چھپے ہوئے تھے۔ لیکن فوج ان کی تلاش میں بالآخر کامیاب ہوئی اور انھیں بھی گرفتار کر کے محکمہ تفتیش نے ان کے متعلق دو روز تک غور و خوض کے بعد اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔

اگر اس وقت بھی کوئی سیاح ہسپانیہ کے دارالسلطنت مڈرید میں جائے اور وہاں کے کتب خانے میں اس زمانے کی مطبوعہ اور قلمی تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس کے اندر ایک مجلد قلمی وثیقہ اس کو نظر آئے گا۔ جس پر لکھا ہو گا کہ ۲۱ مئی ۱۵۵۹ء کو کفار کی ایک جماعت ''بلد الولید'' میں جلائی گئی''

اس کی تفصیل یوں ہے:-

صبح کا وقت تقریباً ۸ بجے ولی عہد ''دون کارلوس'' جس کی عمر اس وقت ۱۴ سال سے زیادہ نہ تھی مع اپنی بہن ''جونا'' کے وہاں گیا۔ عظماء سلطنت، کنیساؤں کے پوپ اور محکمۂ تفتیش کے صدر جسے سراغ رسانی میں بہت زیادہ شہرت حاصل تھی ولیعہد کے ساتھ تھا

Marfat.com

''جونا'' کے جلو میں نہایت خوبصورت لباس زیب تن کئے ہوئے بہت سی سہیلیاں بھی وہاں موجود تھیں ولی عہد اور ''جونا'' دونوں وہاں جا کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور گرفتار شدہ لوگ لائے گئے پوپ ''ملکیور کانا'' نے اپنا خطبہ شروع کیا۔ لیکن ہنگامہ کچھ اس قدر تھا کہ ایک لفظ بھی سننے میں نہ آسکا۔ اس کے بعد دوسرا پوپ آگے بڑھا۔ ہنگامہ بالکل فرد ہو گیا۔ ہر چہار جانب سکوت چھا گیا۔ اس نے ہاتھ میں چاندی کی سلیب لے کر اپنی گرجتی ہوئی آواز سے کہا کہ ''امیر اور امیرہ کو خدا کے سامنے قسم کھانی ہو گی کہ وہ محکمۂ تفتیش کی طرف سے ہمیشہ مدافعت کریں گے'' اس پر امیر اور امیرہ نے بیک زبان میں آمین کہی اور وعدہ کیا کہ وہ پوپ کے مطالبہ کو ہمیشہ منظور کریں گے۔ اس کے بعد جج ''فرجارا'' آیا اور اس نے ملزمین کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کیا۔ سب سے پہلے ڈاکٹر ''کازالا'' کا خادم لایا گیا۔ اس کے بعد کازالا کا بھائی اور پھر اس کی بہن اور دوسرے تیس آدمی ان میں سے ۱۶ کو حبس دوام کی سزا دی گئی اور چودہ کو آگ میں ڈالے جانے کی۔ لیکن قبل اس کے کہ ان کو آگ میں ڈالا جاتا۔ فوج کو حکم دیا گیا کہ ان سب کا گلا گھونٹ دیں جن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا ان میں ایک چودہ برس کی معصوم لڑکی بھی تھی۔ جس کا نام ''کالتیانا دی'' تھا اس نے جلاد سے نہایت عاجزی کے ساتھ کہا کہ اسے دیر تک تکلیف میں مبتلا نہ رکھا جائے۔ مگر افسوس اس نے یہ تمنا ایسے شقی القلب کے سامنے پیش کی تھی جو کبھی اسے پورا نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ تمام مجرمین میں اسی کو سب سے زیادہ تکلیف دے کر قتل کیا گیا۔ آخر میں اسی فرقہ کے سردار ڈاکٹر کازالا کو لایا گیا۔ چونکہ شہنشاہ شارلکان اس سے بہت محبت رکھتا تھا اور اس کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا۔ اس لئے ڈاکٹر کو زندگی کے آخری لمحہ تک قوی امید تھی کہ فلپ ثانی اسے معاف کر دے گا۔ مگر اس کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔ اسے بھی دیگر رفقاء کی طرح گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد مشتعل آگ کے حوالے کر دیا گیا۔ جنھیں زندہ جلانے کا حکم دیا گیا تھا وہ جب آگ میں پہنچنے کے بعد چیختے تھے تو سپاہی انھیں نیزوں سے مار کر خاموش کر دیتے تھے۔ محکمۂ تفتیش کی اس درندگی کی آگ جب ڈاکٹر کازالا کے جلانے کے بعد بھی کم نہ ہوئی تو اس کی ماں کی قبر کھدوا کر اس کی سڑی گلی ہڈیاں نکلوائیں اور ڈاکٹر کی نعش کے ساتھ ان کو بھی آگ میں ڈال دیا گیا۔

Marfat.com

آگ اور خون سے کھیلنے والا فرمانروا

(۱)

آگ۔آگ۔آگ۔۔۔!!

یہی ایک کلمہ تھا جو ہزاروں خشک زبانوں پر جاری تھا اور روما کے گوشہ گوشہ میں گونج رہا تھا۔لوگوں کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔لب ہلانے کی بھی طاقت ان میں باقی نہ تھی لیکن اب بھی ایک خشک چیخ کی صورت میں جو آواز پیدا ہوتی تھی وہ یہی تھی کہ آگ۔آگ!!

کامل تین گھنٹے آتشزدگی کو ہو چکے تھے لوگوں کے ہنگامے واضطراب، شوروشیون کا یہ عالم تھا، گویا کرہ زمین کا دل دھڑک رہا ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ کس وقت باہر نکل پڑے۔

آگ نے شہر کے تمام مکانوں اور معبدوں کو اندر باہر چاروں طرف سے گھیر لیا اور دھوئیں کے بادلوں سے جو لال لال شعلے بلند ہو ہو کر نمودار ہو رہے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پہاڑ سے خون کے فوارے چھوٹ رہے ہیں اور ''رگ سنگ'' کا ہر ہر شراہ لہو میں تبدیل ہو گیا ہے۔

مکانوں کی چھتیں عجیب وغریب دھماکے کی آواز سے گر رہی تھیں جس کے ساتھ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کی چیخیں مل کر ایسا ہیبت ناک منظر پیش کر رہی تھیں کہ اسے سوا خدا

Marfat.com

کے اور کوئی صبر وسکون سے دیکھ ہی نہ سکتا تھا۔ شہر کے معابد اور وہاں کے قیمتی سامان، ہیکلوں کی قربان گاہیں اور وہاں کے مقدس ہدایا سب آگ کی نذر ہو چکے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آسمان وزمین کے سب سے بڑے دیو کے سامنے آج سب سے بڑی قربانی پیش کی جا رہی ہے۔

ٹھیک یہی وقت تھا کہ نیروں۔ روما کا شہنشاہ اعظم، قصر کے اندر سے مسکراتا ہوا۔ اٹھکھیلیاں کرتا ہوا برآمد ہوا۔ سیکڑوں خدام مشعلیں لئے ہوئے اس کے آگے آگے تھے۔ اور امراء دربار زرق برق لباسوں کے ساتھ اس کے جلو میں۔ اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک تھی اور رخساروں پر خوشی کی لہک، لبوں پر اطمینان وسکون کا تبسم تھا اور رفتار میں عجیب وغریب ''انداز گلگشت'' اس کے ہاتھ میں اس کا محبوب سرود تھا جس کے تاروں پر اس کی انگلیاں اس طرح چل رہی تھیں گویا اس سے بہتر فرصت نغمہ اس کو کبھی مل ہی نہیں سکتی۔ شعلوں کی لپٹیں گویا اس کے لئے بادنسیم کے جھونکے تھے جو اسے مست کئے ہوئے تھے اور مخلوق کی چیخ وپکار گویا نغمہ الوہیت تھی جس کے ساتھ سرود کے تاروں کو چھیڑنے میں وہ سمادی سکون محسوس کرتا تھا۔

یہ واقعہ ۶۷ء کا ہے جبکہ روما پر حکمرانی کرتے ہوئے نیروں کا گیارہواں سال گزر رہا تھا۔

(۲)

جب آگ کا دیوتا اپنی نذریں لے کر رخصت ہو گیا اور سارا شہر خاکستر کا ڈھیر نظر آنے لگا تو نیروں بھی اپنے قصر کو واپس آیا اور ہاتھ سے سرود رکھ کر مسند پر بیٹھ گیا۔ جس کے سرخ اطلس کو فینقیا کی خوبصورت لڑکیوں کے خوبصورت ہاتھوں نے بنایا تھا۔

نیروں نے امراء دربار سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''آج میں نے شہر روما کو خاک سیاہ کر کے واقعات عالم میں ایک ایسے واقعہ کا اضافہ کیا ہے جس کو دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور جو تاریخ کے صفحات پر جلی سرخ حروف سے لکھا جائے گا۔ لیکن اسی کے ساتھ روما کی خاک پر ایک اور دوسرا شہر بناؤں گا۔ جس کی عظمت وجمال کے سامنے تم قدیم شہر کو بھول جاؤ گے۔

Marfat.com

نیروں کی شخصیت کو تاریخ نے جس طرح پیش کیا ہے اس سے ہر شخص واقف ہے اور جہاں کہیں اس کا نام آتا ہے۔ آتشزن روما کی صفت بھی ضرور استعمال کی جاتی ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے ہیبت و جبروت والے بادشاہ گذرے ہیں۔ ظلم وستم سے کھیلنے والی بڑی بڑی ہستیاں گزر چکی ہیں۔ لیکن آگ اور خون کی جتنی پیاس نیروں کو تھی اتنی کسی کو نہ تھی۔

نیروں کی شخصیت صرف اپنی سنگ دلی اور شقادت و بے رحمی ہی کے لئے مشہور نہ تھی بلکہ مجموعہء اضداد ہونے کی حیثیت سے بھی دنیا نے اسے حیرت کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نیرون مجموعہ تھا۔ بہت سے ایسے آدمیوں کا جو ایک دوسرے سے بالکل متضاد طبعیت رکھتے تھے اور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ خود اسے کیا سمجھا جائے۔

وہ حد درجہ سنگ دل تھا اور اتنا ہی رحیم المزاج، وہ بے انتہا غضب ناک شخص تھا اور اتنا ہی محبت کرنے والا۔ وہ ایک مصلح تھا خرابات پسند، وہ ایک شاعر تھا۔ دشمن شعر و شاعری وہ ایک موسیقار تھا عدوئے نغمہ و موسیقی۔ الغرض یہ کچھ تھا نیروں جو روما کو آگ لگا کر سرود بجانے میں مصروف تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں کبھی لطف و کرم سے کام نہیں لیا۔ مگر صرف ایک بار لیکن اس لطف کا کتنا بڑا معاوضہ وہ پہلے ہی وصول کر چکا تھا۔ اس کا حال ذیل کے واقعہ سے معلوم ہوگا۔

نیروں اپنے تخت پر جلوہ افروز ہے امراء چاروں طرف بیٹھے ہوئے ہیں۔ غلامان زریں کمر سیکڑوں کی تعداد میں تعمیل احکام کے لئے سر جھکائے ہوئے کھڑے ہیں اور فرط ہیبت سے قصر میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ دفعتاً اس کی شیر کی سی آواز بلند ہوتی ہے اور حکم دیتا ہے کہ شراب حاضر کی جائے۔

خادموں میں ایک شخص یونانی الاصل بھی تھا جو اپنے آقا کے وطن ایتھس سے بھاگ کر یہاں آ گیا تھا اور جسے نیروں نے آبدار خانہ کا داروغہ بنا دیا تھا۔ اس کا نام دیوموس تھا۔

نیرون نے غلاموں سے کہا کہ ''حاضرین کو خوب جام بھر بھر کر شرابیں بلاؤ کیونکہ

Marfat.com

آج کا دن میری انتہائی مسرت کا دن ہے۔ اور آگ کے خوبصورت منظر سے جو سکر پیدا ہوا ہے اسے اس قدر جلد ختم نہ ہونا چاہیئے۔''

پیالے جام بھر بھر کے دئے جانے لگے لوگوں نے جلدی جلدی جام خالی کرنا شروع کئے اور نشہ کی سرخیاں حاضرین کے چہروں پر دوڑ گئیں۔ لیکن دیوموس اس وقت موجود نہ تھا اور باہر آبدار خانہ کے انتظام میں مصروف تھا۔ نیرون کو دفعتاً خیال آیا اور اس نے پوچھا کہ ''دیوموس آج یہاں نظر نہیں آتا؟ کہاں ہے'' جواب ملا کہ ''باہر انتظام میں مصروف ہے۔''

یہ سنتے ہی نیرون کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں اور باڈی گارڈ کا افسر جو دروازہ پر کھڑا تھا اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ۔ ''میں نے دیوموس کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ وہ دعوتوں میں مجھے ہمیشہ اپنے ہی ہاتھ سے شراب پلائے۔ پھر کیوں نہیں آیا۔ جاؤ اس ملعون یونانی کو ابھی پکڑ کر حاضر کرو۔''

دیوموس کانپتا ہوا سامنے آیا اور قدموں پر گر کر معافی چاہی کہ ''میں نے عمداً یہ خطا نہیں کی ہے بلکہ باہر کے انتظام میں اتنا مصروف تھا کہ حاضری کا خیال دل سے نکل گیا۔''

لیکن نیرون، جس نے آج تک کبھی کسی کا عذر نہیں سنا تھا، اس کا عذر کیوں سنتا۔ اس نے عصائے شاہی اٹھایا اور اس زور سے اس کے سر پر مارا کہ خون کا فوارہ سر سے جاری ہو گیا۔ اور وہ بے ہوش ہو کر وہیں گر پڑا۔

نیرون نے حکم دیا کہ ہاتھ پاؤں باندھ کر اسکو ایک طرف ڈال دیا جائے جب دعوت ختم ہونے کا وقت قریب آیا اور ہر شخص کے دماغ پر شراب پوری طرح مسلط ہو گئی تو نیرون نے حکم دیا کہ۔ ''دیوموس کو سامنے لایا جائے۔'' اور پھر جلاد کو بلا کر حکم دیا کہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دے چنانچہ جلاد نے اس کے دونوں ہاتھ تلوار کی ایک ضرب سے جدا کر دئے۔ اس حال میں کہ نیرون اور تمام امراء اس کی تکلیف اور تڑپ کو دیکھ دیکھ کر قہقہے لگا رہے تھے۔

''کیا تمھیں بہت تکلیف ہے۔؟۔۔۔۔''

Marfat.com

''ہاں ! یہ اذیت نا قابل برداشت ہے اوراس لئے میں نے تم سے کہا تھا کہ تم چھری لے کر میرا کام تمام کردو تا کہ اس عذاب سے مجھے نجات مل سکے۔''

''لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ ہم غلام سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور میرا فرض ہے کہ جس طرح ممکن ہو تمھیں زندہ رہنے دوں اور تمھاری خدمت کروں۔''

جس وقت دیوموس کے ہاتھ کاٹے گئے تو اس نے اپنے ایک ساتھی افریقی غلام سے کہا کہ تم مجھے ہلاک کر ڈالو کیونکہ ایسی زندگی سے موت بہتر ہے لیکن اس نے اس پر عمل نہیں کیا بلکہ قصر کے ایک گوشے میں لے جا کر اس کی خدمت و تیمارداری شروع کی۔ یہاں تک کہ اس کے زخم اچھے ہو گئے اور رفتہ رفتہ تمام وہ کام جو ہاتھ سے کیا کرتا تھا پاؤں کی مدد سے انجام دینے لگا۔ نیرون کا معمول تھا کہ کبھی کبھی وہ خود قصر کے مختلف حصوں میں جا کر دیکھا کرتا تھا کہ کون کیا کر رہا ہے۔ چنانچہ ایک دن اتفاق سے اس کا گزر وہاں بھی ہوا جہاں دیوموس پاؤں سے برتن صاف کر رہا تھا۔ نیرون اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور حیرت سے دیکھنے لگا کہ یہ کون ہے جو پاؤں سے ہاتھ کا کام لے رہا ہے۔ وہ بالکل بھول گیا تھا کہ دیوموس یہی ہے جس کے ہاتھ اس نے کسی وقت قطع کرائے تھے۔

نیرون نے محل واپس جا کر داروغہ کو بلایا۔ اور پوچھا کہ ''یہ کون تھا جو پاؤں سے برتن صاف کر رہا تھا۔'' اس نے ڈرتے ہوئے جواب دیا کہ ''اے آقا! یہ آپ ہی کا دیرینہ غلام دیوموس یونانی ہے۔ جس کے ہاتھ کاٹے جانے کا آپ نے حکم دیا تھا۔ موت اس کی قسمت میں نہ لکھی تھی اس لئے بچ گیا، اور بدستور اپنے آقا کی خدمت میں مصروف ہے۔''

نیرون یہ سن کر بہت متاثر ہوا۔ (اس کی زندگی کا یہ بالکل پہلا اور آخری تاثر تھا) اور حکم دیا کہ ''دیوموس کو حاضر کیا جائے۔''

دیوموس سامنے آیا تو نیرون نے اس سے مخاطب ہو کر کہا ''اے میرے بھائی، اس میں شک نہیں کہ میں نے تمھارے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا، لیکن امید ہے کہ اب تم مجھے معاف کر دو گے۔'' نیرون کی زندگی کا یہ بالکل پہلا واقعہ تھا کہ اس نے کسی سے معافی چاہی ہو۔ دیوموس اس کے قدموں پر گر پڑا اور بولا کہ ''اے آقا، آپ میری جان کے مالک تھے

Marfat.com

اور ہیں۔آپ نے جو کچھ کیا وہ بھی حق بجانب تھا اور اب جو کچھ کریں گے وہ بھی بالکل درست ہوگا۔"

نیرون نے کہا کہ" آج میں تمھیں آزاد کرتا ہوں اور اپنے قصر کا محافظ مقرر کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے دیوموس کو رخصت کیا اور متعدد غلام اس کی خدمت کے لئے مامور ہو گئے۔

اس کے بعد دس سال تک دیوموس مزید زندہ رہا اور پاؤں سے کام کرنے کی ایسی مشق بہم پہنچائی کہ نقاشی و بت تراشی میں بھی اس نے خاص شہرت حاصل کی۔ چنانچہ اس نے نیرون کا بھی ایک مجسمہ تیار کیا، جو نیرون کی خواب گاہ میں ہر وقت رکھا رہتا تھا۔ جب ۶۸ء میں نیرون کا انتقال ہوا تو یہ مجسمہ بھی توڑ دیا گیا لیکن دیوموس بدستور اپنی خدمت پر مامور رہا کیونکہ سارا روما اس کے کمال نقاشی کا معترف تھا۔

نہ اب نیرون باقی ہے، نہ دیوموس لیکن ایک کے ظلم و ستم اور دوسرے کے صبر و تحمل کی داستان ہنوز زندہ ہے۔ ممکن ہے نیرون کی روح اب بھی اس بات پر نازاں ہو کہ اسی کی وجہ سے روما کو اتنا بڑا صاحب کمال نقاش میسر ہوا۔

Marfat.com

۲۴ اگست ۱۵۷۲ء

یعنی

تاریخ مذہب کا وہ تاریک دن جس کی نظیر چنگیز و ہلاکو بھی پیش نہ کر سکے

(۱)

اگست کی ۲۴ تاریخ ہے اور مطلع غبار آلود، آسمان پر سیاہ بادلوں کے ٹکڑے آہستہ آہستہ جمع ہو رہے ہیں۔ اور تاریکی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ دوپہر کے بعد آفتاب نے پھر اپنی صورت نہیں دکھائی۔ شام ہوتی ہے اور چاند طلوع ہوتا ہے لیکن حد درجہ سوگوار و غمگین۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی بادلوں میں اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے اور تارے بھی زمین والوں کی طرف سے اپنا منہ موڑ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ ہوا میں تیزی شروع ہوتی ہے اور بڑھتے بڑھتے اس میں ایک کراہ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ زمین کانپنے لگتی ہے۔ آسمان تھرا اٹھتا ہے اور کائنات کی فضا صرف ان چیخوں سے معمور نظر آتی ہے جو قتل گاہ سان باتلومیو سے بلند ہوئی تھیں۔

مسلسل ۳۶۳ سال سے اگست کی یہ تاریخ ہر سال یہی منظر پیش کر رہی ہے اور قیامت تک پیش کرتی رہے گی۔ آپ شاید محسوس نہ کرتے ہوں گے، لیکن آیئے مختصراً اس داستان کو سن لیجئے۔ ممکن ہے کہ اس کے بعد میری طرح اس تاریخ کا یہ سوگوار منظر آپ کے دل میں بھی ہمیشہ کے لئے منقوش ہو جائے۔

Marfat.com

(۲)

یہ اس زمانے کی بات ہے جب یورپ میں پروٹسٹنٹ مذہب آہستہ آہستہ ترقی پا رہا ہے اور کیتھولک مذہب کی طرف سے لوگ متنفر ہو رہے ہیں۔ یعنی یہ اس وقت کا ذکر ہے۔ جب مذہب کی قدامت پرستی، عقلیت پسندی اختیار کرتی جاتی تھی۔ یوں تو یورپ کے تمام ممالک میں اس جدید مسلک کی اشاعت ہو رہی تھی۔ لیکن فرانس کی سرزمین اس کے لئے زیادہ موزوں ثابت ہوئی اور وہاں اس نے بہت جلد کافی جماعت پیدا کر لی تھی۔ تاہم چونکہ بعض امراء اب تک قدیم کیتھولک مذہب پر قائم تھے اس لئے فضا حد درجہ مکدر تھی اور لوگوں کے دل ایک دوسرے کے خلاف حسد و کینہ سے لبریز نظر آتے تھے۔

شاہ فرانس، ہنری ثانی کا انتقال ہو چکا ہے اور اپنے پیچھے اپنی بیوہ ملکہ کاترین کو چھوڑ گیا ہے اور اپنے بیٹے شارل کو۔ ۔ کاترین حد درجہ خود سر و مغرور اور سنگ دل عورت ہے جس نے اپنے چاروں طرف ملک کے قوی نوجوانوں کو جمع کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے اور اس کو جس طرف چاہتی ہے حرکت دیتی ہے۔ ہر چند ہنری کے بعد اس کا بیٹا شارل ہی تخت نشین ہوا تھا لیکن کاترین نے اس کو اس درجہ لہو ولعب میں ڈال دیا تھا کہ اسے مطلق خبر نہ تھی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور خود ہی جو چاہتی تھی کرتی تھی۔

یہ وقت تھا جب پروٹسٹنٹ مذہب وہاں غیر معمولی ترقی کر رہا تھا اور بڑے بڑے امراء اس کو اختیار کر چکے تھے تاہم چونکہ کیتھولک مذہب کے پیرو بھی کم نہ تھے اور بعض امراء ہنوز اس قدیم مسلک پر قائم تھے اس لئے عجیب سی خوفناک فضا اس ملک میں پیدا ہو گئی تھی۔ اور نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس تصادم کا نتیجہ کیا ہوگا۔

کیتھولک مذہب کا سب سے بڑا حامی ڈیوک دی گیز تھا جو ملکہ کے نہایت مقرب حاشیہ نشینوں میں سے تھا اور کسی وقت اس سے علیحدہ نہ ہوتا تھا۔ اول تو ملکہ خود کیتھولک مذہب رکھتی تھی۔ دوسرے دی گیز کی معیت، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پروٹسٹنٹ جماعت کی سخت مخالف ہو گئی اور ایسی آتش انتقام اس کے دل میں بھڑک اٹھی کہ وہ ہر وقت بے چین رہنے لگی۔ پھر چونکہ پروٹسٹنٹ امراء کی بھی جماعت کافی تھی۔ وہ [illegible] کو لینی اور دی کونڈا ایسے صاحب اقتدار

Marfat.com

امراء بھی شامل تھے اس لئے وہ کھلم کھلا مخالفت بھی نہ کر سکتی تھی۔ اور دونوں جماعتوں کے ساتھ بظاہر یکساں سلوک مناسب خیال کرتی تھی لیکن حقیقتاً وہ انگاروں پر لوٹ رہی تھی اور ہر وقت اسی فکر میں لگی رہتی تھی کہ پروٹسٹنٹ کافروں سے کیونکر ملک کو پاک کرے۔

(۳)

اسی دوران میں ہنری ذی نافار نے جو پروٹسٹنٹ جماعت کا سب سے بڑا سردار تھا ملکہ کاترین کی بیٹی کے لئے پیغام بھیجا اور اس نے پسند کر کے ۲۱ اگست ۱۵۷۲ء تاریخ عقد مقرر کر دی۔

کاترین چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی کی یہ شادی اس اہتمام سے ہو کہ تاریخ میں اس کی نظیر نہ ملے اور حقیقت یہ ہے کہ تاریخ ان واقعات کا اعادہ کر ہی نہیں سکتی جو اس شادی کے پردے میں ظاہر ہوئے۔ محافل نشاط کے انتظامات ہو رہے تھے۔ دعوتوں اور تفریحوں کے پروگرام تیار ہو رہے تھے۔ اور در پردہ وہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ جس نے اگست کی ۲۴ تاریخ کو ابدالآباد کے لئے غیر فانی بنا دیا۔

کاترین نے اپنے تمام مقرب امراء اور ارکان حرب کو پوشیدہ طور پر طلب کیا اور پروٹسٹنٹ جماعت سے انتقام لینے کی اسکیم پیش کی۔ جس کو سن کر سب کے دل کانپ گئے اور اس کے بیٹے شارل نے تو صاف انکار کر دیا۔ لیکن کاترین کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ شارل کا انکار یا امراء کا پس و پیش قائم رہتا۔ آخر کار سب کو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور نکاح کے بعد تیسری رات یعنی اگست کی ۲۴ تاریخ اس کام کے لئے تجویز کی گئی۔

۲۳ اگست کو کاترین کے ساتھیوں نے کام شروع کر دیا۔ یعنی غروب آفتاب سے قبل شہر کے ان تمام مکانات پر جن میں پروٹسٹنٹ رہتے تھے مخصوص نشانات بنا دیے۔ تا کہ کیتھولک جماعت کے مکانات سے وہ نمایاں طور پر الگ پہچان لئے جائیں۔

(۴)

۲۴ اگست کی رات ہے اور پیرس بقعۂ نور ہو رہا ہے تمام پروٹسٹنٹ شرفاء و امراء شاہی دعوت میں شریک ہیں اور ہر چہار طرف ہنگامہ رقص و سرود برپا ہے۔

Marfat.com

دفعتاً ملکہ کاترین کوئی عذر کر کے چلی جاتی ہے اور اندر کے ہال میں خفیہ طور پر اپنے ساتھیوں کو طلب کر کے پوچھتی ہے کہ ''کیا تم سب تیار ہو؟'' اس کے بعد وہ ڈیوک دی چیز سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ ''میں چند منٹ کے بعد پیرس کی گلیوں کی سیر کرنے کے لئے اپنے قصر سے باہر نکلوں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ میری یہ چہل قدمی ایسی جوئے خون میں ہو جہاں میں کم از کم زانو تک تو غرق ہو جاؤں۔''

یہ سن کر سب نے سر اطاعت خم کر دیا اور وہ کہہ کر کہ ''ہاں اب وقت آ گیا ہے تیار ہو جاؤ۔'' مسکراتی ہوئی پھر اس محفل طرب میں آ گئی جہاں سے وہ گئی تھی۔

(۵)

نصف شب ہو چکی ہے اور بزم رقص و سرود انتہائی نقطۂ تکمیل تک پہنچ گئی ہے کہ دفعتاً گرجاؤں سے ناقوس کی آواز بلند ہوتی ہے۔ یہ علامت تھی اس بات کی کہ خدا اور مذہب کے نام پر اب خونریزی شروع کر دینا چاہیئے۔ یہ آواز ہنوز فضا میں گونج رہی ہوتی ہے کہ قتل عام شروع ہو جاتا ہے۔ بزم شادی میں شریک ہونے والے تمام پروٹسٹنٹ امراء دفعتاً محصور کر لئے جاتے ہیں اور جو محفل اس سے پہلے صرف نغمہ و رقص اور ہنگامہ ناؤ نوش کے لئے وقف تھی۔ اب وہاں خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ سر کٹ کٹ کر فرش پر گر رہے تھے۔ گردنوں سے خون کے فوارے جاری تھے۔ لاشے ہر چہار طرف تڑپ رہے تھے۔ اور ہر جام بلوریں بجائے شراب کے اب لہو سے لبریز نظر آتا تھا۔ ٹھیک اسی وقت جب قصر شاہی کے اندر یہ خونی کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ شہر کے ہر گوشے سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ اور کیتھولک جماعت پروٹسٹنٹ آبادی کے قتل عام میں مصروف تھی نہ بچہ کی تمیز تھی نہ عورت کی، نہ بیمار پر رحم تھا نہ ضعیف پر۔ مذہب کا خون آشام دیوتا۔ بپھرا ہوا تھا اور انسانی جان کی قربانیوں پر قربانیاں طلب کر رہا تھا۔ وہ خون کا پیاسا تھا اور کسی طرح اس کی پیاس نہ بجھتی تھی۔ معصوم بچے ماؤں کی گود سے چھین چھین کر آگ میں ڈالے جا رہے تھے۔ اور ان کے نرم نرم گوشت کے جلنے سے جو بو پھیل رہی تھی اس کو سونگھ سونگھ کر یہ دیوتا خوش ہو رہا تھا حسین عورتوں کو برہنہ کر کر کے ان کا جسم نیزوں سے چھلنی کیا جاتا تھا اور ان کی چیخ سن سن کر یہ خونخوار دیوتا ناچ رہا تھا۔

Marfat.com

یہی وقت تھا اور یہی اس کا خونین منظر کہ کاترین اپنے موکب شاہانہ کے ساتھ مسکراتی ہوئی قصر سے باہر نکلی تا کہ وہ لاشوں کو تڑپتے دیکھے اور خوش ہو۔ مکانوں کو جلتے ہوئے دیکھے اور مسرور ہو۔ وہ خراماں خراماں چلی جا رہی تھی کہ راستے میں ایک لاش سے ٹھوکر کھا کر گری اور اس کے گھٹنے خون آلود ہو گئے لوگوں نے اسے فوراً سنبھالا اور وہ پھر آگے روانہ ہو گئی۔ کچھ دور چل کر اسے ایک کیتھولک سردار ملا جو خون آلود تلوار لئے ہوئے سر سے پاؤں تک لہو میں شرابور تھا۔ وہ اسے دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑی اور بولی کہ ''شکار کی خبریں سناؤ'' اس نے کہا کہ ''اب تلواریں نیام میں ہیں اور لاشے میدان میں۔''

اس نے اٹھلاتے ہوئے کہا کہ ''میری تمنا تو یہ تھی کہ گلیوں میں کم از کم گھٹنے گھٹنے تو خون نظر آتا۔'' سردار نے ملکہ کے خون آلود گھٹنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ ''ملکہ عالم کی یہ خواہش تو پوری ہو گئی۔''

وہ یہ سن کر بے اختیار ہنس پڑی اور رات بھر ہنستی رہی یہاں تک کہ جب ۲۵ اگست کا آفتاب طلوع ہوا تو وہ جاگ رہی تھی اور پروٹسٹنٹ جماعت کا ایک ایک فرد موت کی آغوش میں ہمیشہ کے لئے سو چکا تھا۔

Marfat.com

رومہ کا دور استبداد

(۱)

روما کی شہر پناہ سے باہر، دریا کے کنارے، گنجان درختوں کے خنک سایہ میں جلبا بیٹھا ہوا ہے اور پاس ہی اس کی بیوی نیرا لیٹی ہوئی ہے جو یونان کی خوبصورت عورتوں میں خاص امتیاز رکھتی تھی۔ ہر چند جلبا افریقہ کا رہنے والا تھا اور ایک یونانی عورت سے اس کا پیوند کوئی معنی نہ رکھتا تھا۔ لیکن محبت نے جو بہری بھی ہے اور اندھی بھی۔ نیرا کو نہ نوجوانان روما کی التجا کی طرف متوجہ ہونے اور نہ ہی قدان یونان کی تیکھی صورتوں پر، اور جلبا کا گرویدہ بنا دیا جو یقیناً اپنی شکل کے لحاظ سے واقعی غیر معمولی شخص تھا۔

نیرا، زمین پر اپنی دونوں کہنیاں ٹکائے ہوئے تھی اور ہتھیلیوں پر ٹھوڑی رکھے ہوئے جلبا کی پرشوق، باتیں سن رہی تھی اور کبھی کبھی محبت بھری آنکھوں سے اسے دیکھ بھی لیتی تھی۔

جلبا نے کہا ''اے نیرا آؤ ہم تم دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں کہ خدا ہماری محبت کو اسی طرح قائم اور دشمنوں کے فتنہ وفساد سے محفوظ رکھے۔''

نیرا اٹھ بیٹھی اور جلبا کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی کہ۔۔۔ ''اے جلبا اے میری زندگی کے تنہا مالک، میں تو روز صبح کو اٹھ کر یہی دعا مانگا کرتی ہوں۔ جب تم محل چلے جاتے ہو تو میں گڑگڑا کر خدا سے یہی التجا کرتی ہوں کہ بارالہا، میرے جلبا کو دشمنوں کے حسد سے محفوظ

Marfat.com

رکھ اور شہنشاہ کی نگاہ میں اسے اور زیادہ عزیز بنا دے۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ خدانخواستہ اگر تمھیں کوئی گزند پہنچ گیا تو میں کسی طرح زندہ نہیں رہ سکتی۔''

جلبا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ۔۔۔ نیرا۔۔۔تم اس سے بے فکر رہو کہ دشمنوں کی چالیں مجھے کوئی نقصان پہنچا سکیں گی۔ کیونکہ شہنشاہ کی بڑھی عنائتیں میری حفاظت کی ضامن ہیں۔تم کو معلوم ہو گا کہ پہلے میں قصر شاہی میں ایک غلام کی حیثیت رکھتا تھا۔لیکن لڑائیوں میں میری خدمتوں اور جانبازیوں کو دیکھ کر شہنشاہ نے غلامی کی زنجریں کاٹ دیں اور مجھے صف اول کے امراء میں جگہ دی۔اے نیرا! تجھے خبر نہیں کہ اس غلامی کی زندگی کو میں نے کس تکلیف و مصیبت سے کاٹا ہے اس لئے نہیں کہ میں غلام تھا۔۔۔۔ بلکہ صرف اس لئے کہ اس حال میں نہ تم سے محبت کر سکتا تھا اور نہ تمھاری تمنا دل میں لا سکتا تھا۔لیکن شکر ہے کہ وہ دن آیا جس کی آرزو میں میں تڑپ رہا تھا۔شہنشاہ نے مجھے آزاد کیا اور میں اپنی محبت تیرے قدموں پر نثار کرنے کے قابل ہو سکا۔

ہر چند میں افریقہ کے کسی غلام گھرانے میں پیدا نہ ہوا تھا بلکہ میرے والدین آزاد تھے اپنے اپنے قبائل کے سردار تھے۔ جب یونان کے لشکر نے افریقہ کے صحراؤں پر فتح حاصل کی تو میں بھی اسیر جنگ کی حیثیت سے روما لے آیا گیا اور قصر شاہی کے غلاموں میں شامل کر دیا گیا۔اس وقت میری عمر ۳۰ سال کی تھی۔

نیرا نے بات کاٹ کر کہا ''اے جلبا، مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے اور مجھے تمھارے اصل و نسل کی وجہ سے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم شریف ابن شریف ہو اور تمھارے خصائل خود اس بات کے شاہد ہیں''

جلبا بولا ''اے نیرا! کچھ بھی ہو میرے لئے یہ داغ غلامی سخت تکلیف دہ تھا اور میں رات دن اسی فکر میں رہتا تھا کہ کسی طرح یہ دور ہو۔ سو خدا کا شکر ہے کہ شہنشاہ کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ میرے ہاتھ بہ نسبت شراب پلانے کے تلوار چلانے کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔اور جس کو وہ غلام سمجھتا ہے اس کی رگوں میں انتہائی آزاد خون دوڑ رہا ہے۔ایک معرکہ میں شہنشاہ نیردن کی جان سخت خطرے میں پڑ گئی تھی اور دشمن کی فوج کا ایک سپاہی اپنا نیزہ

Marfat.com

شہنشاہ کے سینے میں پیوست کرنے ہی والا تھا کہ میں نے آگے بڑھ کر ایک ہی وار میں اس کا سر قلم کر دیا۔ شہنشاہ نے خوش ہو کر مجھے آزاد کر دیا۔ اور امراء کی صف میں جگہ دے کر خاص اپنی باڈی گارڈ کا افسر بنا دیا۔ نیرا سچ کہو کیا میں نے اپنی آزادی بہت سستے داموں، خریدی ہے؟''

نیرا نے فرط محبت میں اپنے ہونٹ اس کے لبوں سے ملا دئے۔ گویا جلبا نے جو کچھ کہا تھا اس پر مہر توثیق ثبت کر دی ہے۔

(۲)

جلبا کی عمر ۳۰ سال کی تھی جب اس کی شادی نیرا سے ہوئی۔ نیرا، سپہ سالار روما، لوکولوس کے ایک دوست کی بیٹی تھی جو لڑائی میں مارا گیا تھا اپنے دوست کی موت کے بعد لوکولوس نے نیرا کو اپنی بیٹی بنا لیا تھا جو خود بھی بیٹیوں ہی کی طرح اس سے محبت کرتی تھی۔

جب تک جلبا آزاد نہ ہوا تھا، نہ اس میں ہمت تھی کہ وہ نیرا کے لئے پیام دے اور نہ نیرا اس کو ممکن سمجھتی تھی لیکن جب جلبا کا داغ غلامی دور ہو گیا تو لوکولوس نے خوشی سے ان اقتران کو منظور کر لیا اور نیرا کو اس کی آغوش میں سونپ دیا۔

یہ واقعہ ۶۷ء کا ہے جب نیرون کو تخت روما پر بیٹھے ہوئے تیرہ سال کا زمانہ گزر گیا تھا اور کامل دس سال جلبا کو غلامی کی زندگی بسر کرتے ہوئے ہو گئے تھے۔ شادی کے بعد ان دونوں کی زندگی جیسی مسرور گزر رہی تھی وہ حقیقتاً ایک ایسا شیریں خواب تھی جس سے بیدار ہونے کی فرصت نہ جلبا کو تھی نہ نیرا کو لیکن ان غریبوں کو کیا خبر تھی کہ شام وصال کی صبح کس قدر جلد، کتنی اچانک آ جاتی ہے۔

اس گفتگو کے بعد جلبا اپنی بیوی نیرا سے رخصت ہو کر قصر شاہی میں پہنچا اور نیرون کے حضور میں حاضر ہو کر نیرا سے اپنے عقد کا حال بیان کیا۔

جلبا اپنی گفتگو ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ نیرون کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور اس نے جلبا سے پوچھا۔ ''اے جلبا تو کس لڑکی کا ذکر کر رہا ہے۔ کیا تو نے لوکولوس کی بیٹی نیرا سے عقد کیا ہے؟'' یہ سن کر جلبا نے اپنا سر جھکا لیا۔

Marfat.com

نیر دن ایک لمحہ خاموش رہا۔اس کے بعد اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب قسم کا تبسم نمو دار ہوا۔جس کا مطلب جلبا کچھ نہ سمجھ سکا اور بولا۔۔''اے جلبا، مجھے یہ خبر سن کر بڑی خوشی ہوئی میری طرف سے اپنی بیوی کو مبارکباد پہنچاؤ اور کہہ دو کہ جس طرح میں تم پر مہربان ہوں۔اسی طرح اس پر بھی ہمیشہ اپنی عنایت صرف کروں گا اور تم دونوں کی اولاد پر بھی اگر تمھاری قسمت میں کوئی اولاد لکھی ہے۔'' جلبا فرط عقیدت سے زمین بوس ہوا اور نیرون کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

(۳)

جلبا اپنی خدمات سے فارغ ہو کر گھر کی طرف لوٹا۔لیکن قبل اس کے کہ وہ مکان کے اندر داخل ہوتا۔اس کو معلوم ہوا کہ محلّہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔وہ خیال کر رہا تھا کہ گھر پہنچ کر اپنی بیوی سے دریافت کرے گا۔لیکن اسی وقت محلّہ کی ایک عورت کی آواز اس کے کانوں میں پڑی جو پڑوسن سے کہہ رہی تھی کہ۔'' ہاں۔ہاں، میں نے خود دیکھا کہ سپاہیوں نے اسے آ کر پکڑا، اور گاڑی میں بٹھا کر لے گئے۔غریب کا شوہر بھی گھر پر موجود نہ تھا۔''

جلبا یہ سن کر سراسیمہ رہ گیا اور فوراً گھر پہنچا۔یہاں آ کر دیکھا کہ محلّہ والے جمع ہیں اور اس کی ضعیف خادمہ سے سارا حال دریافت کر رہے ہیں اس کو دیکھتے ہی خادمہ نے اپنا سر پیٹ لیا اور سارا حال بیان کیا کہ سپاہی کس طرح گھر میں گھس کر زبردستی نیرا کو لے گئے۔

یہ سنتے ہی اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اب وہ سمجھا کہ نیر دن کے اس تبسم کا کیا مطلب تھا جو نیرا کی شادی کا حال سن کر اس کے چہرے پر پیدا ہوا تھا۔وہ تھوڑی دیر تک خاموش سکتہ کی سی حالت میں کھڑا رہا اور پھر اس نے ایک نہ ضبط ہونے والے جوش کے ساتھ اس حال میں کہ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں، مجمع سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''اے لوگو! گواہ رہو، میں اس آگ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کی ہم تم سب پرستش کرتے ہیں کہ میں اب اس گھر میں زندہ واپس نہ آؤں گا۔نیرون نے میرے ماں باپ کو ہلاک کیا۔میرے وطن کو تباہ کیا۔میری آزادی کو چھینا اور اب وہ میری بیوی بھی چھین لینا چاہتا ہے۔سو یہ

Marfat.com

قیامت تک ممکن نہیں۔ اگر نیرون کو میں ہلاک نہ کر سکا تو نیرا اور اس کے ساتھ ہی میری موت یقینی ہے۔''

لوگ اسے سمجھاتے رہے لیکن وہ ایک مجنوں کی طرح صفیں چیرتا ہوا قصر کی طرف واپس چلا گیا۔

(۴)

جس وقت وہ محل کے پھاٹک پر پہنچا تو غصہ سے اس کا چہرہ سرخ تھا اور منہ سے کف جاری تھا۔ لیکن پہرہ والوں نے اسے نہیں روکا۔ کیونکہ سب اس کے مرتبہ سے واقف تھے وہ سیدھا اس کمرے میں پہنچا جہاں نیرون کے سامنے عورتیں گرفتار کر کے پیش کی جاتی تھیں اور دروازے پر پہنچتے ہی اس کی آنکھوں نے سخت ہولناک منظر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ نیرا بے حس و حرکت فرش پر پڑی ہوئی ہے اور آثار حیات بالکل مفقود ہیں۔ قصر کے سرداروں کی ایک جماعت جن کے ساتھ وہ خود بھی کام کرتا تھا۔ لاش کے گرد موجود ہے اور جلبا کو رحم و لطف کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

آخر کار جماعت میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور بولا۔ ''اے جلبا! ہم سب کے دل تمھارے لئے کڑھ رہے ہیں اور نیرا کی موت پر آنسو بہا رہے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ کچھ مسرت بھی شامل ہے اور وہ یہ کہ تمھاری بیوی جیسی زندگی میں پاک دامن رہی ہے ویسی ہی وہ مرنے کے بعد بھی ہے اس نے تمھارے ناموس کو آخر وقت تک قائم رکھا اور اپنے لانبے لانبے بالوں سے خود اپنا گلا گھونٹ کر نیرون کو اس کا موقعہ نہ دیا کہ وہ اس کی عزت پر حملہ کرتا۔

جلبا خاموشی سے اسے سنتا رہا اس حال میں کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا اور اس کا سینہ سانس کی آمد و شد کے لئے تنگ نظر آتا تھا جب اس کیفیت میں کچھ کمی پیدا ہوئی تو آگے بڑھا اور نیرا کی لاش پر جتنے آنسو باقی رہ گئے تھے وہ بھی اس نے بہا دئے اور پھر ایک ایسی دردناک آواز کے ساتھ جس میں کاہنوں کی سی ہیبت ناک پیشن گوئی شامل تھی بولا کہ۔ ''اے نیرون، ۔۔۔ اے، سلطنت روما کے ملعون ترین فرمانروا۔ سن لے کہ اب تیرے ظلم کی عمر ختم ہوگئی ہے۔ اور وہ دن دور نہیں جب تجھ کو بھی تنگ آکر اسی طرح جان دینا پڑے

Marfat.com

گی جس طرح نیرا نے دی۔'' یہ کہہ کر اس نے خنجر نکالا اور آناً فاناً اپنے سینہ میں پیوست کر دیا۔

اس واقعہ کو ٹھیک ایک سال کا زمانہ گزرا تھا کہ ۶۸ء میں نیرون کے خلاف ملک نے بغاوت کی اور نیرون کو آخر کار خودکشی کرنا پڑی۔

Marfat.com

مسلمانوں کا عسکری اخلاق

(۱)

اے سرزمین فلسطین کے مسافر اگر فرصت ہو تو تھوڑی دیر کے لئے طین کے پہاڑ اور اس کی مختصر آبادی (طبریہ) پر بھی ایک نگاہ ڈال لے جو اس وقت خواہ کتنی ہی گمنام ہو لیکن زمانہ ماضی میں غیر معمولی شہرت کی مالک تھی۔

طبریہ کی شرہ پناہ جو کوہ آتش فشاں کے سیاہ پتھروں سے تیار کی گئی تھی ہر چند ۱۸۳۷ء کے زلزلہ میں تباہ ہو چکی ہے۔ لیکن اس کی مسماریوں اور بربادیوں میں ہنوز اس کی زبردست قوت حرب و دفاع کی داستانیں پوشیدہ ہیں۔

(۲)

سولہ سال قبل ولادت مسیح ہیروڈس نے اس قریہ کی بنیاد ڈالی اور اس کے بعد ادر شلیم کے تباہ ہونے پر اسرائیلیوں نے اس کو اپنا پایہ تخت بنایا۔ ۶۳۷ء میں حضرت عمرؓ نے اس کو حکومت اسلام میں شامل کیا لیکن حروب صلیبی کے دوران میں پھر مسیحی پادریوں کا مرکز قرار پایا۔ ۱۱۱۸ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس پر قبضہ کیا اور تقریباً ایک صدی بعد ۱۲۴۰ء سے ۱۲۴۷ء تک پھر صلیبیوں کے پاس رہا۔ اس کے بعد تیسری بار پھر عربوں کے تصرف میں آ گیا اور ان سے ترکوں نے لے لیا۔ یہاں تک کہ ''شیخ ظاہر'' نے باب عالی کے خلاف بغاوت کی اور اس مقام کو اپنا مرکز قرار دیا۔

Marfat.com

(۳)

۵۸۲ھ ہے اور ربیع الثانی کی دسویں تاریخ اس ناہموار سڑک پر جو شہر صور سے قلعہ عکا کو جاتی ہے دو سوار جو عربی گھوڑوں پر سوار ہیں مختلف سمتوں سے آتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور بیک وقت دونوں کی زبان سے حیرت و مسرت کے الفاظ نکلتے ہیں۔

ایک نے کہا۔ ''اے عامر میں تو تمھارے ہی پاس جا رہا تھا۔ میرا سردار کونٹ روڈ پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے اور مجھے بھی اس کے ساتھ جانا ہے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ تم سے آخری بار چل کر مل لوں۔ کس کو خبر ہے کہ زندہ واپس آؤں یا نہیں۔''

دوسرا بولا۔ ''اے فلپ میں بھی تم سے رخصت ہونے آ رہا تھا کیونکہ سلطان صلاح الدین لشکر کشی کا حکم دے چکا ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہو۔'' اس گفتگو کے بعد دونوں سوار اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے اور ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر وہیں ایک چٹان پر بیٹھ کر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

(۴)

فلپ، فرانسیسی نوجوان تھا اور کونٹ روڈ کی فوج سے تعلق تھا۔ یہ کونٹ، صرف حروب صلیبی میں حصہ لینے کے لئے فرانس سے آیا تھا اور مختلف جنگوں میں اپنی جرات کا ثبوت دے چکا تھا۔

ایک دن کوہستان ناپلس میں جنگ جاری تھی کہ میدان حرب کے کسی گوشہ میں فلپ کو ایک مجروح شخص نظر آیا جو زخموں سے چور چور تھا اور پیاس سے تڑپ رہا تھا۔ فلپ نے قریب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو ایک مشہور عربی سردار ہے جس کو فلپ بار بار دیکھ چکا تھا اور جس کی شجاعت کا لوہا فرانسیسی مانے ہوئے تھے۔

فلپ نے فوراً اس کو پانی پلایا۔ اور اس کا سر اپنی ران پر رکھ کر زخموں کو دھونے لگا۔ جب عربی سردار کو کچھ سکون ہوا تو اس نے آنکھیں کھول دیں اور صلیبی سپاہی کو اپنے سرہانے دیکھ کر بولا۔ ''اے نوجوان مجھے جلدی ہلاک کر ڈال کیونکہ میرا جو فرض تھا وہ ادا کر چکا ہوں اور مجھے اب زندگی میں کوئی تمنا باقی نہیں۔'' فلپ نے جواب دیا۔ ''اے معزز سردار، کیا تم

Marfat.com

نے کبھی یہ سنا ہے کہ روڈ میر کے کسی سپاہی نے مجروح و بے دست و پا دشمن پر حملہ کیا ہو۔ اے عامر، اے تھامہ کے سردار میں میدان جنگ میں تم کو اور تمھاری شجاعت کو بارہا دیکھ چکا ہوں اور اس لئے مجھ سے زیادہ بزدل کون ہوسکتا ہے، اگر میں تم پر ہاتھ اٹھاؤں گا۔''

(۵)

یہ جنگ ختم ہوگئی اور نتیجہ مسلمانوں کے خلاف نکلا۔ لیکن فلپ پھر واپس نہیں گیا اور عامر کو اپنے ساتھ لے جا کر اس کے علاج میں مصروف ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں جبل لبنان کی طرف چلے گئے اور عرصہ تک خاموش زندگی بسر کرتے رہے۔ درانحالیکہ صلیبی جنگیں برابر جاری تھیں اور عیسائیوں اور مسلمانوں میں ہنگامہ حرب و قتال بدستور قائم رہا۔

ایک دن عامر نے اپنے دوست فلپ سے کہا کہ ''اگر تمھاری رائے ہو تو میں وادی تیم جا کر اپنے اعزہ و اقربا کو دیکھ آؤں۔''

فلپ نے جواب دیا کہ ''میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ عکار جا کر اپنے عزیزوں سے مل آؤں۔ چنانچہ یہ دونوں دوست ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر اپنی اپنی منزل مقصود پر روانہ ہو گئے۔

جب عامر وادی تیم میں پہنچا تو اس کی قوم کے لوگ بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ اس کو مردہ تصور کر چکے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حریف صلاح الدین فوجیں جمع کر کے طبریہ پہنچ کر مسلمانوں کی کمک کے لئے پہنچنا چاہتا تھا۔

ادھر فلپ جب عکا پہنچا تو وہاں بھی مسیحی فوجیں طبریہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہی تھیں اور اس طرح جب یہ دونوں شرکت جنگ پر مجبور ہو گئے تو انھوں نے چاہا کہ ایک دوسرے سے مل لیں اور اس ارادے سے یہ دونوں اپنی اپنی جگہ سے چل کھڑے ہوئے اور راستہ میں دونوں کی مڈبھیڑ ہوگئی۔

(۶)

صلاح الدین جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے اور عزم کر چکا ہے کہ جس طرح

Marfat.com

ممکن ہوگا وہ صلیبیوں سے تمام اماکن مقدسہ کو پاک کر کے رہے گا۔ چنانچہ اس نے اعلان جہاد کر کے ہر چہار طرف سے مجاہدین کو جمع کرنا شروع کر دیا۔

کامل ایک سال گزر چکا ہے اور جنگ پوری قوت کے ساتھ جاری ہے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر، وادیوں میں، قلعوں کے اندر و باہر عکا سے اور شلیم تک اور بابلس سے کرک تک زمین ہر جگہ خون سے رنگین نظر آتی ہے۔

جب سلطان کو معلوم ہوا کہ مسیحیوں کی ایک تازہ فوج سمندر عبور کر کے آ رہی ہے تو اس نے ایک لشکر زین الدین واردم کی قیادت میں حلب سے دوسرا لشکر قیماز النجمی کی سیادت میں دمشق سے، تیسرا مظفر الدین کوکی کی قیادت میں اطراف سحرا سے طلب کر کے شہر طبریہ پر پوری قوت سے حملہ کر دیا۔

اس طرف سے صلیبیوں کی طرف سے بھی مدافعت کی پوری تیاریاں تھیں۔ اس لئے مسلمانوں کے ساحل بحر تک پہنچنے سے پہلے ہی دونوں لشکروں کا تصادم ہو گیا یہ دن سنیچر کا تھا اور ۵۸۲ھ کے ربیع الثانی کی ۲۵ تاریخ۔

(۷)

دونوں فریق کی جنگ کا اس وقت یہ انداز تھا جیسے شیر آپس میں لڑ رہے ہوں کیونکہ ان میں سے ہر ایک جانتا تھا کہ ارض مقدس کے فیصلہ کا قبضہ اسی جنگ پر منحصر ہے۔ گردنوں سے سر کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ تیر پر تیر سینوں میں آ کر پیوست ہو رہے تھے۔ لاشوں پر لاشیں گرتی جا رہی تھیں۔ اور خون نہروں کی طرح ہر چار طرف بہہ رہا تھا۔ آخر کار کئی گھنٹے تک یہ قیامت خیز ہنگامہ جاری رہنے کے بعد مسیحی فوجوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس جنگ میں پیادہ و سوار ۸۰ ہزار صلیبیوں نے شرکت کی تھی جس میں سے سوائے چند ہزار کے سب کام آ گئے اور بقیۃ السیف نے پناہ طلب کر لی۔

(۸)

صلاح الدین نے کہا۔ ''اے عامر اس قیدی کو لے کر تو کیا کرے گا۔؟''

عامر بولا۔ ''اے آقا! آپ کو یاد ہو گا کہ میدان قتال میں جب میں آپ کے

Marfat.com

سامنے سے گزار اس حال میں کہ میری تلوار خون سے رنگین تھی تو آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد آپ میری ایک تمنا ضرور پوری کریں گے۔ چنانچہ اب میں وہی تمنا پیش کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ صلاح الدین نے آج تک عہد شکنی کبھی نہیں کی۔''

صلاح الدین نے کہا۔''اے عامر تو اس قیدی کی جان بخشی چاہتا ہے جس نے میدان جنگ میں صلاح الدین کی گردن جدا کرنا چاہی تھی۔''

عامر نے جواب دیا۔''اے آقا! اگر یہ کوئی معمولی سپاہی ہوتا تو میں کچھ نہ کہتا لیکن یہ شخص صلیبیوں کا بڑا مشہور جری سردار ہے اور ایک بار میری جان بچا چکا ہے اس لئے میرا فرض ہے کہ آج میں اس کی جان بچاؤں۔''

سلطان صلاح الدین نے حکم دیا کہ قیدی لایا جائے۔ چنانچہ فلپ سامنے لایا گیا اور صلاح الدین نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔''اے سردار میں تیری جان بخشی کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ تو میرے اس احسان کو کبھی فراموش نہ کرے گا۔''

فلپ نے کہا۔''اے سلطان میں جانتا ہوں کہ میری جان بخشی کا سبب عامر ہے اور اگر وہ میرا شفیع نہ ہوتا تو آپ ضرور مجھے قتل کر دیتے۔ اس لئے میرے شکریہ کا مستحق اگر کوئی ہو سکتا ہے تو صرف عامر۔''

صلاح الدین نے جواب دیا۔''یہ تو نے صحیح کہا کہ عامر نہ ہوتا تو میں یقیناً تجھے قتل کرا دیتا۔ لیکن اب تیرے جواب سے معلوم ہوا کہ واقعی تو شجاع انسان ہے۔ اس لئے آ اور میرے اس ہاتھ سے ہاتھ ملا جو سوائے ایک شجاع انسان کے کسی اور کے لئے آج تک آگے نہیں بڑھا۔ میں نہ صرف تیری جاں بخشی کرتا ہوں بلکہ تجھے آزاد کرتا ہوں۔ اے میرے عزیز جا اور ایک آزاد بھائی کی سی زندگی بسر کر۔''

چنانچہ عامر نے اپنے خاندان سے علیحدہ ہو کر اور فلپ نے اپنی قوم سے جدا ہو کر زہد و اتقاء کے کامل تین سال ایک ساتھ سامرہ کے پہاڑ میں بسر کر دئے۔

جبل زیتون کی بلندی پر ایک گھنا سایہ دار درخت ہے جس کے نیچے دو قبریں نظر آتی ہیں جن میں سے ایک پر پتھر نصب ہے اور دوسری پر لکڑی کی صلیب۔ یہ قبریں عامر اور فلپ

Marfat.com

کی ہیں جنھوں نے مذہب کے نام پر تو ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائی۔ لیکن انسانیت کے نام پر دونوں نے مل کر ساتھ ہی جان دی۔

Marfat.com

اندلس کے آثار علمیہ

(یوروپ میں)

آج یوروپ کی علمی ترقیوں نے دنیا کو محو حیرت بنا رکھا ہے اور فطرت نے جس آزادی کے ساتھ اپنے پوشیدہ خزانے اہل مغرب کے سامنے کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ اس پر سخت استعجاب ہوتا ہے۔ لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترقی کوئی جدید نہیں ہے۔ بلکہ وہی عہد ماضی کی ایک داستان ہے جو جدید اسلوب سے پیش کی جا رہی ہے۔ اور موجودہ تہذیب و مدنیت کی تاریخ انہیں نقوش پر مرتب ہوئی ہے جنہیں مشرق اس سے قبل مرتسم کر چکا تھا۔

اگر آج ہم مغرب کی حکومتوں کو علم و اہل کا قدر شناس پاتے ہیں تو یاد رہے بغیر ایک زمانہ وہ بھی تھا جب حکومت اسلام کا ایک ایک امیر اپنے فضل و کمال اور اپنی نکتہ نوازیوں سے ملک کے ہر گوشہ میں روح علم پھونک رہا تھا۔ اور سلطنت کی کوئی مجلس ایسی نہ تھی جس کی ممتاز ترین خصوصیت آثار علم و ادب کی نگہداشت نہ ہو۔

سرزمین عرب میں بنو امیہ عباس، اشبیلیہ میں بنو عبا، غرناطہ میں ملوک بنی احمر اور مصر میں خلفاء بنی فاطمہ کے علمی کارنامے کبھی فراموش نہیں کیے جا سکتے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ اندلس میں اہل فکر و علم کے لئے عبدالرحمٰن نے کیا کیا۔ پھر یہی نہیں ہوا کہ ملوک اسلام کی یہ مساعی انہیں کے ساتھ ختم ہو گئی ہوں بلکہ وہ اس وقت بھی موجود ہیں کیونکہ یوروپ کے خزائن علم و فنون کا اصل سر رشتہ اگر تلاش کیا جائے گا تو تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کی ابتداء مسلمانوں ہی سے ہوئی انہیں کے ذہنی ارتقاء کی بدولت علوم قدیمہ کے خزائن یوروپ کو حاصل ہوئے۔

Marfat.com

یوں تو سارے عہد اسلام کی ذہنی ترقیوں کی تاریخ ایک ایسی بسیط تاریخ ہے کہ اس کو ضبط کرنے کے لئے ایک عمر درکار ہے۔ لیکن آؤ آج کی صحبت میں ایک نہایت ہی اجمالی وسرسری نگاہ تاریخ اندلس پر ڈالیں اور دیکھیں۔ کہ ان کے وہ کون سے آثار علم وادب ایسے ہیں جن سے یوروپ نے اخذہ واقتباس کر کے اپنی موجودہ ترقیوں کی طرح دنیا میں ڈالی۔

انیس خوری (بیروت کے جامعہ امیر کیہ کے پروفیسر) نے ایک خطبہ میں جس سے یہ مضمون ماخوذ ہے فن شعر کے لحاظ سے بھی یوروپ کے تاثر کو تسلیم کرایا ہے۔ اور اس کے نزدیک یورپین شاعری میں ''روح فردوسینہ'' اسپین ہی کے عرب شاعری سے منتقل ہوئی چونکہ اطالیہ اسپین سے قریب تر تھا اس لئے سب سے پہلے یہاں کے شعراء متاثر ہوئے اور پھر فرانس ودیگر ممالک مغرب کے شاعروں نے اسے اختیار کیا۔

اس میں شک نہیں کہ عرب شاعری کی تاریخ اس قدر عجیب وغریب ہے کہ مشکل سے کوئی دوسرا ملک اس باب میں اس کا ہمسر ہوسکتا ہے اور یہ ذوق جس وسعت وبسط کے ساتھ جاہلیت ونیز حضارت اسلامیہ کے عہد میں پایا جاتا تھا اس کی نظیر کسی اور ملک میں نہیں پائی جاتی ان کی شاعری، ان کے اخلاق کی تاریخ تھی۔ ان کے آداب ومعاشرت کا آئینہ تھی۔ اور اس بات کا ثبوت تھی کہ اہل عرب کے ناری طبائع ایک ایسی طبیعت کے مالک ہیں جو باوجود شجاعت وحماست کی تمام خودسر وخش کیفیات رکھنے کے حد درجہ کا لوچ بھی اپنے اندر رکھتی ہے۔ اور مناظر قدرت کے حسن کا صحیح مطالعہ اس سے بہتر اور کوئی نہیں کرسکتا۔

پھر چونکہ یہ ذوق امیر سے لیکر غریب تک ہر دل میں جاگزیں تھا اس لئے جب تم اسلام کے کسی عہد اور کسی ملک کی تاریخ اٹھا کر دیکھو گے تو تمہیں ایک مستقل باب شاعری کا بھی نظر آئے گا۔ اور تم محسوس کرو گے کہ وہی فرمانروا جو ایک وقت تخت پر بیٹھ کر مسائل سیاست کو طے کرتا تھا اور جو میدان جنگ میں ایک شیر کی طرح نمودار ہوتا تھا، جب بزم علوم وفنون آراستہ کرتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ یہ صرف اسی کے لئے وضع ہوا ہے اور سوائے شاعری کے اسے کسی اور امر سے سروکار ہی نہیں۔ اس عہد کے احکام وفرامین، توقیعات ومکاتیب دیکھئے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان کی زبان سے جو لفظ نکلتا تھا شعر ہوتا تھا اور ان کے قلم کا ہر ہر لفظ نکتہ شاعرانہ۔ اگر غرناطہ کے بادشاہ

Marfat.com

محمد خامس کی طرف سے ابن خلدون کو پروانہ راہداری بھی مقفیٰ اور موزوں عبارت میں ملتا تھا تو حیرت نہ کرنی چاہیے کیونکہ مکتبہ قرطبہ میں بیسیوں جلدیں فہرست کی صرف دو اوین سے متعلق تھیں۔

پھر چونکہ مسلمانوں میں یہ ذوق اخیر تک باقی رہا اور زوال سلطنت کے وقت بھی اس میں کوئی انحطاط پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے اگر حکومت اندلس (جس سے مغربی حکومتوں کا تعلق نہایت قریب کا تعلق تھا) اپنے ادبی اثرات مغربی شاعری میں چھوڑ گئی ہے تو حیرت کرنی چاہیے کیونکہ جس وقت وہاں تہذیب مدنیت اپنے انتہائی عروج پر تھی۔ مغرب بالکل وحشی و جاہل تھا اور حکومت اسلام ہی کے اصول خصارت وشائستگی پر اپنی آئندہ ترقی کی بنیاد قائم کر رہا تھا۔

تاریخ وجغرافیہ میں اہل عرب کے جس قدر شاندار کارنامے ہیں اور ان سے جس قدر اہل مغرب نے فائدہ اٹھایا ہے اس سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں۔ ابن حوقل وغیرہ علماء جغرافیہ مشرق ہی کے لوگ تھے جن کی کتابوں اور نقشوں کے ترجمے مغربی زبان میں کئے گئے ہیں اور ابن حامد جس نے قلب ایشیا تک سفر کر کے مختلف ممالک کے حالات جغرافی وتاریخی جمع کئے اور ابن بطوطہ مشہور سیاح اندلس ہی کی سرزمین کے جوہر تابندہ تھے جن کی تحقیقات سے یوروپ نے فائدہ اٹھایا ''اورلیسی'' کا شمار علماء قرطبہ ہی میں کیا جاتا تھا جس کی علمی سیاحتوں کی داستانیں اب بھی اہل مغرب کو یاد ہیں۔ اور جس کا بنایا ہوا چاندی کا کرہ (جس کا وزن ۴۵۰ پونڈ تھا اور جس کے ایک طرف بروج وافلاک اور دوسری طرف کرۂ ارض کا نقشہ تھا) اب بھی شاید صقلیہ میں کہیں محفوظ ہو۔

تاریخ میں مسلمانوں کی جدوجہد کے متعلق کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے کیونکہ اہل مغرب مشرق کی کوئی تاریخ مرتب نہیں کر سکتے تاوقتیکہ وہ ان کتابوں سے مدد نہ لیں۔ تمام مواد، تمام واقعات کا اقتباس وہ عربی کتابوں سے کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ آج عربی کی تمام مشہور تاریخیں یوروپ کی تمام زبانوں میں منتقل ہوگئی ہیں۔ رہا فلسفہ تاریخ جس پر یوروپ کو بڑا ناز ہے اس کا حال یہ ہے کہ جب تک ابن خلدون نے اپنا مقدمہ پیش نہیں کیا اس وقت تک یہ امر مغرب کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ کن اصول پر تاریخ کو مرتب ہونا چاہیے اور اس کا صحیح معیار کیا ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

عربوں کے فلسفہ سے یوروپ جس حد تک متاثر ہوا ہے اسے استاد انیس خوری ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:-

''نہ صرف فلاسفۂ یونان (فیثاغورس، ہیراکلیتوس، امبدوکلیس، سقراط، افلاطون، ارسطو، دیمقرتیوس وغیرہ) کے اصول کا مطالعہ کیا بلکہ فارسی، ہندی، عبرانی اور سریانی سے بھی انہوں نے فلسفہ کی کتابیں اپنی زبان میں منتقل کیں اور جس طرح عرب میں خلیفہ مامون نے علوم قدیمہ کو عربی میں منتقل کرنے کے لئے اپنی شاہانہ فیاضیوں سے کام لیا۔ اسی طرح اندلس میں عبدالرحمٰن اور اس کے خلفائے اہل علم کی قدردانی کر کے عربی زبان کو فلسفہ قدیم سے مالا مال کر دیا۔''

چونکہ اہل عرب فطرتاً مبادی منطقیہ کی طرف سے مائل تھے اس لئے انہوں نے ارسطو کی بڑی قدر کی اور اسے معلم اول کے لقب سے یاد کیا۔ دوسرے فلاسفہ میں چونکہ دہریین اور لا اور پین زیادہ تھے۔ اس لئے ان کے فلسفہ پر توجہ کرنا خطرہ سے خالی نہیں تھا لیکن پھر بھی ان کا شوق باز نہیں آیا اور آخر کار مدارس اندلس ہی کے ذریعہ سے تمام اسپین اور یورپ میں فلاسفہ قدیم کی تعلیمات عام ہو گئیں۔

اس وقت صرف اندلس میں ۸۰۰ مدارس ایسے تھے جن کے دروازے بلا لحاظ ملت و ملک ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے تھے اور اس وقت اہل یورپ اندلس کے کالجوں کو اسی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جس طرح آج یورپ و امریکہ کے کالجوں کو دیکھتے ہیں۔ یہاں یورپ کے طلبہ اس قدر کثرت سے آتے تھے کہ صرف جامعہ قرطبہ میں ان کی تعداد گیارہ ہزار تھی۔

ان کالجوں کا نظام وہی تھا جو اس وقت کے مغربی کالجوں کا ہے اور بہت سی علمی اصطلاحیں جو آج یورپین زبانوں میں رائج ہیں اندلس ہی کے کالجوں میں وضع کی گئی تھیں۔ پھر ان کالجوں کا کارنامہ صرف یہی تھا کہ وہ سالانہ چند ہزار طلبہ کو اپنے ہاں سے فارغ کر کے نکال دیں بلکہ وہاں حریت فکر و آزادی رائے کی بھی تعلیم دی جاتی تھی چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب اسپین میں علوم طبیعہ کا رواج ہوا اور اندلس کے کالجوں سے وہ فرانس، اطالیہ اور جرمنی میں پھیلے تو ایک عام حرکت ترقی کی پیدا ہو گئی۔ اور حکومت کنیسہ جو مظالم کر رہی تھی اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر کے اس کے نظام کو بدل دیا گیا۔

Marfat.com

دیگر علوم میں فلکیات اور ریاضیات کی جس قدر خدمت عرب نے کی وہ بھی تاریخ کا روشن واقعہ ہے۔ کیونکہ سال کا انضباط، مدار شمس اور اس کے انحراف کی تحقیق، اعتدال ربیعی وخریفی کی حرکت کا تعین اور اسی طرح اور مظاہر فلکی کی تفتیش سب سے پہلے اہل عرب ہی نے کی۔ انہوں نے بروج وافلاک کے نہایت نازک نقشے تیار کئے اور مطالعہ فلک کے لئے عجیب وغریب آلات ایجاد کئے۔ چنانچہ آلہ سمت QUADRANT جس سے ارتفاع سیارہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اسطرلاب اور اسی طرح کے اور نہایت دقیق آلے اہل عرب ہی کے دفاع کا نتیجہ تھے اگر یہ لوگ بطلیموس کی مجسطی کا عربی میں ترجمہ نہ کرتے تو وہ کتاب بالکل فنا ہوگئی ہوئی تھی۔ اور اگر ارقام ہندی سے یہ لوگ یورپ کو آگاہ نہ کرتے تو معلوم نہیں وہاں ارقام رومانیہ کلب تک جاری رہتے۔

ریاضیات میں جبر وہندسہ کے متعلق اہل عرب کی جلیل القدر خدمات سے ہر شخص آگاہ ہے اور یہ کس کو معلوم نہیں کہ تفاضل و تکامل CALCULUS اور مثلثات TRIGNOMETRY کی وضع کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ پھر جب اہل یورپ نے ترقی کی تو ان علوم کو بجنسہ عربی سے اپنے ہاں لے لیا اور ان کو ترقی دے کر آج اس مرتبہ پر پہنچا دیا۔

ایسکو یتھ نے سلطنت اندلسیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ''طلیطلہ کے ایک عالم نے چار سو صد گاہیں صرف اس لئے قائم کی تھیں کہ کرۂ ارض کے لحاظ سے آفتاب کا بعید ترین نقطہ دریافت کرے اور وہ اس میں اس قدر کامیاب ہوا کہ آج باوجود فلکیات کی اس ترقی کے اس میں کوئی غلطی نہیں نکالی جاسکتی۔''

ابوالحسن علی نے بھی فلکیات کے متعلق وتجربے کئے اور اس سلسلہ میں وہ ارتفاع قطب معلوم کرنے کے لئے سحر متوسط کی پیمائش اور اس کی وسعت کا اندازہ کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ ابن سینا نے صرف ایک ہزار بائیس ستاروں کی فہرست تیار کی تھی لیکن علماء اندلس نے اس میں اور اضافہ کیا۔

ابن رشد نے جب کہ وہ حرکت عطارد معلوم کرنے کے لئے مختلف تجربے کر رہا تھا۔ یہ معلوم کیا کہ سطح آفتاب میں داغ موجود ہے۔ اسی طرح بیسیوں علماء نے اعمال فلکی وریاضی کے متعلق بہت سے تجربے پیش کئے جن کے آثار کبھی محو نہیں ہو سکتے۔ البتہ یہ افسوس ضرور ہے کہ ان

Marfat.com

کے اکثر افکار دماغ ضائع ہو گئے ۔اور ہم تک بہت کم پہنچے ۔ چنانچہ صرف مکتبہ قاہرہ میں چھو ہزار جلدیں موجود تھیں اور سب کی سب فنا ہو گئیں ۔

مسلمانوں کے مآثر فلکی و ریاضی میں ایک رقاص ساعت PENDULUM بھی ہے جس پر عہد حاضر کی گھڑیوں کی بنیاد قائم ہوئی ۔اسی کے ساتھ انہوں نے مختلف اجسام کے ثقل نوعی SPECIFIC CRAVITY کو متعین کیا اور دلیل علمی سے ثابت کیا کہ شہاب ثاقب فی الاصل حجری مادہ کی چیزیں ہیں ۔

انہوں نے ہوا کی بلندی کا اندازہ کیا اور ظواہر طبیعت کی علمی تفسیر کر کے یورپ سے اس خیال کو محو کیا کہ ان کا تعلق عالم ارواح سے ہے ۔ان کا شغف اس باب میں اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ انہوں نے مسجد کے میناروں سے رصدگاہ کا کام لیا ۔

نوامیس نور و مرئیات کو سب سے پہلے جس نے ظاہر کیا وہ ابوالحسن علی تھا جسے اہل یورپ AL HAZEN کہتے ہیں ۔ اسی نے اسباب تعکس کی وضاحت کی ۔ اسی نے ستاروں کے انعکاس نور کے مبادی کو وضع کیا ۔اسی نے اس غلط خیال کو دور کیا کہ نور کی شعاعیں آنکھ سے پیدا ہو کر مرئیات کی طرف بڑھتی ہیں ۔ اور یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے اثیر ETHER کے وجود کو ثابت کیا ۔اس کی کتابیں اسپین کے کالجوں میں پڑھائی جاتی تھیں ۔ جنہیں اہل یورپ نے اپنی زبان میں منتقل کر کے استفادہ کیا ۔

اس امر کا قوی ترین ثبوت کہ یورپ نے عرب کے علماء فلکیات و ریاضیات کی تحقیق سے فائدہ اٹھایا ۔ وہ اصطلاحات ہیں جو یورپ میں آج بھی رائج ہیں ۔ مثلاً MUKANTAR ALMANAC NADIR ZENITE اور AZIMUTH کہ اصل میں یہ عربی الفاظ سمت ،نظیر ،المناخ ،امتضطر ،اور اسموٰات تھے ۔

اسی طرح ستاروں کے اکثر نام براہ راست عربی سے لئے گئے ہیں ۔ مثلاً سماک ،سہیٰ ، عقرب ،وبران ، جوزا ،حوت ،نطاق ،ثور ،الغول ،الحمل ،العیوق وغیرہ ۔

اہل عرب کو علم الکیمیا کے ساتھ بھی بڑا شغف تھا یہ علم اول اول ساحل نیل سے پیدا ہوا تھا اور کاہنین مصر کے سینوں میں راز کی صورت سے پایا جاتا تھا ۔ان سے بطالسہ نے حاصل کیا اور

Marfat.com

پھر اہل عرب نے حاصل کر کے اس کو ترقی دے کر علم کے مرتبہ پہنچا دیا۔ چنانچہ مورخین یورپ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ علم الکیمیا اور علم العقاقیر والادویہ کی وضع ونبیاد کا فخر اہل عرب کو حاصل ہے چنانچہ مادالفضہ NITRIC ACID، مارالذہب CHLORIC ACID NITRO HYDRO زیت الزاج (SULPHURIC ACID)، البوتاس یا روح النوشادر AMMONIA جوجہنم SILVER NITRATE السلیمانی MERCURIC CHLORIDE الراسب الاحمر MERCURIC (OXIDE) ملح القلی ALKALI البورق BORAX، الزرنیخ ARSENIC وغیرہ بہت سے ایسے مرکبات کیمیاوی ہیں جو اہل عرب اپنے بعد مکمل کر کے چھوڑ گئے۔

چونکہ بعض خلفاء اندلس کو علم الکیمیہ کی طرف خاص رغبت تھی۔ اس لئے اسپین میں کثرت سے کیمیائی معمل قائم کئے گئے جن کی حکومت کی طرف سے اکثر وبیشتر تحقیق وتفتیش ہوتی رہتی تھی۔ اور اس بات کی بڑی جانچ ہوئی تھی کہ کوئی دواساز خواب دوائیں نہ فروخت کرے اور نہ قیمت زیادہ لے سکے۔ فریڈرک ثانی نے طب اور دواسازی کے اصول یہیں سے اخذ کر کے اپنے ملک میں جاری کئے بارود کے متعلق بھی علماء کا اتفاق ہے کہ یورپ نے اسے اہل اندلس ہی سے حاصل کیا۔

علم نباتات میں اہل عرب کی یہ فضیلت کبھی محو نہیں ہوسکتی کہ انہوں نے سب سے پہلے دیسقوریدس، جالینوس، اور علما ہند کی مئولفات کو اپنی زبان میں منتقل کیا اور پھر ان میں اپنے ذاتی تجربات وتحقیقات سے سینکڑوں دواؤں کا اضافہ کر کے ان کے اشکال بتائے۔ ابن البیطار الطالقی نے شرق وغرب کا سفر کر کے خود ان مقامات کو دیکھا جہاں نباتات اگتے تھے اور پھر ان کی پوری کیفیت اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ جسے اہل یورپ نے اپنی زبانوں میں منتقل کرلیا۔

اس وقت یورپ کا یہ حال تھا کہ کہنیسہ اور سحر کی قوت سے ہر شخص مرعوب نظر آتا تھا۔ اہل کنیسہ کہا کرتے تھے کہ جتنے امراض لاحق ہوتے ہیں یہ سب آسمانی عذاب میں اور شریر روحیں جو گناہگاروں کے جسموں میں حلول کر کے تکلیف پہنچاتی ہیں۔ اس لئے جب تک ارباب کنیسہ کی شفاعت حاصل نہ کی جائے۔ ان امراض سے چھٹکارا پانا محال ہے دوسری طرف سحر کے مدعی کہتے

Marfat.com

تھے کہ ہم اپنی قوت سحر سے امراض کو دور کر سکتے ہیں اور اس طرح یہ لوگ ارباب کینسہ کے مقابل تھے اور ان دونوں میں باہم شدید مخالفت تھی الغرض یورپ اس جہل و تاریکی میں مبتلا تھا جب کہ اہل عرب تمام بلاد اسلامیہ میں علم طب و علم الادویہ کی ترقی کو اس کی انتہائی درجہ تک پہنچا چکے تھے اور اس کے علم کے ماہرین اس قدر کثرت تھی کہ صرف بغداد میں ۹۰۰ طبیب موجود تھے۔

بعد کو جب یورپ نے دیگر علوم کے ساتھ علم طب کو بھی عربوں سے حاصل کیا تو بارھویں صدی سے لے کر سترھویں صدی تک جن کتابوں پر ان کا مدار رہا وہ رازی، ابن سینا، اور ابن زہری کی تصانیف تھیں جنہوں نے اپنی ذاتی تحقیق و تفتیش سے قدیم علم طب کو بہت زیادہ وسیع و مفید بنا دیا تھا۔

عہد خلفاء میں اندلس اپنی تہذیب و مدنیت کے لحاظ سے لندن و پیرس سے ویسا ہی ممتاز تھا جس طرح اہل ندلس مغربی اقوام سے۔ یقیناً اس وقت جو تجارتی، علمی، اور صنعتی ترقی اندلس کو حاصل تھی وہ آج بھی حیرت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ اندلس کی آمدنی دسویں صدی یعنی عبدالرحمٰن الناصر کے عہد میں ۳۰۰ ملین ڈالر تھی اور آج حکومت انگلستان کی آمدنی ۱۸ ملین ڈالر سے زائد نہیں ہے۔ اسی طرح اندلس کو آبادی ۳۰ ملین تھی اور انگلستان کی آبادی ملکہ الزبتھ کے زمانہ تک چار ملین سے زیادہ بڑھ سکی۔ اسی کے ساتھ اگر ترقی تجارت، زراعت، علوم و فنون کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یورپ باہ جود ادعائے ترقی علوم و فنون کے آج کے بھی اندلس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اس وقت کی علمی ترقی کا ادنیٰ ثبوت مکاتیب عمومیہ کی کثرت اور کتابوں کی تعداد سے مل سکتا ہے۔ مصر مکتبہ مستنصر میں ۸۰ ہزار جلدیں پائی جاتی تھیں اور مکتبۂ طرابلس میں دو لاکھ۔ جب تاتاریوں نے بغداد کو تباہ کیا اور کتب خانے برباد ہوئے تو دجلہ کتابوں سے پٹا پڑا تھا۔ قرطبہ کے کتب خانہ میں ۶ لاکھ کتابیں مختلف زبانوں کی تھیں۔

یورپ میں اس وقت اور اس کے بعد عرصہ تک اس قدر جاہل رہا کہ گلینو کو اپنے علمی اکتشاف پر بادشاہ کے سامنے اظہار ندامت کرنا پڑا۔ حالانکہ اس سے ۶ صدی قبل ابن یونس خلیفہ کے سامنے ریاضی اور فلکیات کے مسائل پیش کرتا تھا اور انعام پاتا تھا۔

Marfat.com

یورپ کے عالم نباتات سروتیوس صرف اس امر کے اظہار پر کہ فلسطین خشک مقام ہے اور وہاں جو دودھ اور شہد کثرت سے نہیں پایا جاتا مصیبت میں ڈالا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بیان تورات کے خلاف تھا لیکن جس وقت کوئی جغرافیہ کا عالم خلفاء عرب کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو اس کی عزت کی جاتی تھی۔ اسی بروتو فیلسوف تقلید کنیسہ کی مخالفت میں قتل کیا گیا حالانکہ اس سے سات صدی قبل اہل عرب حریت دینی کا اعلان کر چکے تھے۔

یورپ کے جن لوگوں نے علوم عرب کی اپنی زبانوں میں منتقل کیا ان کی فہرست طویل ہے لیکن ان میں سے بعض نے بہت شہرت حاصل کی۔ مثلاً راہب گربرٹ۔ یہ دسویں صدی میں کلیہ قرطبہ سے فاضل ہو کر نکلا اور اطالیہ و فرانس میں متعدد مدارس اس نے قائم کئے۔ یہ شخص بعد کو سلوسٹر ثانی کے نام سے پاپائے۔ روم کی جگہ انتخاب کیا گیا۔ اس نے کنیسہ کی دیواروں کے اندر فضلاء عصر کو جمع کر کے ترجمہ کا کام جاری رکھا اور چار سو کتابوں سے زیادہ اس نے اس طرح ترجمہ کرائیں۔ اس کے معاونین میں خاص خاص لوگ ریمونڈ فرانسیسی، ہرمان، میکال اسکوتھ اور یوحنا اشبیلی تھے۔

تیرھویں صدی میں پرٹوس گلنوس، روبر کروستھ، روجر باکن نے بھی بہت سی کتابیں عربی سے ترجمہ کیں۔ ان میں پہلا کیمیاوی اور فیلسوف تھا۔ اس نے بارود کی ترکیب اہل عرب سے حاصلہ کی۔ دوسرے نے اصلاح دینی کی طرف توجہ کر کے کنیسہ کی قوت کا مقابہ کیا۔ تیسرے نے ابن ہشیم کے مسئلہ نور کو حاصل کر کے عینک کی ساخت اس کی بنیاد پر جاری کی۔

اسی طرح اور بہت سے علماء مغرب سے جنہوں نے اندلس کی ترقی علوم و فنون سے فائدہ اٹھا کر اپنے ملک میں ان کو رواج دے اور اب بھی منصف مزاج مئورخین اس کا اعتراف کرتے ہیں۔

Marfat.com

میرا وطن کہاں ہے

جس وقت دنیا کے اور وطنوں کے نام لئے جانے لگے تو میں نے بھی اپنے وطن کا نام لکھا۔ اپنے لبوں سے اسے مس کیا اور اس کی مصیبتوں کو از راہ فخر ایک ایک کر کے شمار کرنے لگی کیونکہ دوسرے وطن والوں کی طرح میں بھی ایک وطن رکھتی تھی۔

پھر جب شرح و تفصیل کا وقت آیا تو میں نے بعض ایسی مشکلات کو محسوس کیا جن کا کوئی حل نہ تھا۔۔۔۔ میں نے سر جھکا لیا اور سوچنے لگی۔

اس فکر نے میرے اندر ایک شعور پیدا کیا اور میں عمیق دل گرفتگی محسوس کرنے لگی۔ کیونکہ حقیقتاً میں وہ ہوں جو کوئی وطن نہیں رکھتی۔

صبح کو رخصت ہونے والی فوج کا ہنگامہ مجھے بیدار کر دیتا ہے۔ فراق کے آنسوؤں سے ملی ہوئی آوازیں طبل جنگ سے نکل رہی ہیں اور فداکاری و جرات کے جذبات ابھارے جا رہے ہیں۔ پھر میں ان فاتح قوموں سے متنفر ہو جاتی ہوں اور جی چاہتا ہے کہ ان سے کنارہ کش ہو جاؤں کہ مغلوب جماعتیں اپنے شہداء کی لاشوں پر پرچموں کو لٹکائے ہوئے گزرتی ہیں اور حریت و استقلال کے نعرے آہ و کراہ کو مغلوب کر لیتے ہیں۔ پس فخر کرنے لگتی ہوں کہ میں اس قوم کی بیٹی ہوں جو حالت ارتقاء و ارتفاع میں ہے اور اس جماعت سے وابستہ نہیں ہوں جو اپنی ترقی ختم کر چکی ہے اور اب اس کے آگے سود انحطاط کے کچھ نہیں ہے۔

لیکن کچھ لوگ سرگوشیاں کرتے ہیں ''کہ تو ہم میں سے نہیں ہو سکتی کیونکہ تو گری ہوئی

Marfat.com

قوم سے متعلق ہے۔'' تاہم میں کیوں اپنے آپ کوایسا سمجھوں کہ میرا کوئی نہیں ہے۔

میں ایک شہر میں پیدا ہوئی۔ میرا باپ دوسرے شہر میں اور میری ماں تیسرے شہر میں .
میں رہتی ہوں ایک شہر میں لیکن میرے خیالات ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہوتے ہیں۔
پس میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں سے کس شہر سے اپنے آپ کو منسوب کروں۔ اور کس کی طرفداری کروں۔؟

مرنے والے اپنی اولاد کے لئے حسی و معنوی ورثہ چھوڑ جاتے ہیں تا کہ وہ اس سے لطف اٹھائیں۔ قومی شرف کی نشانیاں چھوڑ جاتے ہیں تا کہ وہ ان پر فخر کریں۔ لیکن میرے لئے تو مرنے والے نے سوائے اس بوجھ کے کچھ نہیں چھوڑا جو میرے ہات اور گردن کو گرا بنا رر کھے ہوئے ہے۔ اور یہ بوجھ ایسا ہے کہ جب میں نے اس کو پھینک کر بھاگ جانے کا ارادہ کیا تو میرے پاؤں میں اور زیادہ بھاری زنجیر پڑ گئی۔

میری متاع پر غیر قابض ہو گئے اور میرے اقارب اس سے اتنے اجنبی ہو گئے کہ پہلے جو باتیں اچھی سمجھی جاتی تھیں وہ اب عیب میں شمار ہونے لگیں۔

پھر میں کس لہجہ میں لوگوں کو سمجھاؤں اور کس رابطہ سے اپنے آپ کو وابستہ کروں کیا امیں اپنی جماعت کی لغت کو اختیار کروں اس حال میں کہ وہ میرے لئے نہیں ہے۔ کیا غرباء کی زبان پر اکتفاء کروں اس حال میں کہ میں ان کی نظر میں اس پر حملہ کرنے والی سمجھی جاتی ہوں کیا وہ عادات قدیمہ اختیار کروں جن کے خلاف آجکل کے ترقی کرنے والے جنگ کرر ہے ہیں یا جدید طریقے پسند کر کے لوگوں کی ملامت برداشت کروں۔

جب میں نے مجبور ہو کر سرکشوں کے ساتھ اخلاق کا برتاؤ کیا تو کہا گیا کہ یہ ذلیل ہے۔ جب میں نے خودداری سے کام لیا تو آہنی پنجہ میری طرف بڑھا اور اس وقت تمام خلوص کے مدعی مجھ سے جدا ہو گئے۔

پھر کیوں میری قسمت میں ایسے وطن کی لڑکی ہونا لکھدیا گیا ہے جس میں وطنیت کی شرطیں پائی جاتی ہیں۔

Marfat.com

ہر قوم اپنی عظمت، اپنی فضیلت اور حقوق ضعفا کی نگہداشت میں اپنی شرافت کے افسانے بیان کرتی ہے۔۔۔۔۔پھر میں کس قوم کی تعریف کروں؟

ہر قوم آزادی کی حامی ہے اور عدل و مساوات کی طرفدار پھر میں کس قوم پر بھروسہ کروں؟

ہر مذہب مدعی ہے کہ زندگی میں شرف وفضلیت اور مرنے کے بعد فردوس ونجات میرے ہی ہاتھ میں ہے۔۔۔۔پھر میں اپنے آپ کو کس مذہب سے وابستہ کروں؟

ہر جماعت صداقت وطہارت کی مدعی ہے اور تمام افراد عام بھلائی کے لئے قربانیاں کرنے کے لئے تیار نظر آتے ہیں۔ پھر میں کس جماعت کو سچا سمجھوں اور کس فرد کا اتباع کروں؟

میں نے کسی ملک کی تعریف نہیں سنی کہ میرا اشتیاق کھینچ کر ادھر نہ لے گیا ہو۔

میں نے کسی قوم کے افسانہائے جرات وشوکت نہیں سنے کہ اس میں شامل ہو جانے کی تمنا میں نے نہ کی ہو۔

میں نے کسی قوم کے عیوب ومفاخر نہیں بیان کئے کہ ان کو اپنے عیوب ومفاخر کی طرح نہ پایا ہو۔

کوئی جماعت دوسری جماعت سے ازراہ تعصب وعناد نہیں بھاگی کہ میں نے یہی تعصب وعناد اپنے اندر نہ دیکھا ہو۔ زمین کی مسافتیں، آسمان کے ابصاد، صحرا کی وسعتیں، سمندروں کی گہرائیاں، الغرض جہاں کہیں میرا خیال پہنچا۔ میں نے یہی محسوس کیا کہ یہ سب میرے وطن میں ہیں جہاں احباب میرا انتظار کر رہے ہیں۔

لیکن بعد کو میرا یہ شوق بالکل جنون ثابت ہوا۔

میرے وطن کی نسیم میں بنوتیں ملی ہوئی تھیں۔

سورج کی شعاعوں کے ساتھ وہاں اوراق جمال منتشر ہو جاتے تھے۔

اس لئے وہاں مظاہر جمود سے اور ایک حیات درخشندہ نظر آتی تھی۔

اور خیالات الوہیت اب بھی وہاں آہستہ آہستہ سیر کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

Marfat.com

پہاڑ کی چوٹیوں اور وادیوں ، چٹانوں اور چشموں ، بلندیوں اور پستیوں سے میرے بلاوے کے معانی ظاہر ہو رہے ہیں اور ظہور شفق کے وقت ارواح اشیاء ایسی مکمل نظر آتی ہیں گویا کہ یہ کوئی نئی دنیا ہے۔

میں محبت کرتی ہوں اپنے اسلاف کی قبروں کی خوشبو سے اور اس زمین کے رائحہ سے جس میں کاشتکار ہل چلاتے ہیں۔

میں محبت کرتی ہوں سنگریزوں ، گھاس کے تنکوں اور پانی کے ان قطروں سے جو خشک زمین کے شگافوں میں چھپے ہوئے ہیں۔

میں محبت کرتی ہوں سایہ دار درختوں سے خواہ وہ وادی میں چھپے ہوئے ہوں یا بعید سمندر کے ساحل پر نمایاں۔

میں محبت کرتی ہوں ان ناہموار راستوں سے جو صحرا کے قلب میں پوشیدہ ہیں۔ ان پیچدار پگڈنڈیوں سے جو پہاڑ پر سفید سانپ کی طرح لہراتی ہوئی نظر آتی ہیں اور ان طویل سڑکوں سے جن کا زریں غبار آفتاب تک چڑھتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

لیکن کیا کسی چیز سے محبت کرنا اس امر کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنی ہو جائے ، نہیں! اسی لئے باوجود اس محبت کے میں اپنے آپ کو وطن میں ایسا آوارہ سرگشتہ پاتی ہوں گویا کہ میرا کوئی وطن نہیں ہے۔

میں نے وطنیت کی مختلف قسموں کا تجربہ کیا:- وطنیت افکار۔ وطنیت ذوق اور وہ مقدس وطنیت جسے ''وطنیت قلوب'' کہتے ہیں۔

اور میں نے عالم معنی میں بھی اس چیز کو پایا جسے میں نے عالم حس میں پہنچانا تھا لیکن زمین کا ایک حصہ بعید ایسا نظر آیا جہاں صورتیں علیحدہ ہو گئیں اور معانی جدا میرے ابناء وطن نے مجھے مہذب بنایا۔ دوسرے ملک کے لوگوں نے مجھے ادب سکھایا۔ میرے ابنائے وطن نے مجھے مسرور کیا اور اغیار نے بھی۔

لیکن فرق صرف یہ تھا کہ انہوں نے میرے رنج والم کو اور بڑھا دیا۔

Marfat.com

پھر میں کس معیار سے ابنائے وطن کی جانچ کروں۔

پس اے وطن رکھنے والے خوش قسمت لوگو! مجھے بھی اپنی مسرتوں سے آگاہ کر کے اپنا شریک بنالو۔
میں سمجھتی تھی کہ علم وفلسفہ، شعروفن کا کوئی وطن نہیں ہے۔ لیکن آج میں نے یہ جانا کہ عالم وفیلسوف، شاعروفنان (ARTIST) کا بھی وطن ہوتا ہے۔ آج میں نے انسان کے ضعف کو جانا کہ جب وہ نوم وراحت کا طلبگار رہوتا ہے تو اپنے خستہ جسم کے لئے نرم بستر چاہتا ہے۔

اے فیلسوف قدیم! میں تیرے خاموش تفکر کی پرستش کرتی ہوں۔ تو ہی وہ تھا کہ غور وفکر کے عجائب کا اکتشاف ہونے پر ایک ٹھنڈی سانس لے کر تو نے کہا تھا کہ ''میں تو ایک سچا دوست چاہتا ہوں جس کے لئے میں مرجانا بھی پسند کروں۔'' اور اب میں تیری یاد کے سامنے دوزانو ہو کر تیرے ہی اس قول کو دہراتی ہوں کہ:-

''میں ایک وطن چاہتی ہوں تا کہ میں اسی
کے لئے جیوں اور اسی کے لئے مروں''

(آنسہ می)

Marfat.com

باب و بہا

(آنسہ سازج کے نقطہ نظر سے)

''بابیت'' اور ''بہائیت'' کے مسئلہ میں اس وقت تک جن حضرات نے خامہ فرسائی کی ہے اور جن مورخین نے اس طرف اعتناء کیا ہے، ان کے بیانات و روایات میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے میں حفیدۂ حضرت بہاؤ اللہ ہونے کی حیثیت سے اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ اس مذہب کے صحیح صحیح تاریخی واقعات پیش کردوں تا کہ وہ لوگ جو حقیقت کا علم حاصل کرنا چاہتے ہیں محروم نہ رہیں۔ اور عام طور پر جو غلط واقعات و حالات کتابوں میں پائے جاتے ہیں ان کی صحت ہو سکتے۔

باب

مرزا علی محمد شیرازی جو باب کے لقب سے مشہور ہیں۔ غرہ محرم ۱۲۳۵ھ میں بمقام شیراز ایک حسینی سید خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابھی ان کی عمر دو یا تین سال کی ہوگی کہ ان کے والد مرزا محمد رضا کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد ان کی پرورش ان ماموں مرزا محمد علی نے کی۔ مرزا علی محمد میں عہد طفلی سے نجابت و ذکاء کے آثار پائے جاتے تھے۔ جب ۲۵ سال عمر کے گذر گئے۔ تو انہوں نے ''بابی'' مذہب کی دعوت شروع کی۔ اور اعلان کیا کہ عنقریب ایک ایسا انسان ظاہر ہونے والا ہے جو منبع انوار و برکات ہوگا اور جس کے فیضان قدسی سے دنیا معمور ہو جائیگی۔

اس دعوت پر سب سے پہلے اٹھارہ آدمیوں نے لبیک کہا اور اس طرح باب کو ملا کر کل ۱۹ آدمی ہو گئے جنہیں انہوں نے ''حروف حیہ'' کا لقب عطا کیا۔ اور آج بھی یہ لوگ اسی لقب سے

Marfat.com

یاد کئے جاتے ہیں۔ جب دعوت تبلیغ زیادہ معقول ہونے لگی اور لوگ جوق در جوق سینکڑوں کی تعداد میں آ آ کر بیعت کرنے لگے تو علماء عصر کا رشک وحسد بڑھنے لگا اور انہوں نے کوشش کی کہ کسی طرح مرزا محمد علی کو شکست دیں اور لوگوں کو ان کی طرف سے منحرف کر دیں۔ لیکن چونکہ مرزا کی دعوت تبلیغ نہایت پرامن طریقہ سے جاری تھی اور کوئی بہانہ مخالفین کو نہ ملتا تھا اس لئے کوئی نتیجہ اس عناد کا نہ نکلا۔

اسی اثناء میں مرزا حج کو گئے اور جب وہاں سے واپس آئے تو مریدوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اب علماء کے لئے مرزا کی یہ شہرت ومقبولیت ناقابل برداشت تھی۔ اس لئے انہوں نے حکومت کو اس طرف متوجہ کیا اور کوشش کی کہ مرزا قتل کر دیا جائے چنانچہ حسین خان حاکم فارس نے عبدالحمید خان داروغہ کو حکم دیا کہ کسی وقت رات کو مرزا کو گرفتار کرے۔ چونکہ اس وقت شیراز میں وباء بہت پھیلی ہوئی تھی اور داروغہ خود وہاں سے بھاگنا چاہتا تھا اس لئے رات کو باب کے مکان پر گیا اور ان سے عہد لیا کہ وہ اسی رات اصفہان چلے جائیں گے۔

جب باب اصفہان پہنچے تو یہاں کے علماء میں اضطراب پیدا ہوا۔ اور وہ ان کے مخالف ہو گئے۔ یہاں کا حاکم چونکہ باب سے بہت محبت کرتا تھا اس لئے اس نے شہر میں یہ خبر مشہور کی کہ حکومت طہران نے باب کو طلب کیا ہے اور انہیں خفیہ طور پر مورجہ خار (مضافات) اصفہان میں بھجد یا اور وہاں سے مخفی طور پر بلا کر چار مہینے تک اپنے گھر میں رکھا۔

اتفاق سے یہ حاکم مر گیا اور اس کا بھتیجا گرگین خاں اس کا جانشین ہوا۔ اس نے وزیراعظم کو باب کے متعلق لکھا وہاں سے حکم آیا کہ قریہ گلین میں قیام کرایا جائے۔ یہاں باب کا قیام بیس دن تک رہا یہاں سے باب نے بادشاہ کے سامنے حاضر ہونے کی درخواست روانہ کی۔ چونکہ وزیراعظم مخالف تھا۔ اس لئے وہاں سے جواب آیا کہ چونکہ موکب سلطانی، طہران سے روانہ ہو رہا ہے اس لئے باکو (جواء بنریز کا ایک قلعہ) میں انتظار کیا جائے۔ یہاں باب کا قیام نو مہینے تک رہا اور آذربائیجان کے علما نے ان کی مخالفت شروع کر دی۔ اس کے بعد وہ قلعہ چہرل میں بھیجد یئے گئے۔ وہاں تین مہینہ قیام کرنے کے بعد وزیراعظم کا حکم آیا۔ کہ انہیں تبریز بھیجد یا جائے۔ چنانچہ تبریز پہنچنے کے تین دن بعد دارالحکومت میں جمہور علما جمع کئے گئے اور وہاں مقابلہ

Marfat.com

ہوا۔اس جلسہ میں باب کی قوت بیان اور جرات اخلاق نے سب کو دنگ کر دیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باب کے درے لگائے جانے کا حکم نافذ ہوا۔اور جب درے لگانے والوں نے انکار کیا تو شیخ الاسلام مرزا علی اصغر نے خود اپنے گھر لے جا کر درے لگائے اور پھر قلعہ چہریق بھیجد با جہاں ان کی نگرانی سختی سے ہونے لگی۔

جب تبریز سے باہر کے علماء کو یہ سارا حال معلوم ہوا تو انہوں نے یہ فتنہ فرد کرنے کے خیال سے قتل کے فتوے صادر کئے اور بادشاہ سے اس حکم کا نفاذ چاہا لیکن بادشاہ اس پر راضی نہ ہوا اور بولا کہ ''باب حسینی خاندان کا سید ہے اور چونکہ اس کی ذات سے امن عامہ میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس کا قتل جائز نہیں۔''

اس زمانہ میں بادشاہ نفرس کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور تمام انتظام وزیر اعظم حاجی مرزا آقاسی کے سپرد ہو گیا۔چونکہ یہ باب کا سخت دشمن تھا اس لئے اس نے باب اور معتقدین باب کے ساتھ نہایت سختی شروع کر دی۔یہ وہ زمانہ تھا کہ باب کا نام لینا کفر تھا اور جو بابی جہاں نظر آتا تھا اس کو سخت تکلیف پہنچائی جاتی تھی تاہم بعض نفوس ایسے تھے جو ایسے سخت وقت میں بھی مذہب کی خدمت سے باز نہ آئے تھے۔چنانچہ ایسے لوگوں میں ایک مرد مرزا محمد علی مازندرانی اور دوسری عورت سلمیٰ قرۃ العین مخصوص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے گویا جلتی ہوئی آگ میں اپنے آپ کو ڈال کر مذہب باب کی تبلیغ و دعوت سے احتراز نہ کیا۔

جب محمد شاہ کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا ناصر الدین تخت نشین ہوا تو مرزا تقی خان اس کا وزیر مقرر ہوا۔جو بابیوں کا سخت جانی دشمن تھا۔ناصر الدین چونکہ ضعیف تھا اس لئے حکومت وزیر ہی کے ہاتھ میں تھی۔اس نے عام حکم یہ دیا کہ جہاں کوئی بابی نظر آئے خواہ وہ عورت ہو یا مرد۔لڑکا ہو یا ضعیف قتل کر دیا جائے۔چونکہ اپنی جان کا بچانا فرض ہے اس لئے اب بابیوں نے بھی اپنی حفاظت کے لئے تلواریں نکال لیں اور سارے ایران میں بدامنی پھیل گئی۔

جب حالت زیادہ نازک ہو گئی تو حکومت نے سوچا کہ یہ فتنہ صرف اس صورت سے فرد ہو سکتا ہے کہ باب کو قتل کر دیا جائے چنانچہ آذربائیجان کے حاکم حمزہ مرزا کے نام حکم بھیجا گیا کہ باب کو قتل کرا دے۔اس نے وزیر اعظم کو لکھا کہ ایسے حکم کا نافذ کرنا سہل ہے لیکن اس پر عمل کرنا ناروا

Marfat.com

حرکت ہے۔ وزیراعظم نے اپنے بھائی حسن خان کو حکم دیا کہ ''علماء بتریز سے فتوے سے حاصل کر کے باب کو قلعہ چہریق سے نکالا جائے اور آرمینی فوج کے ایک دستہ کو بندوق کے باڑھ اس پر سر کرنے کا حکم دیا جائے۔''

حسن کان نے ملا محمد، ملا ماقانی، مرزا باقر، مرزا مرتضیٰ علی وغیرہ سے قتل کا فتویٰ حاصل کر کے باب کو قلعہ چہریق سے بتریز طلب کیا اور عمامہ دپیٹی علیحدہ کرا کے (جو مساوات حسینی کا خاص ملبوس نہے) اسی کے رفیق آقا محمد علی کے حجرہ میں قید کر دیا اور دوسرے دن قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ ۲۸ شعبان ۱۲۶۶ھ کا ہے۔ دوسرے دن روس کے قونصل نے ان دونوں لاشوں کی تصویر لی۔ اور آدھی رات کو سلیمان خان نے جو اکابر آذربائیجان میں سے تھا ان کو کہیں چھپا دیا اور بعد کو حضرت بہاؤ اللہ کی ہدایت کے مطابق کسی پوشیدہ جگہ مدفون کر دیا۔ باب کی عمر قتل کے وقت ۳۱ سال سات ماہ اور ۲۸ دن کی تھی۔

بہاؤ اللہ

مرزا حسین علی جو بہاؤ اللہ کے نام سے مشہور ہیں۔ ۲ محرم ۱۲۳۳ھ (۱۳ نومبر ۱۸۱۷ء) کو طہران میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مرزا عباس اور اکابر برفارس میں ''مرزا بزرگ'' کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ اعاظم ایران اور اکابر وزرا فتح علی شاہ قاچار سے تھے۔

جس وقت باب نے اپنی دعوت شروع کی تو مرزا حسین علی کی عمر ۲۷ سال کی تھی چونکہ آپ کا اکثر حصہ اوقات مجالس علماء میں صرف ہوتا تھا اس لئے رفتہ رفتہ آپ کے اندر تعصب دینی کی مقاومت کا خیال پیدا ہوا۔ اور غور کرنے لگے کہ کیونکر نوع انسانی میں باہم الفت محبت پیدا ہو سکتی ہے اور حقیقی سکون کیونکر مل سکتا ہے۔ آخر کار اس مسئلہ میں انہوں نے ملا عبدالکریم قزدینی کے ذریعہ سے باب کی اعانت چاہی۔ اور ان کا فیضان طلب کیا۔ اس طرح رفتہ رفتہ بابیوں کی نگاہ میں ان کی عظمت بہت بڑھ گئی۔ اور انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ اس کا علان نہ کیجئے کیونکہ زمانہ نازک ہے اور کسی دوسرے آدمی کے دستخط سے تمام خط و کتابت کیجئے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے انہوں نے اپنے بھائی مرزا یحییٰ کو جو صبح ازل کے لقب سے مشہور ہیں منتخب کیا۔

بہاؤ اللہ اسی طرح مخفی طریقہ پر نشر دعوت کرتے رہے کہ ۱۲۶۶ھ میں بابیوں کے قتل

Marfat.com

کئے جانے کا واقعہ شیخ طبری کے میدان میں ظاہر ہوا۔ اب دامن صبر آپ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور چل کھڑے ہوئے کہ خود جا کر بابیوں کو لڑنے جھگڑنے سے باز رکھیں۔ لیکن حکومت نے راستہ ہی میں آپ کو گرفتار کر کے قصبۂ آمل میں قید کر دیا۔ جب ایک غیر معلوم مدت کے بعد آپ قید سے رہا ہوئے تو قصبہ مازنداں میں چاروں طرف پھر کر حالات دریافت کئے اور بابیوں کی جماعتوں نے آپ چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آپ اعلانیہ وعظ و تلقین کرتے تھے اور ہر شخص آپ کی فصیح و بلیغ تقریر سن کر مسحور ہو جاتا تھا۔ جب آپ کی شہرت زیادہ پھیلی تو علماء ایران کو آپ کو طرف سے خطرہ پیدا ہوا۔

اتفاق سے اس زمانہ میں وہ مشہور واقعہ پیش آیا کہ ایک نوجوان بابی نے شاہ ایران پر بندوق کا ناکام فائر کیا۔ بادشاہ اس سے بہت برہم ہوا اور تمام بابی ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ بہاؤ اللہ کے خاندان میں بظاہر سوائے ان کے اور کوئی نظر نہ آیا اس لئے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ یہ چار ماہ تک مقید رہنے کے بعد سفیر روس کی سفارش سے آزاد کئے گئے۔ حکومت نے ان کا ضبط شدہ مال و اسباب بھی واپس دینا چاہا لیکن انہوں نے انکار کیا۔ اس کے چند ماہ بعد انہیں بغداد روانہ کر دیا گیا۔ اور غرہ محرم ۱۲۶۹ھ (۱۴ اگست ۱۸۵۳ء) کو یہ بغداد پہنچ گئے۔

بہاؤ اللہ نے عراق میں اس بات کی کوشش کی کہ جماعت باب کے جتنے افراد منتشر ہو گئے ہیں انہیں یکجا کیا جائے۔ ان کی یہ کوشش دیکھ کر محمد اصفہانی کے دل میں جو مرزا یحییٰ (صبح ازل) کا ارادتمند تھا رشک و حسد پیدا ہوا اور مرزا یحییٰ کو اپنے بھائی کے خلاف کر دیا۔ بابیوں نے چاہا کہ قوت سے کام لیکر مرزا یحییٰ کی مخالفت کا سد باب کر دیں۔ لیکن بہاؤ اللہ نے باز رکھا اور ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ء) میں بغداد کو چھوڑ کر کوہ سلیمانیہ میں چلے گئے اور دو سال تک وہیں سب سے کنارہ کش ہو کر بیٹھے رہے۔

اس زمانہ میں بابیوں کے درمیان بہت سے ایسے جھگڑے پیدا ہوئے کہ صبح ازل ان کو دور نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے لوگوں کو بہاؤ اللہ کی جستجو ہوئی اور بصد دشواری پہاڑ میں جا کر انہیں ڈھونڈ نکالا۔ اور التجا کی کہ آپ ہمارے ساتھ چلیئے اور جھگڑوں کو دور کیجئے۔ چنانچہ آپ چلے آئے۔

جب بغداد کے علماء نے آپ کے نفوذ و اثر کو دیکھا تو انہوں نے ایک مجلس منعقد کی۔

Marfat.com

اور سفیر ایران متعینہ آستانہ کے ذریعہ سے کوشش کی کہ بہاؤاللہ کو مع خاندان کے آستانہ روانہ کیا جائے۔

بہاؤاللہ ذیقعدہ ۱۲۷۹ھ کو نجیب پاشا کے باغ میں جو نہر دجلہ کے دوسری طرف واقع ہے چلے گئے اور یہاں بارہ دن قیام کر کے علی الاعلان ایک رسالہ بہائیوں کے نام شائع کیا جسے رسالہ الامر کہتے ہیں۔ بہائی انہیں بارہ دنوں کو ایام رضوان کے نام سے یاد کرتے ہیں اور ہر سال اس کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد بہاؤ اللہ ربیع الاول ۱۲۸۰ء میں آستانہ پہنچے اور چار مہینے کے دوران قیام میں تمام ارباب حکومت کو اپنا طرفدار بنالیا۔ حکومت ایران کو یہ بات بھی ناگوار ہوئی اور اپنے سفیر کے ذریعہ سے طے کر کے انہیں اور نہ بھجوادیا۔ یہاں وہ پہلی رجب ۱۲۸۰ء (دسمبر ۱۸۶۳ء) کو پہنچے اور پانچ سال تک قیام رہا۔ حکومت ایران نے پھر کوشش کی کہ اور نہ میں نہ رہنے دیا جائے اور کسی جگہ تنہا روانہ کر دیا جائے۔ لیکن اس پر ان کے مریدوں میں سخت برہمی پھیل گئی۔ اور اپنی جانیں دینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آخر کار عکاء ان کے قیام کے لئے تجویز کیا گیا۔ اور ان کے مریدوں کو بھی ساتھ جانے کی اجازت دی گئی۔ صبح ازل (مرزا یحییٰ) کو جزیرۂ قبرص روانہ کر دیا گیا۔

بہاؤاللہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۵ء کو عکاء پہنچے اور ایک نوجوان مرید مرزا بدیع کے ذریعہ سے ایک تحریر شاہ ایران کے نام روانہ کی۔ اس تحریر میں بہت سی نصیحتیں تھیں۔ جن کو سن کر شاہ ایران بہت متاثر ہوا اور اسے دعوت بہائی کی حقیقت معلوم ہوئی لیکن چونکہ تمام اہل دربار مخالفت تھے اس لئے انہوں نے اس ایلچی کو طرح طرح کے عذاب دے کر دریافت کرنا چاہا کہ ایران میں بہائی جماعت کے افراد کہاں کہاں ہیں۔ لیکن جب اس میں کامیاب نہ ہوئے تو اسے مار ڈالا۔

بہاؤاللہ نے یہاں سے اور ملوک و امراء کے نام بھی رسائل تحریر کئے جن میں سے بعض وہ روانہ کر سکے اور بعض کے بھیجنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ عکاء میں اول اول چھاؤنی کے اندر قیام تھا بعد کو شہر میں اٹھ گئے اور پھر قصر عبداللہ میں آخیر عمر تک رہے۔

وسط شوال ۱۳۰۹ھ میں بیمار ہوئے اور ۲ ذی قعدہ کو انتقال ہو گیا۔ عکاء میں ۲۴ سال قیام رہا اپنی چھوٹی بیٹی صغریٰ کے مکان میں جو سید علی افغان سے منسوب تھی۔ دفن کئے گئے۔

Marfat.com

بہاؤ اللہ نے چار لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔ بڑے بیٹے کا نام عباس آفندی، دوسرے کا نام محمد علی، آفندی، تیسرے کا ضیاُ اللہ آفندی، اور چوتھے کا بدیع اللہ آفندی تھا۔ لڑکیوں میں سے بڑی عذراء اپنے بھائی اپنے عباس آفندی کے پاس رہیں۔ دوسری لڑکی کی شادی مجدالدین آفندی (بہاؤ اللہ کے بھتیجے) کے ساتھ ہوئی تیسری کی شادی سید علی افغان سے ہوئی۔

ضیاء اللہ، بہاؤ اللہ کے انتقال کے سات سال بعد مر گیا اور عباس آفندی کا انتقال ۲۷ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ کو ہوا۔ محمد علی آفندی اور بدیع اللہ آفندی دونوں زندہ ہیں۔ جن میں سے اول الذکر قصر پہنچہ میں اور دوسرا حیفا میں مقیم ہے۔

انتقال سے دو سال قبل بہاؤ اللہ اللہ نے ایک تحریر ''کتاب عہدی'' کے نام سے لکھ کر اپنے بڑے بیٹے عباس آفندی کو سپرد کی اور انتقال کے ۹ دن بعد جب کہ تمام بھائی جمع تھے عباس آفندی نے وہ لٹریچر اپنے چچازاد بھائی مجدالدین آفندی کو دیا کہ اسے پڑھکر سب کو سنائے اس تحریر میں بہت سے نصائح وارشادات تھے۔ اور یہ وصیت درج تھی کہ میرے بعد عباس آفندی میرا جانشین ہو اور اس کے بعد محمد علی۔

چنانچہ اب جبکہ عباس آفندی کا انتقال ہو چکا ہے۔ بہاؤ اللہ کی خلافت محمد علی آفندی (دوسرے بیٹے) کو منتقل ہو گئی، اور بہائی جماعت انہیں کو اپنا مرشدہ رہنما تصور کرتی ہے۔

Marfat.com

زنگاری یا جپسی جماعت کے دلچسپ حالات

اور

اس کا تعلق سرزمین ہند سے

جن لوگوں نے انگریزی افسانوں کا مطالعہ کیا ہے انہوں نے اکثر جگہ لفظ جپسی کا استعمال دیکھا ہوگا اور ان کے واقعات کو دلچسپی کے ساتھ پڑھا ہوگا۔ لیکن غالباً اس کا اتفاق نہ ہوا ہوگا کہ مورخانہ نظر سے اس جماعت کا حال معلوم کیا جائے۔ چونکہ اس گروہ کی زندگی بالکل راز ہے۔ اور راز کی جستجو فطرت انسانی کے لئے بہترین لذت ہے اس لئے ہم آج کی صحبت میں بتانا چاہتے ہیں کہ اس گروہ کے متعلق علماء مشرق و مغرب جس قدر تحقیق کی ہے اس کا ماحصل کیا ہے۔

نسلی تحقیق

یہ جماعت ایک خانہ بدوش جماعت ہے جو ایشیا، یورپ، اور افریقہ میں ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ اور ہر ملک میں ایک جداگانہ نام سے یاد کی جاتی ہے۔ شام میں اس جماعت کو نوری کہتے ہیں اور مصر میں غجری، جرمنی اسے زجونر (ZIGEUNER) کے نام سے پکارتے ہیں اور اٹلی میں زجارہ (ZIGARO) کے لقب سے۔ انگلستان میں ان کا نام جپسی (یعنی مصری) ہے اور قدیم اسپینی زبان میں اجید پانو (AEGYPCIANO) ہنگری زبان میں انہیں (PHARAT-NAPE) (یعنی اہل فرعون) کہتے ہیں اور بلاد فارس و ترکستان میں زنجاری۔

Marfat.com

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ یہ لوگ اصل باشندہ کہاں کے ہیں اور ان کا تعلق کس نسل سے ہے۔اس مسئلہ میں اہل تحقیق نے بہت اختلاف کیا ہے۔صاحب قاموس نے لفظ نوری کی تحقیق میں لکھا ہے کہ نار سے مشتق ہے چونکہ یہ لوگ آگ کی پرستش کرتے تھے اس لئے ان کا یہ نام ہو گیا۔لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ لفظ اصل میں نوری تھا جو اس وقت ایک ہندوستانی قبیلہ کا نام تھا اور جس نے یزدجرد کے زمانہ میں ایران کی طرف ہجرت کر کے عرصہ تک وہاں قیام رکھا۔بعد کو کچھ تعریف کے ساتھ انہیں نوری کہنے لگے۔ممکن ہے کہ حافظ شیرازی نے اپنے دیوان میں ناچنے گانے والوں کو لفظ لولی سے یاد کیا ہے وہ یہی لوگ ہوں جو اس وقت ایران میں پائے جاتے تھے۔اور رقص وغنا کا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھے۔

چونکہ ان کا ایک نازم نگاری بھی ہے جو تاریخی حیثیت سے نہایت اہمیت رکھتا ہے اور زنگاری قوم کے لوگ اپنے مرد کو بروم اور عورت کو برومنی کہتے ہیں۔اس لئے بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ لفظ قبطی زبان کا ہے اور یہ قوم اصل میں مصر کی رہنے والی ہے۔اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر زنگاری اپنے تئیں وادی نیل سے آنا بیان کرتے ہیں ان کے مصری الاصل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ جرمنی کے مشہور شاعر (HAFMAN SWOLDAN) نے ایک جپسی کے لوح مزار پر یہ شعر لکھے ہوئے دیکھے تھے:-

''میں نے تکلیف دہ سیاحتوں میں اپنی عمر بسر کی،

یہ دو سطریں بتادیں گی کہ میں کون ہوں۔

مصر، ہنگری، سوئٹزرلینڈ، ایلپس، جرمنی

(ان مقامات میں) میرا نام رکھا گیا۔میں نے دودھ پیا۔میں توانا ہوا۔میرا پیٹ چیرا گیا۔میں دفن کیا گیا۔''

بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ اصل میں سنجادہ کے رہنے والے ہیں جو میسور پوٹیمیا کا ایک مقام ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ قدیم ٹیونس کے رہنے والے ہیں۔

''جسٹنجر'' (JUSTINGER) نے سوئٹزرلینڈ کی تاریخ میں لکھا ہے کہ:-

''مصر کی سرزمین سے سیاہ رنگ کے لوگ اپنی عورتوں اور بچوں کے ساتھ یہاں

Marfat.com

آئے۔''

(VONAVENTURA DULCANIUS) جس نے ۱۵۹۷ھ میں اس قوم کے متعلق تحقیقات کی ہے، لکھتا ہے کہ ''یہ لوگ اصل میں نیوبیا کے باشندے ہیں۔ پہلے مصر میں آکر وہاں کے اسقف کی حمایت میں آباد ہوئے پھر انہیں ترکوں نے وہاں سے نکال دیا اور وہ فلسطین کی راہ سے یوروپ میں پہنچے۔''

ہندی الاصل ہونے کا ثبوت

الغرض اکثر محققین کا خیال یہی تھا کہ یہ لوگ اصل باشندے مصر کے ہیں۔ لیکن اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ کہ اس قوم کا اصل وطن ہندوستان ہے اور ان کی زبان اصل ہندی ہے۔ اس تحقیق کا سارا امتیاز میسرز پوٹ، ولزلوکی، لزٹ اور جارج بورڈ کو حاصل ہے۔ جنہوں نے عرصہ تک ان کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اور ان کے آداب واخلاق، ان کی موسیقی، ان کی زبان اور ان کی نسل کے متعلق بہت سے تاریک واقعات پر روشنی ڈالی۔

جارج بورڈ نے ان کی زبان کے متعلق متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب کا نام ''زنگالی'' ہے جو ۱۸۴۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس نے ایک لغت بھی ان کی زبان کا مرتب کیا ہے۔ اس فاضل کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اصل میں شمالی ہند کے باشندے ہیں اور سب تقریباً ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ جس میں بہت سے پرانے الفاظ ہندی کے پائے جاتے ہیں۔ پوٹ نے جو کتاب غجری زبان کی نحو پر لکھی ہے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس زبان کے اکثر الفاظ ہندی ہیں اور یہ زبان اردو سے قریب تر ہے۔ لیکن چونکہ غجری لوگ یونان وغیرہ سے ہو کر گزر رہے ہیں۔ اس لئے ان کی زبان میں یونانی، ہنگری اور سلانی زبان کے الفاظ بڑی حد تک شامل ہو گئے ہیں۔ غجری زبان کو جو تعلق اردو سے ہے وہ ذیل کے الفاظ سے ثابت ہو سکتا ہے۔

اردو	غجری	اردو	غجری
بال	بال	منہ	موئی
ناک	ناک	جیب (زبان)	شیب
بخت	بخت	پرانا	پورو

Marfat.com

بڑا	بارو	کالا	کالو
اچھا	نشو	میں	می
تو	تو	ہم	میں
ہمارا	امروہی	تم	تماروہی
میں نہوں	می ہوم	ایک	یک
دو	دوئی	تین	ترین
چار	شتار	پانچ	پنش
ہزار	اکزاروس	برس	برش
مہینہ	مینت	رات	راتی
آگ	باگ	سونا	سونائی
مچھلی	ماشو	گھر	کر
بھیڑا	بھڑا	سانپ	ساپ
بہن	پن	بیاہ	پیاؤ

زنگاریوں کے متعلق ایک قدیم روایت فردوسی نے شاہنامہ میں بھی لکھی ہے اور اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ اصل میں ہندوستان کے رہنے والے تھے وہ لکھتا ہے کہ:-

"شاہ ایران بہرام گور نے ایک ہندوستانی امیر شنگال سے دس ہزار آدمی قبیلہ لوری کے طلب کئے تا کہ وہ اور اس کی رعایا ان کے موسیقی سے لطف اٹھائے بہرام گور نے ہر لوری کو ایک گدھا، ایک گائے، اور کچھ گیہوں کاشت کے لئے دیئے۔ لیکن یہ عطیہ بہت جلد ختم ہو گیا۔ اور بادشاہ نے ان کو اپنے ملک سے نکال دیا۔" فردوسی لکھتا ہے کہ اب تک یہ قوم دنیا میں جا بجا پھرتی ہے اور اپنے کتوں اور لومڑیوں کے ذریعہ سے معاش حاصل کرتی ہے۔ آجکل بھی ایران میں زنگاریوں کو لوری کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

علاوہ اس کے ایک اور ثبوت ان کے ہندوستانی ہونے کا یہ بھی ہے کہ بعض غجری یا جپسی اپنے کو کالو کہتے ہیں۔ جس کے معنی سیاہ کے ہیں اور ان کا نام سنٹہ بھی ہے جو سندھی یا سندد کی بگڑی

Marfat.com

ہوئی صورت ہے۔ اب بھی سندھی زبان میں ایک قبیلہ کو چنجر کہتے ہیں۔ جو پنجاب و ایران کے درمیان آوارہ پھرتا رہتا ہے۔

ہندوستان سے یورپ کی طرف ہجرت

غالب گمان یہی ہے کہ یہ لوگ پانچویں صدی میں ہندوستان سے ایران پہنچے اور یہاں سے وہ جن جن راستوں سے یوروپ پہنچے اس کا حال بھی ان کی زبان سے معلوم ہوسکتا ہے، چونکہ علاوہ فارسی کے ارمنی زبان کے بہت سے لفظ ان کی زبان میں شامل ہیں۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایران سے پہلے آرمینیا گئے تھے۔ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک گروہ شام و مصر کے راستہ سے گیا ہو اور دوسرے گروہ نے درۂ دانیال کو عبور کر کے سرزمین یوروپ میں قدم رکھا ہو، لیکن یہ یقینی ہے کہ ایران کے بعد سب سے پہلے وہ یونان گئے اور پھر یہیں سے تمام یورپ میں منتشر ہوئے۔ اس کی تائید میں متعدد دلائل پیش کئے جائیں۔ منجملہ ان کے ایک دلیل وینس کے حاکم اوتادیانو کے احکام ہیں جو اس نے قبیلہ زنگاری کے سردار یوحنا کے نام ۱۳۱۸ء میں بھیجے تھے۔ اس کے علاوہ یونان میں بہت سے کھنڈر مصریوں اور زنگاریوں کے حملہ کے نام سے مشہور ہیں۔ جزیرہ کورقو میں بھی ان کی ایک نو آبادی تھی۔ لیکن جب مسلمانوں نے اسے فتح کیا تو تمام قبائل منتشر ہو کر دریائے ڈینوب تک پہنچ گئے۔

تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہے کہ ملک فلاینا میں زنگاری ۱۲۴۱ء میں پہنچے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شاہ رادو (اول) باتو خان کو مغل کی حکومت سے آزادی نصیب ہوئی تھی۔ اور اس نے سلطنت فلاحینا کی بنیاد ڈالی تھی۔ بعد کو سلطان محمد اول نے ۱۴۱۵ء میں اس سلطنت کو خراج دینے پر مجبور کیا۔ قریب قیاس یہی ہے کہ اسی زمانہ میں زنگاریوں نے ہنگری میں کثرت سے سکونت اختیار کی۔

۱۴۱۷ء میں اس قوم کی ایک جماعت بحر شمالی کے سواحل پر سکونت پذیر ہوئی اور وہاں اس نے یہ مشہور کیا کہ وہ مصر سے آئے ہیں اور سات سال تک سفر کرتے رہے ہیں۔ حکومت نے ان کے لئے ہر قسم کی آسانی بہم پہنچائی۔ لیکن بعد کو انہوں نے ملک میں فساد پھیلانا شروع کیا۔ اس لئے حکومت نے ان کو سخت سزائیں دیں اور خارج البلد کر دیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب سے اس قوم

Marfat.com

کی تاریخ شقاوت ومصیبت شروع ہوتی ہے۔

چونکہ زنگاری لوگ سلطنت عثمانیہ سے گئے تھے۔اس لئے ان کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ ترکوں کے جاسوس ہیں۔اس اثناء میں ان کے مصائب گو کچھ کم ہو گئے تھے لیکن ۱۵۰۰ء، ۱۵۴۸ء اور ۱۷۲۵ء میں ان کے خلاف شدید احکام کی پھر تجدید ہوئی۔ ۱۷۲۵ء میں فریڈرک ولیم اول نے یہ حکم صادر کیا کہ اس جماعت کے ہر فرد کو جس کی عمر ۱۸ سال سے زائد ہو پھانسی دے دی جائے۔۹ مئی ۱۷۲۲ء کو سلطنت روس کی طرف سے یہ حکم صادر کیا گیا کہ آٹھ روز کے بعد جو زنگاری ملک میں پایا جائے گا، مقید کر لیا جائے گا۔مردوں کو گولی مار دی جائے گی اور عورتوں کو کوڑے لگائے جائیں گے۔روس اور بولونیا میں یہ قوم جرمنی ہو کر گئی تھی۔

اسکانڈ نیاویا میں بھی ان کے اخراج کے احکام صادر ہوئے جن میں تصریح تھی کہ اگر کوئی زنگاری پھر واپس آئے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔اطالیہ، فرانس میں بھی ان کو رہنے کی اجازت نہ دی گئی۔ ۱۵۰۴ء تک یہ لوگ ادھر ادھر آوارہ پھرتے رہے۔اور ۱۸۰۲ء تک ان کی تعداد اس قدر کم ہو گئی کہ ان کا اخراج آسان ہو گیا اور آخر کار ۶ دسمبر ۱۸۰۲ء کو تمام زنگاری گرفتار کر کے ساحل افریقہ پر بھیج دیئے گئے۔

انگلستان میں بھی ان کے ساتھ یہی عمل کیا گیا اور ہنری ہشتم نے ان کے اخراج کا حکم صادر کیا۔لیکن وہاں کے نظام حکومت نے بادشاہ کے اس حکم کو نافذ نہیں کیا۔اور اٹھارویں صدی میں ان کی تعداد وہاں ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔

اسپین میں سب سے پہلے یہ ۱۴۴۷ء میں آئے اور شہر برشلونہ میں قیام کیا۔اہل اسپین انہیں یونانی سمجھتے تھے کیونکہ یہ لوگ یونانی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔کارلوس ثالث نے ان کو سرکاری ملازمت دی اور اپنی صنعت وحرفت میں مشغول ہونے کی بھی اجازت مرحمت کی۔لیکن زنگاری سرکاری ملازمت سے خوش نہ تھے کیونکہ اس سے ان کی فطری آزادی چھنتی تھی اور انہیں اپنے قدیم اخلاق وعادات کو چھوڑنا پڑتا تھا۔

حکومت ہنگری نے ان کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا، بلکہ ان کے ساتھ خاص رعایتیں بھی روا رکھیں۔ یہاں یہ لوگ آزادی سے اپنی زبان اور قومی خصائص کو محفوظ رکھنے میں کامیاب

Marfat.com

ہوئے اور سارے یورپ میں ہنگری ہی ایک ایسا ملک تھا جہاں وہ امن سے زندگی بسر کر سکتے تھے یہاں ان کی جماعتیں ۱۴۱۶ء سے بھی پہلے آ گئی تھیں فرانس میں سب سے پہلے یہ ۱۴۲۷ء میں آئے۔ اور پیرس میں قیام کیا۔ یہاں آ کر انہوں نے بیان کیا کہ وہ مصر کے عیسائی ہیں اور مسلمانوں کے مظالم سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں چونکہ ان کی بعض جماعتیں بوہیمیا کی طرف سے آئی تھیں اس لئے اہل فرانس ان کو اہل بوہیمیا بھی کہتے ہیں۔

اب ان کی ایک بڑی جماعت روس میں پائی جاتی ہے جہاں یہ لوگ گھوڑوں کی تجارت کرتے ہیں۔ اسی طرح انگلستان میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں کے زنگاری یا جپسی زیادہ خوبصورت ہیں۔ ان کی ہر جماعت کا ایک رئیس ہے اور وہی سارا انتظام کرتا ہے۔ بعض قبائل میں اُن کی رئیس عورت بھی ہوتی ہے جسے وہ ملکہ کہتے ہیں۔ ۱۸۶۰ء میں ان کی ایک ملکہ نے جس کا نام اشتیر تھا، سیاسیات میں بھی حصہ لیا تھا۔ انگلستان میں ۱۸۸۸ء سے ان کی کئی ایک علمی انجمنیں قائم ہیں جن کے ممبر ۱۸۹۱ء میں ستر تک پہنچ گئے تھے اور اپنی جماعت کے نام سے وہ ایک سیاسی پرچہ بھی نکالتے تھے۔

ان کی ایک جماعت نے امریکہ کی طرف بھی ہجرت کی اور یہاں نسبتاً انہوں نے زیادہ بلند معاشرت اختیار کی۔ ۱۸۸۸ء میں یہاں ان کی رئیس ایک عورت تھی جس کا نام متلید اتھا۔

مذہبی حالت

ان کے مذہبی حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ ان کا کوئی مذہب نہیں ہے کیونکہ ان کی عادت ہے کہ جن لوگوں کے درمیان رہتے ہیں اپنے تئیں انہیں کا ہم مذہب ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ مگر ان کے ہاں بعض خاص مراسم پائے جاتے ہیں۔ مثلاً مردہ کے تمام کپڑے جلا ڈالنا۔ اس کے برتن پھوڑ دینا۔ خدا کو یہ لوگ دیودل کہتے ہیں۔ جو غالباً سنسکرت لفظ دیوس یا دیاس کی مسخ شدہ صورت ہے۔ انہوں نے اپنی زبان میں توریت کا ترجمہ کر لیا ہے۔ یہ لوگ اپنی عورتوں کی عفت پر بڑا فخر کرتے ہیں اور اس بات میں بڑی غیرت سے کام لیتے ہیں۔ ان کے بعض مخصوص مصطلحات بھی ہیں جنہیں ان کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

Marfat.com

پیشہ واخلاقی حالت

ان کا عام پیشہ حداوی ہے، ہنگری کے ایک اسلحہ خانہ کے دفتر میں ایک تحریر ملی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱۳۰۵ء سے ۱۵۲۵ء تک نیزے) گولے، میخیں، معمولی قسم کی چھریاں، گھوڑوں کے نعل اور اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی چیزیں انہیں لوگوں کی تیار کی ہوئی استعمال کی جاتی تھیں۔

عثمانی فتوحات کے عہد زریں میں جب ہنگری کے مسیحی نظام میں برہمی پیدا ہو کر اس کا بڑا حصہ قلمرو میں داخل ہو گیا تھا اس وقت زنگاری قوم کی اخلاقی حالت خراب تھی۔ اسی لئے سلطان مصطفٰے خان نے حکم نافذ کیا تھا کہ جس قدر زنگاری عثمانی فوج میں داخل ہیں ان سے صرف لوہاری کا کام لیا جائے اور ان کی اخلاقی حالت کی اصلاح کی جائے۔

یہ لوگ عام طور پر بزدل ہوتے ہیں مگر بعض اوقات انہوں نے اپنی شجاعت کا بھی غیر معمولی ثبوت دیا ہے۔ ۱۵۵۷ء میں جب پرینی نے دیکھا کہ فوج کم ہو گئی ہے تو اس نے ایک ہزار زنگاری اپنے قدیم محل ناگیڈا (NAGYIDA) کی حفاظت کے لئے مامور کئے اور انہوں نے نہایت شجاعت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا اور اسے محاصرہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن بعد کو جب انہوں نے آسٹروی سپہ سالار کے پاس یہ اطلاع بھیجی کہ ''اگر ذخیرہ ختم نہ ہو جاتا تو ہم تم کو زندہ واپس نہ جانے دیتے۔'' تو انہوں نے دوبارہ حملہ کر دیا اور محل کو فتح کر کے تمام زنگاریوں کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ کی یاد میں زنگاری ایک خاص قسم کا گیت گاتے ہیں۔ جس کو سن کر کوئی زنگاری بغیر آنسو بہائے نہیں رہ سکتا۔

صورت ولباس

دلکر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جن زنگاریوں نے یوروپ میں سکونت اختیار کی ہے ان کا جسم متوسط طول کا ہوتا ہے، پیشانی اندر کی طرف دبی ہوئی ہوتی ہے۔ چہرہ چوڑا ہوتا ہے، اور آنکھیں سیاہ۔ ان کی داڑھیاں گنجان ہوتی ہیں اور سر پر کثیف بالوں کا ڈھیر ہوتا ہے جو بے ترتیبی سے شانوں پر پڑے رہتے ہیں۔ ان کے دانت سفید اور برابر ہوتے ہیں ان کا رنگ گندمی،

Marfat.com

مائل بہ زردی، یا مائل بہ سیاہی ہوتا ہے۔ ان کی نوجوان لڑکیوں کے حسن و جمال کی تعریف میں سیاحوں نے بہت مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی عورتیں حسین ہوتی ہیں لیکن ان کا حسن جلد زائل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان کی بوڑھی عورتیں بدصورتی میں ضرب المثل ہیں۔

ان کے مرد تنگ پتلون اور چھوٹی صدریاں پہنتے ہیں۔ سر برہنہ رکھتے ہیں۔ نیلگوں رنگ ان کو بہت پسند ہے۔ سرخ اور سنہرا رنگ بھی انہیں مرغوب ہے۔ ان کی عورتیں شانہ پر بڑا رومال ڈالتی ہیں۔ اور مختلف قسم کے زیوروں اور چاندی کے سکوں سے اپنے جسم کو آراستہ کرتی ہیں۔ ہر عورت کی پشت پر ایک تھیلی ہوتی ہے جس میں وہ گدائی یا سرقہ کے ذریعہ سے حاصل کی ہوئی چیزیں رکھتی ہے۔ ان کے کپڑے پرانے اور میلے ہوتے ہیں۔ بچے اکثر ننگے رہتے ہیں۔ دوا سے انہیں نفرت ہے۔ وہ اپنے علاج کیلئے کسی ڈاکٹر یا طبیب کو کبھی نہیں بلاتے بلکہ خود اپنا علاج کرتے ہیں۔ زعفران اور پیاز ان کی مخصوص دوائیں ہیں۔

عام حالات

جب یہ لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں تو عورتوں اور بچوں کو گاڑیوں پر سوار کرا دیتے ہیں۔ اور اپنا سامان بھی انہیں پر رکھ دیتے ہیں، جہاں قیام کا ارادہ ہوتا ہے وہاں اپنا خیمہ (جو صرف ایک چادر اور چند لکڑیوں سے عبارت ہے) نصب کر دیتے ہیں۔ اور قریب ہی اپنا گھوڑا باندھ دیتے ہیں۔ خیمہ کے سامنے کھانا پکانے کی غرض سے آگ جلائی جاتی ہے۔ کوئی شخص اگر قریب سے گزرتا ہے تو ان کے بچے اس کو گھیر لیتے ہیں اور نٹوں کا سا تماشہ کر کے پیسہ مانگتے ہیں۔

موسم گرما میں یہ لوگ سیاحوں کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اپنی موسیقی سنا کر ان سے سوال کرتے ہیں۔ جب وہ کسی جگہ قیام کرتے ہیں تو قریب کے دیہات میں چوری کے لئے بھی نکل جاتے ہیں۔

یہ لوگ مردار جانوروں کا گوشت کھانے سے پرہیز نہیں کرتے۔ راستہ میں جو مرا ہوا جانور انہیں مل جاتا ہے اسے نہایت شوق سے کھاتے ہیں۔ اتوار کا دن ان کے ہاں یوم اللحم کہلاتا ہے۔ نبیذ اور شراب کی طرف رغبت کم ہے البتہ غنا کو بڑا شوق ہے۔

Marfat.com

ان کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ دیہات سے بچے چرا کر لیجاتے ہیں اور انہیں بھیک مانگنے کی تعلیم دے کر اپنے ساتھ شامل کر لیتے ہیں۔ الغرض ان کے مشغلے دو قسم کے ہیں۔ ایک اچھا جیسے موسیقی۔ خداوی۔ سونا صاف کرنا۔ لکڑی پر کام بنانا وغیرہ اور دوسرا برا جیسے چوری اور مکر و فریب وغیرہ۔ یہ لوگ گھوڑوں کی بھی تجارت کرتے ہیں۔ اور اس میں بھی لوگوں کو بہت دھوکا دیتے ہیں۔ ان کی عورتیں ہاتھ دیکھ کر آئندہ حالات بتانے میں بھی مشاق ہوتی ہیں۔ جب یہ کسی گھر میں داخل ہوتی ہیں تو فوراً کسی عورت یا لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اس کی قسمت کے متعلق پیشن گوئی کرنے لگتی ہیں۔ امراض نسوانی کا علاج کرنے میں بھی وہ اپنے تئیں بہت مشاق ظاہر کرتی ہیں۔ اور گنڈا تعویذ دیتی ہیں۔

Marfat.com

جب اَندلُس میں مسلمان زندہ جلائے جاتے تھے

مسلمانوں نے اسپین، اندلُس، پر کم وبیش آٹھ سال جاہ وجلال کے ساتھ حکومت کی!
مسلمانوں نے اسپین پر صرف حکومت ہی نہیں کی اسے بہت کچھ دیا بھی ہے۔
اسپین کی سرزمین پر جب مسلمان داخل ہوئے تو استحصال کا بازار گرم تھا۔ رشوت عام تھی۔ غریب مظلوم تھا، امیر ظالم، ملک کا نظم ونسق چند آدمیوں کے ہاتھ میں تھا اور وہ سارے ملک کے سیاہ وسفید کے مالک بنے ہوئے تھے، اور ان سب پر بادشاہ ذی جاہ کو بالادستی حاصل تھی۔ اس کے سامنے کسی کو مجال دم زودن نہیں تھی۔ وہ عوام پر ظلم کرتا تھا۔ ملک کی دولت لوٹتا تھا اور اپنے ملک کی دوشیزاؤں کی متاع عصمت تاراج کرتا تھا۔ عوام مفلوک الحال تھے، تباہ وبرباد تھے۔ نہ ان کی فریاد سُنی جاتی تھی نہ اُن کے ساتھ انصاف کیا جاتا تھا۔ تعصب انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ عیسائیت ملک کا عام مذہب تھا، کلیسا کی بالادستی بادشاہ تک پر قایم تھی۔ جو عیسائی، فکر اور عقیدے کے اعتبار سے کمزور یا مشتبہ نظر آتے تھے ان کے لیے، ایک ایوان تعزیر وعقوبت قائم تھا، یہاں ایک مجرم کی حیثیت سے وہ پیش کیے جاتے تھے اور انھیں اذیت ناک سزا دی جاتی تھی۔ اور جو لوگ عیسائی نہیں تھے، اُن پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔ وہ بنیادی اور شہری حقوق سے محروم تھے، ان کی املاک وجائداد ہر وقت ضبط کی جاسکتی تھی، ان کے کاروبار پر جب مرضی ہو قبضہ کیا جاسکتا تھا، اُن کی لڑکیوں اور عورتوں کو سرِ راہ، اور گھر کے اندر سے حسب مرضی ''گرفتار'' کر کے لونڈی اور باندی بنایا جاسکتا تھا، کسی میں اُف کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اور یہودیوں کا حال تو سب سے زیادہ

Marfat.com

زاروزبوں تھا۔ان پر ننگ انسانیت مظالم توڑے جاتے تھے۔انھیں جرم بے گناہی میں لرزہ خیز اورعبرت انگیز سزائیں دی جاتی تھیں۔انھیں ہرطرح کے مدنی حقوق سے محروم کردیا گیا تھا۔

یہ حالات تھے جب فاتح اور کشور کشا کی حیثیت سے مسلمانوں نے اسپین کی سرزمین پرقدم رکھا!

مسلمانوں کے اسپین میں وارد ہوتے ہی وہاں کی کایا پلٹ گئی۔یہودیوں،عیسائیوں، اورتمام غیر مسلموں کو بنیادی اور مدنی حقوق عطا کیے گیے۔انصاف کا یہ عالم کہ غیر مسلم کا مسلمان قاتل بھی، قصاص سے نہیں بچ سکتا تھا۔مساوات کی یہ کیفیت کہ انسانی حیثیت سے فاتح اور مفتوح، مسلم اور غیر مسلم میں کسی طرح کا امتیاز نہیں تھا۔رواداری اور بے تعصبی کا یہ رنگ کہ عیسائیوں، یہودیوں اورتمام غیر مسلموں کو اپنے ''پرسنل لاء'' میں مکمل آزادی تھی۔شادی نکاح، طلاق،وراثت کے معاملات کے اپنی شریعت کے مطابق وہ خود فیصلے کرتے تھے۔مسلمان حکومت داخل دینے سے قطعاً پرہیز کرتی تھی،کلیسا پورے طور پر آزاد تھا،اسقفوں، راہبوں اور پادریوں کے مناسب قایم تھے۔وہ خود اپنے ذرائع آمدنی رکھتے تھے،اور وہ حکومت کی دسترس سے باہر تھے۔کلیساؤں کے لیے جو جائدادیں،اور جاگیریں وقف تھیں۔ان پر مذہبی اجارہ داروں کو غیر مسئول اختیارات حاصل تھے۔مسلمانوں کی آمد سے پہلے جو زمین بنجر تھی وہ زرخیز اور شاداب بن گئی۔

ان نعمتوں کے علاوہ مسلمان اپنے ساتھ اور بھی بہت سی نعمتیں لائے تھے۔وہ علم کی شمع اپنے ساتھ لائے تھے اوراس شمع نے نہ صرف اسپین کی شب تاریک کو روزِ روشن میں تبدیل کردیا بلکہ سارے یورپ کو بقعۂ نور بنادیا۔

مسلمانوں کے داخلہ اندلس کے وقت عیسائی عوام اورخواص پر کلیسا کا تسلط قایم تھا۔ کلیسا کے کسی فیصلے کی اپیل نہیں ہوسکتی تھی۔کلیسا نے تحصیل علم کو جرم قرار دے دیا تھا،غسل معیوب تھا،صفائی اورطہارت معیوب تھی۔لیکن مسلمانوں نے اس سرزمین سے بڑے بڑے علماء،حکماء، اطباء،شاعر،ادیب اورانشا پرداز پیدا کیے۔ان کا یہ علم اندلس تک محدود نہیں رہا۔بڑھا اور پھیلا۔ مسلمانوں نے ایجادات واختراعات کی دنیا پیدا کی،اورایسی ایسی چیزیں ایجاد کیں جو آج بھی دنیا

Marfat.com

کے لیے مایہء حیرت ہیں۔ انھوں نے اس اُجڑی ہوئی زمین پر باغ لگائے، چمن بندی کی، سبزہ اُگایا، نئی نئی اور زیادہ سے زیادہ فصلیں پیدا کیں۔ نئے نئے شہر بسائے، نئی نئی عمارتیں تعمیر کیں اور فن تعمیر میں دنیا کے امام بن گئے، اُنھوں نے پارچہ بافی، ظروف سازی، دباغت، شیشہ سازی، اور نہ جانے کیا کیا اور کیسی کیسی ایجاد کر ڈالیں جو اپنے زمانے میں معجزہ اور آج بھی باعثِ صد استعجاب ہیں۔ غرض مسلمانوں کے آتے ہی اندلس ایک ایسا خطہ ارض بن گیا جو جنت کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔

لیکن روشنی کا ایک وقت ہوتا ہے، سورج غروب ہوتا ہے تو اندھیاری پھیل جاتی ہے۔ کڑیل جوان بیمار پڑتا ہے تو مشت استخوان بن کے رہ جاتا ہے۔ جو کل جوان تھا آج بوڑھا ہے، اور کل گوشۂ قبر میں جا سوئے گا۔ بالکل یہی کیفیت قوموں اور ملتوں کی بھی ہوتی ہے۔ اندلس میں مسلمانوں کا دورِ عروج مبدّل بہ زوال ہوا اور آخر ایک دن وہ آیا کہ اُن پر موت طاری ہو گئی۔ حالات نے اتنی نازک صورت اختیار کر لی کہ وہ خود حکومت سے دستبردار ہو گئے اور غسان حکومت عیسائیوں کے ہاتھ میں دے دی، بالکل اسی طرح جیسے مغلیہ حکومت انگریزوں کی تحویل میں چلی گئی تھی۔

مسندِ اقتدار و حکومت پر قدم رکھتے وقت غرناطہ اور دوسرے مفتوح شہروں کے مسلمانوں سے جو معاہدہ، شاہ فرڈی نینڈ اا اور ملکہ ازابیلا نے کیا تھا وہ مسٹر اسکاٹ کے الفاظ میں یہ تھا:

''کیتھولک بادشاہوں نے اپنے آپ، اور اپنی اولاد اور آنے والی نسل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا امر کا پابند کر لیا ہے کہ مسلمان آزادی کے ساتھ بغیر کسی مداخلت کے اپنے دینی شعائر اور دنیوی مراسم بجالایا کریں گے۔ اُن کی مسجدیں ہر طرح کے تصرف سے آزاد ہوں گی۔ اور نہ ہی ان میں کسی غیر مسلم کو داخل ہونے کی اجازت ہو گی۔ جملہ موجودہ روایات و قوانین جو عبادت گاہوں اور مزارات مقدسہ وغیرہ کے سلسلے میں ذرائع آمدنی سے متعلق ہیں۔ وہ بدستور نافذ رہیں گے۔ مسلمانوں کے مقدمات و معاملات کا تصفیہ مسلمان قاضی کرتے رہیں گے۔ املاک و جائداد کی منتقلی، وراثت، اور عام حقوق کے بارے میں موجود قوانین قائم رہیں گے، مسلمانوں کا تعلیمی نظام کسی بالادستی کا شکار نہیں ہوگا۔ مسلم مدارس اور تعلیم گاہوں پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔

Marfat.com

عیسائی خواتین کے بطن سے مسلمانوں کی جواولاد ہے اس کے عقائد پر چھاپہ نہیں مارا جائے گا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین جو جھگڑے ہوں گے اُن کا فیصلہ ثالثی کے سپرد ہوگا۔ وہ حاکم اور عامل جو مسلمانوں کے آئین وضوابط کے مطابق کام کر رہے ہیں وہ حسب سابق اپنے فرائض ادا کرتے رہیں گے۔"

لیکن غالب اور مغلوب، فاتح اور مفتوح، طاقتور اور کمزور کا معاہدہ کیا! زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی عیسائیوں نے اس معاہدے کو نظر انداز کر دیا، مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ دین عیسوی قبول کر لیں یا جلاوطن ہو جائیں، ساتھ ہی ساتھ ان کی مسجدوں، عبادت گاہوں اور مزارات پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ انھیں شہری حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ ان کی املاک و جائداد ضبط کر لی گئی۔ انھیں سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ تجارت اور کاروبار کے دروازے ان پر بند کر دیئے گئے، پہلے عیسائی ماؤں کی مسلمان اولاد جبراً عیسائی، بنائی گئی، پھر عام مسلمانوں کو اختیار دیا گیا کہ موت یا عیسائیت میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں، چند آدمی، چند ہزار آدمی، چند لاکھ آدمی اس استبداد کا جواب ترکِ وطن کی صورت میں وہ بھی، ہر پونجی سے محروم ہو کر دے سکتے تھے، لیکن ایک پورے ملک کے باشندے ایسا نہیں کر سکتے تھے وہ اگر جاتے تو کہاں جاتے؟ انھیں پناہ کہاں ملتی؟ روزگار کون دیتا؟ سر چھپانے کو جھونپڑی، پہننے کو کپڑا، اور کھانے کو روٹی کا بندوبست کون کرتا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ جو ترک وطن پر قادر تھے وہ تو دوسرے شہروں میں چلے گئے، جو اس پر قادر نہ تھے، وہ اپنے ملک میں رہے اور جبراً یا دمجبوراً دین عیسوی میں داخل ہو گئے!

لیکن کیا واقعی ان کا دل اسلام سے خالی ہو چکا تھا؟ اس کا جواب نفی میں ہے!

ان مسلمانوں نے مجبور ہو کر عیسائیت قبول کر لی تھی لیکن اسلامی افکار و عقائد، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی معاشرت و ثقافت سے بیگانہ نہ ہو سکے، انھیں بار بار کلیسا کے ارباب اقتدار کے سامنے مجرم کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا، ان پر الزام لگایا جاتا تھا کہ اب تک اسلام ان کے دل پر حکمران ہے، اور الزام کے ثابت ہو جانے پر انھیں لرزہ خیز سزائیں دی جاتی تھیں۔

امریکا کے ایک فاضل اجل اور مورخ بے بدل مسٹر لی نے، اسپینی مسلمانوں پر، اور اسپین کی عیسائی حکومت پر، خود اسپین کی قدیم دستاویزات اور کاغذات اور کلیسائے اسپین کے

Marfat.com

سرکاری مراسلات اور احکام وقوانین کو سامنے رکھ کر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ان میں ایک ''مور سکوز'' بھی ہے۔اس کتاب میں بتاتا گیا ہے کہ ''نوعیسائیوں'' پر ظلم وستم کے کیسے کیسے پہاڑ کلیسا کے حکم سے توڑے جاتے تھے۔کس طرح انھیں زندہ آگ میں جلایا جاتا تھا،اور کیوں کر انھیں ننگ انسانیت مظالم کا ہدف بنایا جاتا تھا۔

اس کتاب میں بہت کچھ ہے،اور آیندہ مختلف مواقع پر،اس کے سبق آموز اور عبرت انگیز حصے پیش کروں گا۔اس مضمون میں کچھ اعداد وشمار درج کرتا ہوں،جن سے اندازہ ہوگا کہ کلیسائے اسپین کے اختیارات احتساب وتعذیب (INQUISETION) کس درجہ وسیع تھے،اور انھیں کتنے سفاکانہ طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

مسٹر لی لکھتے ہیں:

''۱۶۰۶ش میں ایک ۱۹ برس کی لڑکی نے المیگویا کے مولدین (عیسائی نما مسلمان یا نو عیسائی) کے خلاف مخبری کی،اور نتیجہ یہ نکلا کہ ایک خاندان کے تمام افراد اپنی جان بچانے کے لیے ایک دوسرے کے خلاف مخبری کرتے چلے گئے۔ان میں سے:

''ایک آدمی عدم اعتراف کے جرم میں زندہ جلا دیا گیا۔اس کی ماں نے اقرار جرم کر لیا،اس کو حبس دوام کی سزا دی گئی،چار کو حوالہ فوج داری کیا گیا اور ہر ایک کی جائداد ضبط کر لی گئی،

جس قلمی رپورٹ کا ہم نے حوالہ دیا ہے اس کی رُو سے مولدین کو حسب ذیل سزائیں دی گئیں:

۱	مقدمے کے دوران جو وفات پا گئے۔	۵
۲	جو ''ملزم'' رہا کیے گئے۔	۱۴
۳	جو مقدمات خارج کر دیئے گئے۔	۵
۴	جو مقدمات ملتوی کر دیئے گئے۔	۳۰
۵	جن ملزموں کو معمولی سزائیں ملیں۔	۲۴
۶	جن ملزموں کو عبرت انگیز سزائیں ملیں۔	۱۵
۷	جن کے لیے حکم ہوا کہ انھیں دین عیسوی کی باقاعدہ تعلیم دی جائے۔	۳۲
۸	جنھیں تنبیہہ کر کے عدالت احتساب نے رہا کر دیا۔	۸

Marfat.com

۹	جنھیں حکم دیا گیا کہ روحانی ریاضت شافہ کو ترک کر دیا جائے۔	۶
۱۰	مصالحت ہوئی مگر املاک و جائداد ضبط کر لی گئی۔	۷۸
۱۱	مصالحت کے بعد جائداد واگزار کر دی گئی۔	۵
۱۲	جن پر جرمانہ کیا گیا۔	۵
۱۳	جنھیں جلاوطنی کا حکم سنایا گیا۔	۶
۱۴	جن کے لیے حکم ہوا کہ ایسا لباس پہنیں جس سے حقیر و ذلیل نظر آئیں۔	۵
۱۵	اس لباس کے ساتھ سزائے قید بھی ہوئی۔	۲۷
۱۶	اس لباس کے ساتھ سزائے حبس دوام ہوئی۔	۲۲
۱۷	اس لباس کے ساتھ سزائے حبس دوام بغیر میعاد یعنی تاحیات۔	۳
۱۸	سزائے تازیانہ۔۔۔کم سے کم ۱۰۰ زیادہ سے زیادہ ۲۰۰ کوڑے۔	۱۵
۱۹	جیل (۳ تا ۱۰ سال)	۱۴
۲۰	جنھیں زندہ جلایا گیا۔	۱۱

اشبیلیہ میں ۲۴ ستمبر ۱۵۵۹ء ش کو بھی ایسی ہی سزائیں متعدد لوگوں کو دی گئیں۔

۱۵۷۰ سے ۱۵۹۲ء ش تک صرف بلنسیہ کی عدالت احتساب و تعذیب میں جو ملزم مرتد کی حیثیت سے، یعنی عیسائی بن گئے تھے مگر پھر مسلمان ثابت ہوئے، ان کی تعداد حسب ذیل ہے:

۱۵۷۰ ش	۱۶ مقدمات
۱۵۷۱ ش	۲۵ مقدمات
۱۵۷۲ ش	۳۲ مقدمات
۱۵۷۳ ش	۳۴ مقدمات
۱۵۷۴ ش	۱۶ مقدمات
۱۵۷۵ ش	۲۰ مقدمات
۱۵۸۳ ش	۸ مقدمات
۱۵۸۴ ش	۲۹ مقدمات

Marfat.com

۱۵۸۶ ش	۶۴ مقدمات
۱۵۸۷ ش	۳۵ مقدمات
۱۵۸۸ ش	۲۱ مقدمات
۱۵۸۹ ش	۹۴ مقدمات
۱۵۹۰ ش	۴۹ مقدمات
۱۵۹۱ ش	۲۹۰ مقدمات
۱۵۹۲ ش	۱۱۷ مقدمات

یہ سب مقدمات ملزموں کے خلاف فیصل ہوئے اور انھیں قرار واقعی سزائیں ملیں۔

مرحوم آغا خاں نے ایک مرتبہ بڑی دل چسپ اور پتے کی بات کہی تھی۔ انھوں نے فرمایا تھا:

''مسلمانوں پر تعصب کا الزام لگایا جاتا ہے، لیکن انھوں نے کسی غیر مسلم کو نہ جبراً مسلمان بنایا، نہ کسی غیر مسلم کو ترکِ وطن پر مجبور کیا، لیکن ایک ملک کی، پوری قوم کو جبراً تبدیلِ مذہب پر مجبور کرنا اور نہ اسے ترکِ وطن کا حکم دینا ایسا شاندار کارنامہ ہے جس کی مثال صرف ''غیر متعصب'' عیسائیوں ہی کے ہاں مل سکتی ہے!''

ظاہر ہے آغا خاں کا یہ طنز اسپین پر تھا۔۔۔ اور بلاشبہ طنز لطیف کی تاریخ میں یہ طنز اپنا جواب نہیں رکھتا۔

Marfat.com

مکتبۂ اردو ادب

۲۷۔ ایف گلشن راوی ○ لاہور پوسٹ کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۷۴۶۰۲۶۰۲۶۰

Marfat.com